اسلامی داستانیں

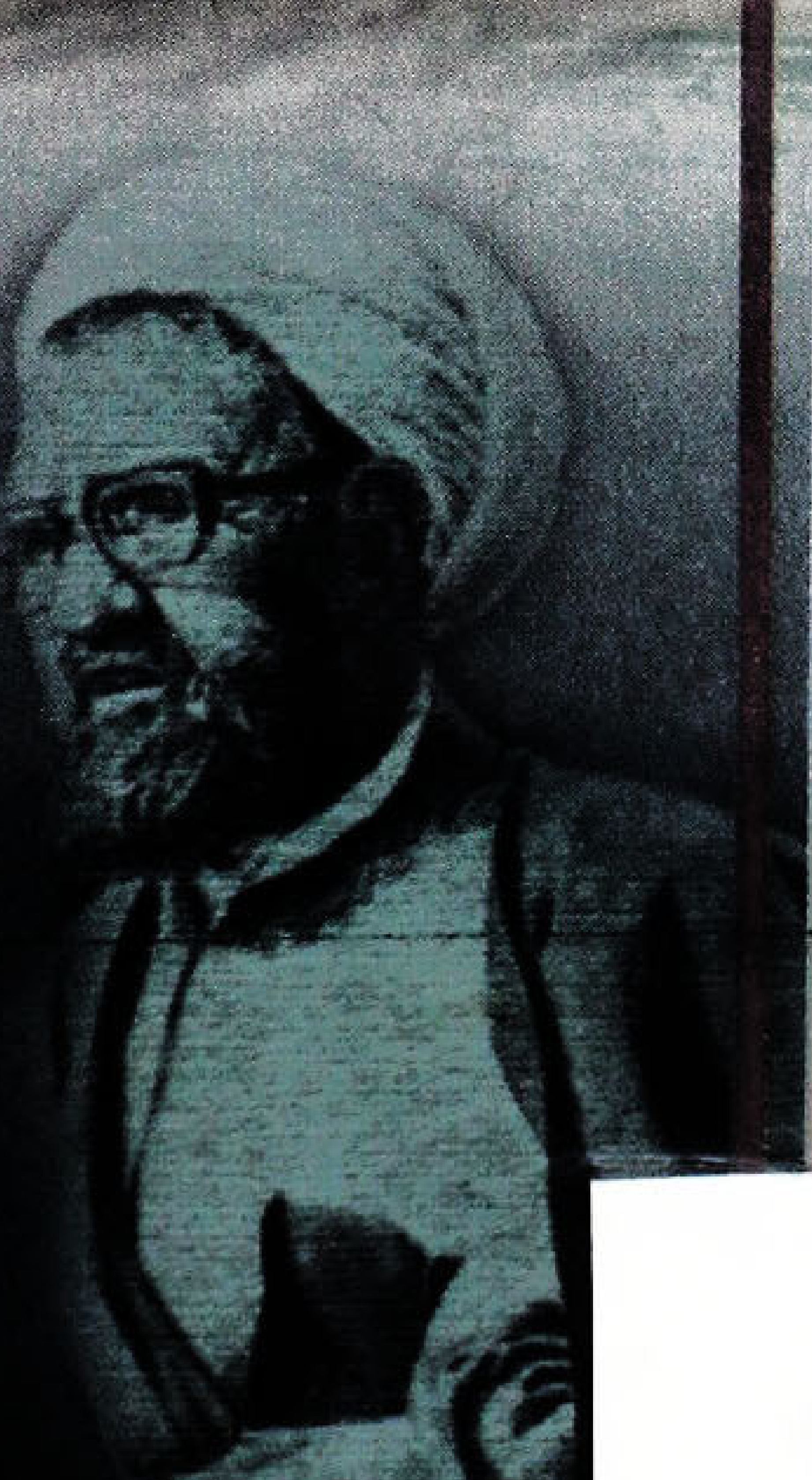

حضرت آیت اللہ حاج شیخ مُرتضیٰ مُطہری

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

Marfat.com

اسلامی داستانیں

حضرت آیت اللہ حاج شیخ مرتضیٰ مطہری

[redacted]

[redacted]

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

پوسٹ بکس ۵۴۲۵ - کراچی - پاکستان

۲۹۷۶۸۲
م ۱۸۱۱۵
ے ۳۲۷۵

اردو زبان میں حقوق طبع بحق ناشر محفوظ ہیں

تالیف .... علی رضا مرتضوی کرونی

ترجمہ .... محمد فضل حق (مرحوم)

اصلاح ونظر .... رضا حسین رضوانی

طباعت .... مقصود پیکیجز۔ کراچی

طبع دوم .... ۲۰۰۴ء مطابق ۱۴۲۵ھ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں: کتاب کلی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ ناشر ہذا کی پیشگی اجازت حاصل کئے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل، تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر نہ تو عاریۃً کرائے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں آئندہ خریدار یا بطور عطیہ حاصل کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لئے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت کی ضرورت ہوگی۔

Marfat.com

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئیؒ کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں معتبر اور مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرانا اور اس گرانبہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی، فرانسیسی، سواحلی، گجراتی اور دیگر زبانوں میں سیکڑوں کتابیں شائع کر چکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوبِ بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کر چکی ہیں۔ نشر واشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس ومکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہئے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر میں عام کیا جا سکے۔

دعا ہے کہ خداوند منان بحق محمدؐ وآل محمدؐ ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

۲۵-۱۰-۰۹

Marfat.com

اسلام

"کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔

یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔

یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔

یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔

یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق و صداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔"

Marfat.com

عناوین

دیباچہ ---------- ۱۱
استاد شہید کے اساتذہ ---------- ۱۳
اخلاص ---------- ۲۲
بے جا احساس ---------- ۲۳
انقلابی معلم ---------- ۲۵
ایمان کی شان ---------- ۲۶
استعداد تفکر ---------- ۲۷
لڑکی کا قبل از پیدائش بیاہ ---------- ۲۸
حق مہر ---------- ۲۹
تعدد ازدواج ---------- ۳۱
نفرت انگیز طلاقیں ---------- ۳۲
خلاف طریقت ---------- ۳۳
قصۂ شہید ---------- ۳۵
شہادت کی آرزو ---------- ۳۶
شکایت آمیز پیغام ---------- ۳۸
صاف گوئی ---------- ۴۰
طوطا اور سوداگر ---------- ۴۱
ماں کا صبر ---------- ۴۳
استاد کا خواب ---------- ۴۴
عقیدے کی راہ میں ثابت قدمی ---------- ۴۶
حضرت بلالؓ کا ایمان ---------- ۴۹
معیارِ شناخت ---------- ۵۰
نفس کا اژدہا ---------- ۵۲
عزتِ نفس ---------- ۵۳
معیارِ جواں مردی ---------- ۵۵
مولانا رومؔ اور شمس تبریزی ---------- ۵۷
انسان کامل ---------- ۵۷
ایک مثالی پیشوا ---------- ۵۸
اسلامی انسان ---------- ۶۰
بہترین عمل ---------- ۶۲
بوئے یوسفؑ ---------- ۶۵
خوارج کا ظہور ---------- ۶۶
خدا نے لبیک کہا ---------- ۷۲
غیر منطقی رحم ---------- ۷۳
مغرب میں مہر و محبت کا فقدان ---------- ۷۴
حسد کا انجام ---------- ۷۷

Marfat.com

مخلوقات عالم ---------- ۷۹
میانہ روی ---------- ۸۱
آزادی ---------- ۸۲
جنت نیکوکاروں کے لئے ہے ---------- ۸۴
اخلاص عمل ---------- ۸۵
نفس پر اعتماد ---------- ۸۶
امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت ---------- ۸۷
قمر بنی ہاشم ---------- ۸۹
امام علیؑ — ایک انسان کامل ---------- ۹۰
کمزوری کمال کی علامت نہیں ---------- ۹۳
باطنی میلان ---------- ۹۵
اولیائے خدا کا بازار تجارت ---------- ۹۸
فرشتوں کے ساتھ مصافحہ ---------- ۱۰۰
حیات علیؑ کا حیرت انگیز دور ---------- ۱۰۱
امیرالمؤمنینؑ کی بددعا ---------- ۱۰۴
خوداعتمادی ---------- ۱۰۹
ہمسفر کا حق ---------- ۱۱۰
خیالی مریض ---------- ۱۱۱
نہج البلاغہ سے میری واقفیت ---------- ۱۱۲
طالب دیدار ---------- ۱۱۴
اسلامی عدل ---------- ۱۱۷
مسجد بہلول ---------- ۱۱۷
دفتر عمل کی فکر ---------- ۱۱۸
عبادت میں اعتدال ---------- ۱۱۹
حاجی کتنے کم ہیں ---------- ۱۲۰
توبہ کے تیس سال ---------- ۱۲۰
رسول اکرمؐ اور یہودی مرد ---------- ۱۲۲
اسلامی پیشوا ---------- ۱۲۳
انتخاب شوہر میں آزادی ---------- ۱۲۳
جنگ کا اسلامی معیار ---------- ۱۲۴
غیر عادلانہ امتیاز کی نفی ---------- ۱۲۶
آپ نے یہ عمامہ کیوں اوڑھا ہے؟ ---------- ۱۲۶
اپنے آپ سے بیگانگی ---------- ۱۲۷
حب علی علیہ السلام ---------- ۱۲۹
جویبر اور ذُلفا ---------- ۱۳۰
ہمدردی ---------- ۱۳۴
بے پروا لوگ ---------- ۱۳۵
چار حدیثیں ---------- ۱۳۷
گدڑی پوش شیخ ---------- ۱۳۸
حکمرانوں کی ذمہ داری ---------- ۱۳۹
مرحوم وحید بہبہانی کا تقویٰ ---------- ۱۴۱
امام علیؑ کا طرز فکر ---------- ۱۴۲
دھوئیں والی مشین کی منطق ---------- ۱۴۴
مُرجئی اور شیعہ ---------- ۱۴۵
رسول اکرمؐ کی ایک حدیث ---------- ۱۴۶
قلمی نسخہ ---------- ۱۴۷
یمن ---------- ۱۴۹
منجم کی پیشگوئی ---------- ۱۵۰

Marfat.com

جعلی حدیث	۱۵۱
خدا کی رزاقیت	۱۵۲
سربلندی	۱۵۳
حدیث طیر	۱۵۴
خطرناک دشمن	۱۵۵
جاننا یا نہ جاننا	۱۵۵
بوسعید اور بوعلی سینا	۱۵۶
امام علیؑ کا مرتبہ	۱۵۷
علیؑ اور یہودی گداگر	۱۵۸
شیعوں کا مرجع	۱۵۸
غیر مسلم سے محبت	۱۵۹
نوشیروان ”ظالم“	۱۵۹
آگ سے زیادہ گرم پیالے	۱۶۰
زہد اور رہبانیت	۱۶۱
شیعی روحانیت	۱۶۱
یہ اس کی کم عقلی ہے	۱۶۲
اچھا گھر	۱۶۳
مثالی رہنما	۱۶۳
انجام پر نگاہ رکھنا	۱۶۴
رحم اور مہربانی	۱۶۴
ایثار کی بہترین مثال	۱۶۵
عافیت کی قدر	۱۶۶
منطق کی پیروی	۱۶۷
مہمانوں کی قاتل مسجد	۱۶۸
بہمنیار اور بوعلی سینا	۱۶۹
توہم پرستی	۱۷۱
مسلمان اور عیسائی ہمسایہ	۱۷۲
”طالبانی“ فہم اسلام	۱۷۳
امام علیؑ اور عدالت	۱۷۴
جھوٹی اطلاع	۱۷۶
سکندر اعظم اور دیوژن	۱۷۷
شہادت کی آرزو	۱۷۹
سفیان ثوری اور حضرت امام جعفر صادقؑ	۱۸۰
مذہب ایک افیون ہے	۱۸۱
الٰہی معیار	۱۸۲
تحریک کربلا کی پیامبر زینبؑ	۱۸۳
قربت کا سبب	۱۸۴
کہو ہاں، کہو نہ	۱۸۵
قمر در عقرب	۱۸۶
پروردگار کا کثرت ظہور	۱۸۷
حواس کا محدود ہونا	۱۸۹
ابوہارون کا مرثیہ	۱۹۰
.....اور پھر امیر شام رو دیا	۱۹۲
امام علیؑ کی سرفروشی	۱۹۵
خدا کے قول کا مصداق	۱۹۶
ایک زاہد مجاہد	۱۹۷
فلک اطلس تک بلند منبر	۱۹۹
خودسازی	۱۹۹

Marfat.com

ایک خارجی اور ذہین دیہاتی ---------- ۲۰۰
میں نہیں جانتا کہ میں نہیں جانتا ---------- ۲۰۰
جھوٹے مرثیے ---------- ۲۰۱
عوامی رگ ---------- ۲۰۱
بلند ہمتی ---------- ۲۰۲
اپنے آپ سے دشمنی ---------- ۲۰۳
ذہنی آزادی ---------- ۲۰۴
ضمیر کا بوجھ ---------- ۲۰۶
مردانِ خدا کی رات ---------- ۲۰۷
حضرت امیرالمومنینؑ کی نصیحت ---------- ۲۰۹
واحد جائے پناہ ---------- ۲۱۰
دشمن کے ساتھ مروت ---------- ۲۱۲
لفظی تحریف ---------- ۲۱۳
مقصد نیک ہوتو غلط وسیلہ جائز ہے؟ ---------- ۲۱۴
تحریفات عاشورا ---------- ۲۱۶
اصحاب حسینؑ کی وفاداری ---------- ۲۱۹
عذاب الٰہی کا خوف ---------- ۲۲۲
مہاجر ---------- ۲۲۳
ہجرت بخدا ''آزادی و اسیری'' ---------- ۲۲۴
ایک عارف پہلوان ---------- ۲۲۶
جہاد بالنفس ---------- ۲۲۷
نیت ---------- ۲۲۹
انتظار کے معنی ---------- ۲۳۰
آداب فرزندی ---------- ۲۳۱
ام البنینؑ کے مرثیے ---------- ۲۳۴
شاہِ کرب و بلا کی نماز ---------- ۲۳۷
توبہ کا زمانہ ---------- ۲۳۹
شب عاشور ---------- ۲۴۰
ایثار و قربانی ---------- ۲۴۲
امام حسینؑ کے اصحاب باوفا ---------- ۲۴۳
عاشورا فضیلتوں کا نچوڑ ہے ---------- ۲۴۵
کمسن دلاور ---------- ۲۴۷
امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا طریقہ ---------- ۲۴۹
دشمن پیدا کرنا ---------- ۲۵۰
نہی عن المنکر نہ کہ حکم منکر ---------- ۲۵۲
مجنوں اور اونٹنی ---------- ۲۵۴
اثر انگیز وعظ ---------- ۲۵۵
نفسانی خواہشات کی پیروی ---------- ۲۵۶
بے جا سختی ---------- ۲۵۷
دفاع بد ---------- ۲۵۹
فتنہ انگیز سچ ---------- ۲۶۰
بھولا شوہر ---------- ۲۶۳
خوبصورتی مطلق ہے یا اضافی؟ ---------- ۲۶۴
معنوی حسن ---------- ۲۶۶
بوعلی سینا اور شاگرد ---------- ۲۶۸
جانوروں پر رحم ---------- ۲۶۹
امام حسینؑ کا صبر ---------- ۲۷۱
افراط و تفریط ---------- ۲۷۲

اپنی اہانت کرنا ---------- ۲۷۳
ایمان کی طاقت ---------- ۲۷۴
حقیقی توبہ ---------- ۲۷۷
ایک تہائی کی وصیت ---------- ۲۸۰
مثالی پیشوا ---------- ۲۸۱
جاہل انتہا پسند ہوتا ہے ---------- ۲۸۱
ایک حقیقی مسلمان ---------- ۲۸۴
ترک عادت ---------- ۲۸۴
طریق توبہ ---------- ۲۸۵
کربلا کے کمسن شہید ---------- ۲۸۶
توابین کربلا ---------- ۲۸۹
ایک مرجع تقلید کا مقام ---------- ۲۹۲
اپنی شخصیت کھو دینا ---------- ۲۹۴
دل سے سوال ---------- ۲۹۶
خدا کی راہ میں ثابت قدمی ---------- ۲۹۷
مسلمان خواتین کا کردار ---------- ۳۰۱
حسینیت ---------- ۳۰۴
خودداری ---------- ۳۰۵
نعمتوں سے آزمائش ---------- ۳۰۶
آزادی ---------- ۳۰۷
نماز کو معمولی چیز سمجھنا ---------- ۳۰۷
کربلا کے ترجمان ---------- ۳۰۸
بزرگی اور بزرگواری کا فرق ---------- ۳۱۲
روحانی لذتیں ---------- ۳۱۲
الف کا قصہ ---------- ۳۱۴
تو وہی چیز ہے جسکی تجھے تلاش ہے ---------- ۳۱۶
خادمان علم ---------- ۳۱۶
ضمیر اور احساس کا انقلاب ---------- ۳۱۷
نفسانی خواہشات ---------- ۳۱۹
دین قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں ---------- ۳۲۰
عقیدے کی آزادی ---------- ۳۲۱
توبہ کا اثر ---------- ۳۲۲
اصحاب حسینؑ کی وفاداری ---------- ۳۲۳
یوم عاشورا ---------- ۳۲۶
سفر کے فائدے ---------- ۳۲۷
نوشیروان کی نخوت پسندی ---------- ۳۳۱
قبول ہونے والی توبہ ---------- ۳۳۱
کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ---------- ۳۳۳
شاہانہ عزم ---------- ۳۳۴
آقا میرزا احمد علیشاہ آبادی کی ایک یاد ---------- ۳۳۵
فکری سہارے کی ضرورت ---------- ۳۳۶
مقدس شک ---------- ۳۴۱
غلطی کی معذرت ---------- ۳۴۲
خوارج کے خلاف جنگ ---------- ۳۴۳
اسلام اور عصری تقاضے (۱) ---------- ۳۴۵
اسلام اور عصری تقاضے (۲) ---------- ۳۴۷
مواسات ---------- ۳۴۸
جھوٹے مرثیے ---------- ۳۴۹
نادان ناصح ---------- ۳۵۱

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خداوند جان و خرد
کزین برتر اندیشہ برنگذرد

دیباچہ

قصے کہانیاں تنہا ایسی تحریریں ہیں جن کے ساتھ انسان کو قدیم زمانے سے قلبی لگاؤ رہا ہے اور لوگ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ ان میں سے اکثر داستانیں سچی نہیں ہیں اور لکھنے والے کے دماغ کی اختراع ہیں انہیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

اسی لئے میں جن دنوں عوام کی رہنمائی اور ان کے اخلاق کی درستی کے لئے اس کتاب کو ترتیب دینے میں مصروف تھا ان دنوں جب کبھی میری ملاقات اپنے ساتھیوں سے ہوتی تو میں ان سے کہتا کہ: ''میں کچھ مفید داستانوں پر مشتمل ایک کتاب مرتب کررہا ہوں جنہیں میں نے استاد شہید مرتضی مطہریؒ کی دستاویزات میں سے تلاش کیا ہے۔''

یہ سن کر سب میرے اس کام کی تائید کرتے اور میرا حوصلہ بڑھاتے اور اس چیز کو بالخصوص نوجوان نسل کے لئے مفید اور ضروری سمجھتے تھے۔

جیسا کہ خود استاد مرحوم نے فرمایا ہے: اس قسم کی داستانیں اخلاقی اور اجتماعی رہنمائی کے لئے عملی طور پر مفید ہوتی ہیں اور ان کے ذریعے سے پڑھنے والا اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور روح سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو یا اپنے ماحول اور معاشرے کو ان پیمانوں سے

Marfat.com

ناپ سکتا ہے۔ پھر اسے یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ جس معاشرے میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اور جس کے تمام طبقے ہی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ان میں سے بعض تو اسلام کی خاطر مرنے مارنے تک کو تیار رہتے ہیں وہ معاشرہ دراصل اسلام کی حقیقت سے کس حد تک واقف ہے اور اس پر کتنا عمل کرتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ داستانیں عوام اور خواص دونوں کو فائدہ پہنچائیں گی اور سبھی کے کام آئیں گی۔ یہاں میں مندرجہ ذیل امور کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

(۱) اس کتاب کو استاد شہید مرتضیٰ مطہری کی مختلف کتابوں سے جمع کیا گیا ہے اس بنا پر میں نے اس کتاب کا نام ''داستان ہائے استاد'' تجویز کیا ہے۔ (ہم نے اردو میں اس کتاب کا نام ''اسلامی داستانیں'' رکھا ہے۔ ناشر)

(۲) اس کتاب میں ''داستان راستان'' کو چھوڑ کر استاد مطہری کی بیان کردہ باقی داستانیں جمع کی گئی ہیں۔

(۳) ہر داستان کے آخر میں محولہ کتاب کا نام لکھ دیا گیا ہے۔

(۴) کوئی داستان بیان کرتے وقت اصل متن سے انحراف نہیں کیا گیا اور میں نے اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کی ہے۔

(۵) اگرچہ مطالب کو مختلف موضوعات کے تحت بیان کرنا دلچسپ ہوتا ہے لیکن مطالب میں تنوع اور گوناگوں ہونے کا خود اپنا ایک حسن ہے۔ لہٰذا یکسانیت سے بچنے کے لئے میں نے مطالب کو موضوعات کے تحت بیان نہیں کیا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ خداوند کریم ہمارے قلم اور زبان کو لغزشوں سے محفوظ رکھے اور دنیا و آخرت میں ہمارے قدم راہ حق سے نہ ڈگمگانے دے اور ہمیں اسلام کی راہ پر ثابت قدم رہنا نصیب ہو۔

من اللّٰہ التوفیق وعلیہ التکلان

علی رضا مرتضوی کرونی

Marfat.com

استاد شہید کے اساتذہ

استاد مطہری شہید کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ اُن کے والد بزرگوار نے ـــ جو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک راہ خدا میں جدوجہد کرنے والے روشن ضمیر اور عابد شب زندہ دار شخص تھے ـــ استاد شہید کی ربانی شخصیت کی مضبوط بنیاد رکھی اور اس کے بعد استاد نے اپنے عہد کے گیارہ جلیل القدر علماء سے فیض حاصل کیا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرات آیات عظام:

(۱) محمد تقی خوانساری (۲) حجت کوہ کمرہ ای (۳) سید صدر الدین صدر (۴) سید محمد داماد (۵) میرزا مہدی آشتیانی (۶) حاج آقا حسین بروجردی (۷) میرزا علی آقا شیرازی (۸) علامہ سید محمد حسین طباطبائی (۹) سید احمد خوانساری (۱۰) سید محمد رضا گلپایگانی (۱۱) سید روح اللہ موسوی خمینی رضوان اللہ علیہم۔

جیسا کہ استاد نے کئی مرتبہ صراحت سے بیان کیا ہے کہ ان عظیم اساتذہ میں چار استاد ایسے ہیں جنہوں نے ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے یعنی آیت اللہ العظمیٰ حاج آقا حسین بروجردی، میرزا علی آقا شیرازی اور علامہ سید محمد حسین طباطبائی اور آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی رضوان اللہ علیہم۔

لہذا مناسب ہوگا کہ استاد نے اپنے والد ماجد اور ان چار عظیم اساتذہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ ہم خود انہیں کے الفاظ میں نقل کریں۔

Marfat.com

شیخ محمد حسین مطہریؒ

معنوی لذتوں کا ایک سلسلہ ہمارے اندر پایا جاتا ہے جو ہماری معنویت کو بلند کرتا ہے۔ جو شخص تہجد گزاروں، نماز شب پڑھنے والوں، سچ بولنے والوں، صبر کرنے والوں، سحر کے وقت استغفار کرنے والوں میں شامل ہوا اسے نماز شب لذت اور سرور بخشتی ہے۔

لہذا جن لوگوں کو یہ توفیق حاصل ہے (اور ہم نے ایسے اشخاص دیکھے ہیں) وہ ان مادی لذتوں کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتے جن کے ہم دلدادہ ہیں۔اگر میں اس سلسلے میں اپنے والد بزرگوار کا ذکر خیر کروں تو یہ کوئی غلط بات نہ ہوگی۔

جب سے مجھے یاد پڑتا ہے(اور یہ کم از کم چالیس سال پہلے سے ہے) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ بزرگوار اختتام شب سے دو تین گھنٹے پہلے بیدار نہ ہوئے ہوں۔ ان کا معمول ہے کہ وہ رات کا کھانا رات پڑتے ہی کھا لیتے ہیں اور جلدی سو جاتے ہیں۔ وہ سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے کم از کم دو گھنٹے پہلے اور جمعے کی راتوں کو سحر کی سپیدی نمودار ہونے سے تین گھنٹے پہلے جاگ اٹھتے ہیں اور قرآن مجید کے کم از کم ایک پارے کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے بعد بڑے سکون اور دلجمعی کے ساتھ نماز شب پڑھتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً سو سال ہے لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ نیند کی حالت میں بے چین ہوئے ہوں۔ یہ معنوی لذت ہی ہے جس نے ان کی اس طرح نگہداشت کی ہے۔کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جب وہ اپنے ماں باپ کے لئے دعا نہ کرتے ہوں۔ ان کی ایک سوتیلی ماں تھیں جن کا ان کے دل میں بڑا احترام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جب وہ ان کے لئے دعا نہ کرتے ہوں۔کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جب وہ اپنے دور و نزدیک کے رشتہ داروں کو یاد نہ کرتے ہوں۔ یہ چیزیں دل کو زندہ کرتی ہیں۔

اگر انسان ایسی لذت سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ مادی لذتوں میں کمی کرے تاکہ وہ معنوی اور الٰہی لذت حاصل کر سکے۔(حق و باطل، صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۲)

Marfat.com

آیت اللہ العظمیٰ حاج آقای حسین بروجردیؒ

آیت اللہ بروجردیؒ واقعی ایک بہت بڑے فقیہ تھے۔ میری یہ عادت نہیں کہ کسی کا نام لے کر اس کا ذکر کروں اس لئے جب تک وہ زندہ رہے میں نے کبھی اپنی تقریروں میں ان کا نام نہیں لیا لیکن اب جبکہ وہ ہم میں نہیں ہیں اور توصیف کے متمنی نہیں ہیں تو اب میں کہتا ہوں کہ یہ بزرگوار صحیح معنوں میں ایک جلیل القدر فقیہ تھے۔ تفسیر، حدیث، رجال، درایہ، فقہ اور دوسرے اسلامی فرقوں کے اعتقادات پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ (دہ گفتار، صفحہ ۹۹)

ان کے قم المقدسہ تشریف لانے سے پہلے ہی میرا ان سے قریبی تعلق تھا۔ میں بروجرد گیا تھا اور وہاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ وہ حقیقتاً باتقویٰ اور صحیح معنوں میں موحد تھے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو شخص مرجع تقلید ہے وہ موحد بھی ہے۔ توحید کے بھی درجات ہیں۔ اگر ہم لوگ اپنے معیار پر پرکھیں تو مراجع تقلید کی ''معرفت توحید'' میری اور آپ کی معرفت کے مقابلے میں بہت بلند درجہ رکھتی ہے لیکن جب میں موحد کہتا ہوں تو ایک بہت ہی بلند درجے کا ذکر کرتا ہوں۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے حقیقی طور پر توحید کو اپنی زندگی میں محسوس کیا تھا۔ وہ خدا کی مدد پر ایک عجیب بھروسا اور یقین رکھتے تھے۔ (گفتارہای معنوی، ص ۲۰۱)

آیت اللہ العظمیٰ میرزا علی آقای شیرازیؒ

یہ بڑی ناقدری ہوگی اگر میں اس مقدمے میں ان بزرگوار کا ذکر خیر نہ کروں جنہوں نے پہلی بار مجھے نہج البلاغہ سے آشنا کیا اور جن کی خدمت میں حاضری کو میں ہمیشہ اپنی زندگی کا سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں۔ (اور کسی شے کو اس سرمائے کا نعم البدل نہیں سمجھتا)۔ کوئی رات یا دن ایسا نہیں گزرتا کہ میں انہیں یاد نہ کرتا ہوں۔

میں بلاخوف تردید یہ بات کہتا ہوں کہ وہ واقعی ایک ''عالم ربانی'' تھے لیکن یہ کہنے کی جرأت نہیں رکھتا کہ میں متعلم علی سبیل النجاۃ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں جب بھی ان سے

Marfat.com

ملتا تو مجھے شیخ سعدی کا یہ شعر بے اختیار یاد آ جاتا تھا ؎

عابد و زاہد و صوفی ہمہ طفلان رہند
مرد اگر ہست بجز "عالم ربانی" نیست

وہ فقیہ بھی تھے اور دانشور بھی، ادیب بھی تھے اور طبیب بھی۔ فقہ، فلسفہ، عربی و فارسی ادبیات اور قدیم طب پر انہیں کامل عبور حاصل تھا۔ وہ بعض علوم کے اول درجے کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ وہ بوعلی سینا کی کتاب "القانون" جسے اب بھی پڑھانے والا کوئی نہیں ہے بڑی عمدگی سے پڑھاتے تھے اور فضلاء ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے لیکن انہیں ایک چیز پڑھانے کے لئے ہرگز پابند نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پابندی، خواہ وہ کسی شکل میں ہو، ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ نہج البلاغہ ان پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتی تھی اور انہیں اپنے شہہ پروں پہ بٹھا کر ایسی دنیاؤں کی سیر کراتی تھی جنہیں ہم صحیح طور پر نہیں سمجھ پاتے تھے۔

وہ نہج البلاغہ کے ساتھ جیتے اور سانس لیتے تھے۔ ان کی روح اس کتاب کی ساتھی تھی اور ان کی نبض اس کتاب کے ساتھ دھڑکتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ نہج البلاغہ کے الفاظ ان کی زبان پر ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر ان کی سفید ڈاڑھی کو بھگو رہے ہوتے تھے۔ ان کی نہج البلاغہ میں محویت جس کی وجہ سے وہ ہم سے اور اردگرد کے ماحول سے بے خبر ہو جاتے تھے ہمارے لئے ایک قابل دید، لذت بخش اور سبق آموز منظر ہوتا تھا۔ ان پر حضرت امیرالمومنینؑ کے یہ الفاظ صادق آتے تھے: "وَلَوْلاَ الاَجَلَ الَّذِیْ کَتَبَ لَهُمْ لَمْ تَسْتَقِرَّ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ طُرْفَةَ عَیْنٍ، شَوْقاً اِلَی الثَّوَابِ وَخَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ، عَظُمَ الْخَالِقُ فِیْ اَنْفُسِهِمْ، فَصَغُرَ مَادُوْنَهُ فِیْ اَعْیُنِهِمْ. (نہج البلاغہ)

محقق ادیب، بلند پایہ دانشور، بے مثل فقیہ، صف اول کے طبیب اور عالم ربانی مرحوم آقای حاج مرزا علی آقا شیرازی اصفہانیؒ صحیح معنوں میں حق اور حقیقت کے مرد میدان تھے۔ انہوں نے اپنی ذات اور دنیوی علائق سے منہ موڑ کر اپنا ناتا پروردگار عالم کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔ اپنے علمی مقامات اور سماجی شخصیت کے باوجود انہیں اس بات کا احساس تھا کہ معاشرے کی ہدایت کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ یہی احساس اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے ان

Marfat.com

کا والہانہ عشق اس امر کا موجب بنتا کہ وہ منبر پر جائیں اور وعظ کریں۔ چونکہ وہ جو نصیحتیں کرتے تھے وہ روح کی گہرائیوں سے نکلتی تھیں اس لئے دلوں میں اتر جاتی تھیں۔ وہ جب کبھی قم تشریف لاتے تو قم کے صف اول کے علماء ان سے بہ اصرار درخواست کرتے کہ منبر پر جائیں اور وعظ کریں۔ ان کا منبر ''قال'' سے زیادہ ''حال'' ہوتا تھا۔

وہ نماز جماعت کی امامت سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک سال رمضان المبارک کے مہینے میں انہیں بہت اصرار کر کے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ اس ایک مہینے میں مدرسۂ صدر میں نماز پڑھائیں۔ اگرچہ وہ باقاعدگی سے نہیں آتے تھے اور عین مقررہ وقت پر آنے کی پابندی برداشت نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔ جب انہوں نے سنا کہ اردگرد پڑھی جانے والی باجماعت نمازوں میں لوگوں کی تعداد کم ہوگئی ہے تو انہوں نے نماز پڑھانی چھوڑ دی۔

جہاں تک مجھے علم ہے اصفہان کے لوگ انہیں پہچانتے تھے اور انہیں ان سے اسی طرح عقیدت تھی جس طرح حوزہ علمیہ قم کے لوگ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ جب وہ قم تشریف لاتے تو علمائے قم بڑے اشتیاق کے ساتھ ان کی زیارت کو جاتے لیکن وہ سب دوسری پابندیوں کی طرح ''مریدی'' اور ''مرادی'' کی پابندیوں سے بھی آزاد تھے رحمۃ اللّٰہ علیہ رحمۃ واسعۃ وحشرہ اللّٰہ مع اولیائہ۔

ان تمام باتوں کے باوجود میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ انہیں نہج البلاغہ کے تمام پہلوؤں پر مکمل دسترس حاصل تھی اور انہوں نے اس کے ہر پہلو کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ انہیں نہج البلاغہ کے کچھ پہلوؤں پر تخصص حاصل تھا اور جن جن چیزوں میں انہیں تخصص حاصل تھا وہ خود ہی ان کا عملی نمونہ تھے یعنی نہج البلاغہ کے یہ حصے ان کی ذات میں مجسم ہو گئے تھے۔

نہج البلاغہ جیسی عظیم کتاب زہد و تقویٰ، عبادت و عرفان، حکمت و فلسفہ، وعظ و نصیحت، اسرار الٰہی و مغیبات، سیاسی و سماجی ذمہ داریاں اور شجاعت و دلاوری جیسے گوناگوں موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ کسی ایک شخص سے ان سب پر دسترس حاصل کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی اس بحر بیکراں میں ڈوب جائے اور کچھ موتی پالے۔ (سیری در نہج البلاغہ)

Marfat.com

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

حضرت استاذ ناالاکرم علامہ طباطبائی روحی لہ الفدا... (عدل الٰہی صفحہ۳۵۳) واقعی اسلام کے بہت ہی بڑے خدمت گزاروں میں سے ہیں۔ وہ بلاشبہ تقویٰ اور معنویت کا مجسمہ ہیں۔ انہوں نے تہذیب نفس اور تقوے کے میدان میں بڑی بلند منزلیں طے کی ہیں۔ میں نے سالہا سال تک اس عظیم انسان کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا ہے اور اب بھی کر رہا ہوں۔ ان کی کتاب ''المیزان'' قرآن مجید کی بہترین تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔ (حق و باطل صفحہ۸۹تا۹۱)

میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ شیعوں اور سنیوں کے درمیان صدر اسلام سے لے کر آج تک لکھی جانے والی یہ بہترین تفسیر ہے۔ علامہ طباطبائی نے اپنی زندگی کے کئی سال ''فلسفہ'' پڑھنے اور پڑھانے میں گزارے ہیں اور اپنی بصیرت کی بنا پر مختلف افکار و نظریات پر دسترس حاصل کی ہے۔ علاوہ بریں اپنے فطری لگاؤ اور طبعی میلان کی وجہ سے انہوں نے یورپ کے صاحب تحقیق فلسفیوں کے افکار و نظریات کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ (اصول فلسفہ و روش ریالیسم، جلد۱، مقدمہ)

وہ بہت ہی عظیم اور جلیل القدر انسان ہیں۔ وہ ایک ایسے شخص ہیں جن کے افکار کی قدر و قیمت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک سو سال تک بیٹھ کر ان کا تجزیہ اور تحلیل کی جائے۔

حضرت علامہ طباطبائی فلسفے میں چند خاص نظریات رکھتے ہیں۔ ان کے یہ نظریات آفاقی نوعیت کے ہیں جن کی قدر و قیمت واضح ہونے کے لئے شاید پچاس ساٹھ سال کا عرصہ لگے گا۔

بلاشبہ ان کی شہرت فقط ایران تک محدود نہیں بلکہ وہ عالم اسلام کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ فقط عالم اسلام میں ہی نہیں بلکہ غیر اسلامی دنیا مثلاً یورپ اور امریکہ میں بھی جو مستشرقین معارف اسلامی سے واقفیت رکھتے ہیں وہ انہیں ایک بہت بڑا مفکر مانتے ہیں۔ (حق و باطل صفحہ۸۹تا۹۱)

Marfat.com

حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

آیت اللہ العظمیٰ آقائے خمینی مدظلہ اس خاکسار کے عظیم استاد ہیں۔ (خدمات متقابل اسلام در ایران صفحہ ۲۲۴) قم المقدسہ ہجرت کرنے کے بعد میں نے اپنا گوہر مقصود ایک اور شخصیت میں پالیا۔ میں نے سوچا کہ میری پیاسی روح اس شخصیت سے سیراب ہو جائے گی۔

اگرچہ میں اپنے قم کے قیام کے آغاز میں ابھی ''مقدمات'' سے فارغ نہیں ہوا تھا اور ''معقولات'' میں داخلے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا لیکن میری محبوب شخصیت کی جانب سے جو اخلاقی درس ہر جمعرات اور جمعہ کو دیا جاتا تھا اور جو اخلاق کے خشک مطالب پر مبنی نہیں بلکہ درحقیقت معارف اور سیر و سلوک کا درس ہوتا تھا وہ مجھے سرشار کر دیتا تھا۔ بلاشبہ یہ درس مجھے اس قدر وجد میں لاتا تھا کہ آئندہ ہفتے کے منگل اور بدھ تک اس کا مجھ پر گہرا اثر رہتا تھا۔ میری شخصیت کے ایک بڑے اہم حصے کی تعمیر اس درس میں اور بعد میں دوسرے درسوں میں ہوئی جو میں نے بارہ سال کے عرصے میں اس استاد ربانی سے حاصل کیے۔ میں نے اس بارے میں ہمیشہ اپنے آپ کو ان کا مرہون منت سمجھا ہے۔ بلاشبہ وہ ''روح قدس الٰہی'' تھے (علل گرایش بہ مادیگری صفحہ ۸ و ۹)

وہ ایک ایسے مسافر ہیں کہ ''اہل دل'' کے سیکڑوں قافلے ان کے ہمرکاب ہیں۔ یہ بات کہ ان پر صادق آتی ہے کہ ''چلو تو سارے جہاں کو ساتھ لے کے چلو'' ان کا نام، ان کی باتیں، ان کی پرجوش روح، ان کا آہنی عزم، ان کی ثابت قدمی، ان کی شجاعت، ان کی روشن فکری اور ان کے ولولہ انگیز اور ایمان افروز ارشادات زبان زد خاص و عام ہیں یعنی جان جاناں، دلاوروں کے دلاور، ملت ایران کی آنکھوں کا تارا اور ہمارے عالی مرتبت استاذ حضرت آیت اللہ العظمیٰ خمینی مدظلہ ایک ایسا ''احسان الٰہی'' ہیں جو خداوند کریم نے ہمارے زمانے کو عنایت فرمایا ہے۔ وہ اِنَّ لِللّٰهِ فِی کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلاً یَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الْمُبْطِلِیْنَ (بلاشبہ ہر زمانے میں خدا کے ایسے عادل بندے ہوتے ہیں جو اس کے دین کو اہل باطل کی تحریفات سے محفوظ رکھتے ہیں)۔ کا واضح اور روشن مصداق ہیں۔

اس فیض کے سبب جو میں نے بارہ سال تک ان عظیم بزرگ سے حاصل کیا ہے اور

Marfat.com

ان روحانی اور معنوی فوائد کے شکرانے کے طور پر جو اس سرچشمۂ فضیلت کی قربت کے سبب مجھے حاصل ہوئے ہیں اپنے جذبات و احساسات کی شدت کی ہلکی سی جھلک پیش کرنے کے لئے میرا قلم بے تاب ہے۔ (نہضت ہای اسلامی در صد سالہ اخیر صفحہ ۸۷و۸۸)

میں نے تقریباً بارہ سال ''امام'' کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہے لیکن جب میں ان کے پیرس کے حالیہ سفر کے دوران ان سے ملنے اور ان کی زیارت کرنے کے لئے گیا تو میں نے ان میں کچھ ایسی چیزیں دیکھیں جنہوں نے نہ صرف مجھے حیرت زدہ کردیا بلکہ میرے ایمان میں بھی اضافہ کیا۔ جب میں واپس آیا تو دوستوں نے پوچھا: ''تم نے کیا دیکھا؟'' میں نے جواب دیا: میں نے چار عدد آمَنَ دیکھے:

آمَنَ بِھَدَفِهِ: وہ اپنے مشن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ساری دنیا بھی اکٹھی ہو جائے تو انہیں ان کے مشن سے نہیں ہٹا سکتی۔

آمَنَ بِسَبِيلِهِ: انہوں نے جو راستہ چنا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں اس راستے سے ہٹانا ممکن نہیں ہے۔ یہ اسی طرح کا ایمان ہے جیسا کہ رسول اکرمؐ اپنے مقصد اور راستے پر رکھتے تھے۔

آمَنَ بِقَوْلِهِ: میں جتنے دوستوں کو جانتا ہوں ان میں سے ایک بھی ان کی طرح ایران کے لوگوں کی ذہانت پر یقین نہیں رکھتا۔ لوگ انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ جناب آپ ذرا آہستگی سے کام لیں، ممکن ہے لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے، ممکن ہے لوگ ہمت ہار جائیں لیکن وہ فرماتے ہیں: نہیں! یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جیسا تم کہتے ہو۔ میں لوگوں کو بہتر سمجھتا ہوں اور ہم دیکھتے ہیں کہ روز بروز ان کے قول کی صداقت ثابت ہوتی جارہی ہے۔

سب سے آخر میں اور سب سے بڑھ کر آمَنَ بِرَبِّهِ ہے۔

ایک نجی محفل میں انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا: ''یہ ہم نہیں ہیں جو ایسا کر رہے ہیں۔ میں تائید الٰہی کو واضح طور پر محسوس کرتا ہوں۔'' جو شخص خدا کی مدد اور تائید کو محسوس کرے اور خدا کی راہ میں قدم بڑھائے تو خدا بھی ''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ'' کے مصداق اس کی مدد میں اضافہ فرماتا ہے۔ (پیرامون انقلاب اسلامی صفحہ ۲۱۔۲۲)

Marfat.com

بلاشبہ اس رہنما کی سرفروشی، ظلم اور ظالم کے خلاف انتھک جدوجہد، مظلوم کا سرتوڑ دفاع، صداقت، صاف گوئی، شجاعت اور سودے بازی سے اجتناب نے اس کے بطور رہنما چنے جانے میں اپنا کردار ادا کیا لیکن بنیادی وجہ ایک اور چیز ہے اور وہ یہ کہ — امام خمینی کی آواز — اس ملت کی تہذیب کے قلب، تاریخ کی پنہائیوں اور روح کی گہرائیوں سے ابھری ہے۔ وہ لوگ جن کی روح میں چودہ سو سال تک محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، سلمانؓ، بوذرؓ اور لاکھوں دوسرے مردوں اور عورتوں کے نعرے سرایت کر گئے تھے، انہوں نے ایک مرتبہ پھر وہی جانی پہچانی آواز اِس شخص کے حلق سے سنی۔ انہوں نے علیؑ اور حسنینؑ کو اس کے چہرے میں دیکھا اور اسے اپنی بھولی ہوئی تہذیب کا نمائندہ قرار دیا۔

امام نے کیا کیا؟

انہوں نے ہمارے لوگوں کو تشخص عطا کیا، انہیں ان کی شناخت اور اسلامی انفرادیت لوٹا دی، انہیں کسمپرسی کی حالت سے باہر نکالا۔ یہ سب سے بڑا تحفہ تھا جو انہوں نے ملت کو دیا۔ انہوں نے لوگوں کا کھویا ہوا ''ایمان'' انہیں واپس دلایا اور ان کی خود اعتمادی بحال کر دی۔

(پیرامون انقلاب اسلامی صفحہ ۱۱۹ و ۱۲۰)

اِخلاص

مجھے مرحوم آیت اللہ بروجردی اعلی اللہ مقامہ کا ایک واقعہ یاد ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب وہ بروجرد سے تہران اور تہران سے قم تشریف لائے اور حوزۂ علمیہ کی درخواست پر قم میں سکونت اختیار فرمائی۔ دراصل تہران آنے سے پہلے وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے جس کے لئے آپریشن کی ضرورت پیش آئی اور ان کا آپریشن کیا گیا۔ انہیں قم میں رہتے ہوئے چند مہینے گزرے تھے کہ گرمی کا موسم آ گیا اور حوزہ میں تعطیلات ہو گئیں۔ چنانچہ انہوں نے زیارت کے لئے مشہد جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے مرض کی شدت کے وقت یہ منّت مانی تھی کہ اگر خدا نے انہیں شفا عطا فرمائی تو وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے آستانہ اقدس پر حاضری دیں گے۔

ایک موجودہ مرجع تقلید نے مجھے بتایا کہ مرحوم آیت اللہ بروجردی نے اس ارادے کا اظہار ایک خصوصی محفل میں کیا اور ضمناً شرکائے محفل سے دریافت فرمایا: تم میں سے کون میرے ساتھ چلے گا؟ ہم نے کہا: ہم سوچ کر جواب دیں گے لیکن ان کی عدم موجودگی میں ہم نے باہم مشورہ کیا اور فی الحال ان کی قم سے مشہد روانگی کو بالکل غیر مناسب سمجھا۔ ہماری اس سوچ کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ حال ہی میں قم تشریف لائے تھے اور ابھی ایران کے لوگ بالعموم اور تہران اور مشہد (ان میں سے ایک شہر اس سفر کے دوران ان کے راستے میں پڑتا تھا اور دوسرا ان کی منزل مقصود تھا) کے لوگ بالخصوص صحیح طور پر ان کے ''مقام معظم'' سے آگاہ نہیں ہیں لہذا ان کا شایان شان استقبال نہیں ہو سکے گا۔ پس ہم نے فیصلہ کیا کہ انہیں اس سفر سے باز رکھا جائے لیکن ہم جانتے تھے کہ یہ وجہ ان کے سامنے بیان نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ طے پایا کہ کوئی اور عذر پیش کیا جائے مثلاً یہ کہ چونکہ آپ کا نیا نیا آپریشن ہوا ہے اس لئے ممکن ہے کہ موٹر کار کے

۵ ــ ۲۲ ــ ۷

ذریعے اتنا لمبا سفر آپ کے لئے تکلیف دہ ہو (اس وقت تک مشہد اور تہران کے لئے ریل گاڑی اور ہوائی جہاز چلنا شروع نہیں ہوئے تھے)۔

دوسری ملاقات کے وقت جب انہوں نے دوبارہ یہ ذکر چھیڑا تو ہم نے کوشش کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو انہیں اس ارادے سے باز رکھیں لیکن حاضرین محفل میں سے ایک صاحب نے ہمارے دل کی بات کہہ دی اور وہ سمجھ گئے کہ ہماری اس سفر کی مخالفت کرنے کی اصلی وجہ کیا ہے؟ اچانک ان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور انہوں نے بڑے پرخلوص اور روحانی لہجے میں فرمایا: ''شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے ستر سال کی عمر عطا فرمائی اور اس عرصۂ حیات میں مجھ پر بہت سارے احسانات فرمائے جن میں سے ایک میں بھی میری تدبیر کو دخل نہیں رہا۔ میں نے اس سارے عرصے میں یہ جاننے کی کوشش کی کہ میری ذمہ داری کیا ہے تاکہ اس کے مطابق عمل کروں۔ اب ستر سال گزر جانے کے بعد یہ مناسب نہیں کہ میں اپنے ذاتی مفادات کے بارے میں فکرمند ہو جاؤں، ہرگز نہیں، میں ضرور جاؤں گا۔

بلاشبہ اگر ایک شخص اپنی عملی زندگی میں کوشش اور اخلاص کو اپنائے تو خداوند عالم ایسے ذرائع سے اس کی مدد کرتا ہے جن سے وہ شخص خود بھی آگاہ نہیں ہوتا۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ یعنی اگر تم حقیقت کا ساتھ دو گے تو حقیقت تمہاری مدد کو آئے گی۔

بے جا احساس

ایک صاحب بتا رہے تھے کہ کسی شہر میں ایک نیک اور دین دار تاجر رہتا تھا۔ خدا نے اسے ایک اکلوتا بیٹا عطا فرمایا تھا۔ یہ اکلوتا بیٹا اسے بے حد عزیز تھا۔

بیٹا فطری طور پر ضدی اور خودغرض تھا اور ماں باپ پر حکم چلاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ جوان ہو گیا اور جوانی، فراغت، دولت، ضد اور خودغرضی نے مل کر اسے آوارہ اور بدچلن بنا دیا۔ باپ بے حد پریشان رہتا تھا کیونکہ بیٹا اس کی کسی بات پر کان نہیں دھرتا تھا۔

Marfat.com

چونکہ وہ باپ کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے باپ اس سے قطع تعلق کرنے پر بھی آمادہ نہ تھا لیکن وہ دل ہی دل میں کڑھتا اور خاموش رہتا۔ بیٹے کی آوارگی اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ باپ کے گھر میں جہاں مذہبی محفل کے سوا کوئی محفل برپا نہیں ہوتی تھی، گاہے بگاہے شراب نوشی کی محفلیں سجانے لگا اور کبھی کبھار تو آوارہ عورتوں کو بھی لے آتا تھا۔ بے چارا باپ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا لیکن منہ سے کچھ نہ کہتا۔

ان دنوں گوجہٗ فرنگی (ٹماٹر) ایران میں نیا نیا آیا تھا۔ کچھ لوگ اس ملعون فرنگی گوجہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چونکہ یہ فرنگ (یورپ) سے آیا ہے اس لئے حرام ہے۔ لوگ بھی اسے نہیں کھاتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس شہر کے لوگ ''گوجہٗ فرنگی'' سے نفرت کرنے لگے اور اسے ہر حرام چیز سے زیادہ حرام سمجھنے لگے۔ اس شہر میں گوجہٗ فرنگی کو ''ارمنی بادمجان'' کہتے تھے۔ یہ نام ''گوجہٗ فرنگی'' کے نام سے بھی زیادہ دل آزار تھا کیونکہ ''گوجہٗ فرنگی'' سے تو فقط اس گوجہ کا وطن ظاہر ہوتا تھا لیکن لفظ ''ارمنی بادمجان'' سے اس کا دین اور مذہب بھی متعین ہو جاتا تھا۔ ایک دن اس تاجر کو گھر والوں نے بتایا کہ آج صاحبزادے نے ایک نیا گل کھلایا ہے۔ وہ ارمنی بدمجان ایک رومال میں باندھ کر گھر لے آیا ہے۔

جب باپ نے یہ خبر سنی تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے چیخ کر بیٹے کو بلایا اور بولا: بیٹا! تم نے شراب پی میں نے صبر کیا، تم آوارہ عورتوں کے پاس گئے میں نے صبر کیا، تم جوا کھیلتے رہے میں نے صبر کیا، تم نے گھر میں شراب کی محفل سجائی میں نے صبر کیا لیکن آج تم گھر میں بادمجان لے آئے ہو، یہ میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔

بیکار اور معمولی چیزوں کے بارے میں پیدا ہونے والے بے جا احساس کا یہ ایک نمونہ تھا جو بنیادی چیزوں کے بارے میں پیدا ہونے والے احساس سے سو گنا زیادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات احساس کی شدت یہاں تک پہنچتی ہے کہ شراب، جوئے اور بدکاری کے مقابلے میں ارمنی بادمجان کا برداشت کرنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ (امدادہای غیبی در زندگی بشر)

Marfat.com

انقلابی معلم

ابن سکیت عربی ادب کا جانا پہچانا نام ہے۔ آج بھی وہ سیبویہ اور عربی زبان کے دوسرے علماء کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ متوکل عباسی کے دور حکومت یعنی حضرت امیرالمومنینؑ کی شہادت سے تقریباً دو سو سال بعد کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ متوکل کے دربار میں ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ شیعہ ہیں لیکن چونکہ وہ بڑے عالم فاضل شخص تھے اس لئے متوکل نے انہیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ ایک روز جب بچے متوکل کے پاس آئے تو ابن سکیت بھی موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس روز بچوں کا امتحان لیا گیا تھا اور اس میں وہ اچھی طرح کامیاب ہوئے تھے۔ متوکل نے اظہار خوشنودی کے طور پر اور شاید اس لئے بھی کہ اس نے سن رکھا تھا کہ وہ شیعیت کی طرف میلان رکھتے ہیں ابن سکیت سے پوچھا: تمہیں میرے یہ دونوں بیٹے زیادہ پیارے ہیں یا علیؑ کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ؟

ابن سکیت یہ جملہ اور یہ تقابل سن کر سخت برافروختہ ہوئے۔ ان کا خون جوش مارنے لگا۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ اس مغرور شخص کی یہ جرأت ہوگئی ہے کہ یہ اپنے بیٹوں کا موازنہ حسنؑ اور حسینؑ سے کرتا ہے؟ یہ غلطی میری ہے کہ میں نے انہیں تعلیم دینے کی ذمہ داری قبول کی۔ پھر انہوں نے متوکل سے کہا: ”خدا کی قسم علیؑ کا غلام قنبر مجھے ان دونوں سے اور ان کے باپ سے کہیں زیادہ پیارا ہے۔“

یہ سن کر متوکل نے حکم دیا کہ ابن سکیت کی زبان اسی وقت گدی سے کھینچ لی جائے۔

(جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام)

ایمان کی شان

جنگ احد کا خاتمہ مسلمانوں کے لئے حسرت و یاس کا پیغام لایا۔ ستر مسلمان شہید ہوگئے جن میں عم رسولؐ حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے۔ ابتداء میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لیکن بعد میں ایک تیر انداز دستے، جسے رسول اکرمؐ نے ایک ٹیلے پر مامور کیا تھا، کی بدنظمی کے نتیجے میں دشمنوں نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں عقب سے لشکر اسلام پر اچانک حملہ کردیا۔ کچھ لوگ شہید ہوگئے اور کچھ میدان چھوڑ گئے۔ صرف ایک چھوٹی سی جماعت آنحضرتؐ کے گرد باقی رہ گئی جس نے دوبارہ مسلمانوں کو جمع کیا اور مشرکین مکہ کی مزید پیش قدمی روک دی۔

رسول اکرمؐ کی شہادت کی افواہ سے مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی لیکن جونہی انہیں پتا چلا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں تو ان کا اعتماد بحال ہوگیا۔

کچھ زخمی زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے اور انہیں اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ جنگ کا نتیجہ کیا رہا۔ ان زخمیوں میں ایک سعد بن ربیعؓ بھی تھے جن کے جسم پر بارہ کاری زخم آئے تھے۔ دریں اثناء ایک مسلمان جس نے میدان جنگ میں پیٹھ دکھائی تھی سعد کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا: میں نے سنا ہے کہ رسول اکرمؐ شہید ہوگئے ہیں۔

سعد نے کہا: ''اگر محمدؐ شہید ہوگئے ہیں تو کیا ہوا، محمدؐ کا خدا تو زندہ ہے۔ محمدؐ کا دین تو باقی ہے۔ تم کیوں بیکار بیٹھے ہو، اپنے دین کا دفاع کیوں نہیں کرتے؟''

دوسری جانب جب رسول اکرمؐ نے اصحاب کو جمع کیا اور ایک ایک صحابی کے بارے میں دریافت فرمایا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ کون زندہ ہے اور کون شہید ہوگیا ہے۔ جب آپؐ نے سعدؓ کو موجود نہ پایا تو پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جو جائے اور سعدؓ کے بارے میں صحیح صورتحال سے مجھے آگاہ کرے؟ ایک انصاری نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں ابھی یہ کام کئے دیتا ہوں۔

وہ انصاری جس وقت سعدؓ کے پاس پہنچا تو وہ جاں بلب تھے۔ اس نے کہا: اے سعدؓ! اللہ کے رسولؐ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں انہیں تمہاری زندگی یا موت کی خبر دوں۔

Marfat.com

یہ سن کر سعدؓ نے کہا: رسول اللہؐ کو میرا سلام پہنچا دینا اور عرض کرنا کہ سعدؓ مُردوں میں شامل ہے کیونکہ اس کی زندگی کے اب صرف چند لمحات باقی رہ گئے ہیں۔ آنحضرتؐ سے یہ بھی کہنا کہ خداوند تعالیٰ آپؐ کو وہ بہترین جزا دے جو ایک پیغمبر کو سزاوار ہے۔

پھر انہوں نے اس انصاری سے کہا کہ اے بھائی! میری طرف سے ایک پیغام میرے انصاری بھائیوں اور دوسرے صحابیوں تک پہنچا دینا۔ ان سے کہنا کہ سعدؓ نے کہا ہے کہ: ''اگر تمہاری زندگی میں تمہارے ہوتے ہوئے پیغمبر خداؐ کو کوئی تکلیف پہنچی تو خدا کے حضور تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔'' (جاذبہ ودافعہ علی علیہ السلام)

استعداد تفکر

پچھلے ڈیڑھ سو سال کے فقہاء میں شیخ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام احیائے علوم اسلامی کے حوالے سے خاص شہرت رکھتا ہے۔ ان کا طالب علمی کا زمانہ بے حد مختصر تھا۔ جب ہم ان کے حالات زندگی پڑھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ نجف اشرف کے علماء کی خدمت میں تھوڑا سا عرصہ گزار کر وہ مختلف اساتذہ سے تلمذ کرنے مشہد مقدس گئے، لیکن وہاں ان کا جی نہیں لگا اور وہ تہران چلے گئے۔ کچھ عرصہ یہاں گزار کر وہ اصفہان چلے گئے جہاں کچھ مدت مقیم رہے اور علم رجال کے استاد سید محمد باقر حجۃ الاسلام سے اس علم کے بارے میں کچھ بنیادی چیزیں سیکھیں۔ وہاں سے وہ کاشان چلے گئے اور وہاں نراقی علماء کی خدمت میں تین سال رہے۔ کاشان میں شیخ انصاری کی سکونت کا زمانہ باقی جگہوں سے قدرے طویل تھا لیکن باضابطہ طور پر اساتذہ سے حصول علم کی مجموعی مدت آٹھ دس سال سے زیادہ نہیں تھی جبکہ دوسرے علماء کم از کم بیس پچیس سال تک اساتذہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اکثر لوگ آیت اللہ العظمیٰ آقائے بروجردی پر بھی یہی اعتراض کرتے تھے کہ انہوں نے بہت کم اساتذہ سے درس پڑھا ہے۔ ہمارے خیال میں آقائے بروجردی کی خوبی اسی چیز میں تھی۔ اگرچہ ناقدین کے گمان کے

Marfat.com

برعکس انہوں نے بارہ سال تک (سات آٹھ سال نجف اشرف میں اور تین چار سال اصفہان میں) صف اول کے اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا اس کے باوجود علمائے نجف انہیں قبول نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مثلاً انہیں تیس سال تک اساتذہ سے درس لینا چاہئے تھا حالانکہ آقائے بروجردی اسی جدت پسندی کی بناپر اپنے بیشتر ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے کیونکہ وہ غور وفکر کرتے تھے یعنی ''استعداد تفکر'' رکھتے تھے۔ (تعلیم وتربیت اسلامی)

لڑکی کا قبل از پیدائش بیاہ

حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسول اکرمؐ ایک جانور پر سوار تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک تازیانہ تھا، ایک صحابی آپؐ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہؐ! مجھے آپ سے ایک شکایت کرنی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: بولو۔

اس شخص نے کہا: کافی عرصہ پہلے زمانہ جاہلیت میں طارق بن مرقع اور میں ایک جنگ میں شریک تھے۔ دوران جنگ طارق کو ایک نیزے کی ضرورت پڑی اور اس نے پکار کر کہا: ہے کوئی جو مجھے ایک نیزہ دے اور مجھ سے اس کا معاوضہ لے؟

میں نے آگے بڑھ کر کہا: کیا معاوضہ دو گے؟

اس نے کہا: میں زبان دیتا ہوں کہ میرے ہاں جو پہلی بیٹی پیدا ہوگی اسے میں تمہارے ساتھ بیاہ دینے کی خاطر جوان کروں گا۔

میں نے اس کی پیشکش قبول کرلی اور اپنا نیزہ اسے دے دیا۔ اس بات کو کئی سال گزر گئے۔ آخر ایک دن مجھے اس معاملے کا خیال آیا اور مجھے پتا چلا کہ طارق ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے جو اب جوان ہوگئی ہے۔ چنانچہ میں گیا اور اس سے بات کی اور اپنا حق مانگا لیکن وہ اپنی زبان سے پھر گیا ہے اور مجھ سے نئے سرے سے مہر مانگ رہا ہے۔ اب میں آپ کی خدمت

Marfat.com

میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ فیصلہ فرمائیں کہ ہم دونوں میں سے کون حق بجانب ہے؟

آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا: لڑکی کی عمر کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: وہ اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ اب تو اس کے سر میں سفید بال بھی جھلکنے لگے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو نہ تم حق پر ہو اور نہ ہی طارق۔ جاؤ اپنا کام کرو اور لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

یہ سن کر وہ شخص حیران ہوا اور کافی دیر تک حیرت بھری نظروں سے آنحضرتؐ کو دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسا فیصلہ ہے؟ کیا باپ اپنی بیٹی پر اختیار نہیں رکھتا؟ اگر میں لڑکی کے باپ کو دوبارہ مہر دے دوں اور وہ لڑکی مجھ سے بیاہ دے تو کیا یہ فعل ناجائز ہوگا؟

اس شخص کو حیرت زدہ دیکھ کر رسول اکرمؐ اس کی دلی کیفیت سمجھ گئے اور فرمایا: ''اطمینان رکھو، جو مشورہ میں نے تمہیں دیا ہے اس پر عمل کرنے سے نہ تم گناہ گار ہوگے اور نہ ہی تمہارا دوست طارق۔'' (نظام حقوق زن در اسلام)

حق مہر

تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اکرمؐ مہر کے بغیر کسی عورت کو کسی مرد کے اختیار میں دینے پر ہرگز تیار نہ ہوتے تھے۔ مندرجہ ذیل قصہ معمولی فرق کے ساتھ شیعہ اور سنّی دونوں اسلامی فرقوں کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

ایک عورت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور صحابہ کی موجودگی میں کھڑی ہو کر کہنے لگی: یارسول اللہؐ! آپؐ مجھے اپنی بیوی کے طور پر قبول فرمائیں۔

آنحضرتؐ نے اس عورت کو کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بھی جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔

ایک صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! اگر آپ آمادہ نہیں ہیں تو میں

Marfat.com

اس عورت کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں۔

آنحضرتؐ نے پوچھا: تم اسے مہر کیا دو گے؟

صحابی نے جواب دیا: میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا، تم گھر جاؤ اور دیکھو، ممکن ہے کہ تمہیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو تم اسے حق مہر کے طور پر دے سکو۔

وہ صحابی گھر گئے اور پھر لوٹ آئے اور کہا: مجھے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں ملی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: تم دوبارہ گھر جاؤ اور پھر واپس آؤ۔ اگر تم ایک لوہے کی انگوٹھی بھی لے آؤ تو وہ کافی ہوگی۔

وہ صحابی دوبارہ اپنے گھر گئے اور واپس آ کر کہا: میرے گھر میں لوہے کی ایک انگوٹھی تک نہیں ہے تاہم میں جو کپڑے اپنے بدن پر پہنے ہوئے ہوں وہی اس عورت کو مہر کے طور پر دینے کو تیار ہوں۔

ایک اور صحابی جو اِن صحابی کے حالات سے بخوبی واقف تھے کہنے لگے: یارسول اللہؐ! خدا کی قسم! اس شخص کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی پیراہن نہیں ہے۔ پس آپ اس پیراہن کا آدھا حصہ اس عورت کا مہر قرار دیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اگر اس کپڑے کا آدھا حصہ عورت کا مہر ہو تو اسے کون پہنے گا؟ اگر ان میں سے ایک پہنے گا تو دوسرا ننگا رہے گا۔ نہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔

جو صحابی اس عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ عورت بھی انتظار میں بیٹھی تھی۔ مجلس میں کچھ اور باتیں ہونے لگیں اور گفتگو نے طول پکڑا بالآخر وہ صحابی اٹھ کر جانے لگے۔

رسول اکرمؐ نے انہیں آواز دی اور فرمایا: یہاں آؤ۔

وہ حاضر ہوگئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تمہیں قرآن پڑھنا آتا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہؐ! مجھے فلاں فلاں سورتیں آتی ہیں۔

Marfat.com

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تم زبانی ان کی قرأت کر سکتے ہو؟

صحابی نے جواب دیا: جی ہاں! یارسول اللہؐ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: بہت خوب۔ اب معاملہ درست ہوگیا ہے۔ میں اس عورت کو تمہارے عقد میں دیتا ہوں اور اس کا مہر یہ ہے کہ تم اسے قرآن پڑھاؤ گے۔

صحابی نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا اور چلے گئے۔ (نظام حقوق زن در اسلام)

تعدّدِ ازدواج

ایک دفعہ تقریباً چالیس عورتیں ایک وفد بنا کر حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں: یا علیؑ! اسلام نے مردوں کو کئی ایک عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کیوں دی ہے جبکہ ایک عورت کو کئی ایک مردوں سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دی، کیا یہ ایک ناجائز امتیاز نہیں ہے؟

حضرت امیرالمومنینؑ نے حکم دیا کہ کچھ چھوٹے چھوٹے برتن لائے جائیں جن میں پانی بھرا ہو اور ایک ایک برتن ایک ایک عورت کے ہاتھ میں تھما دیا جائے۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ تمام برتنوں کا پانی ایک بڑے برتن میں انڈیل دیا جائے جو مجلس کے بیچ میں رکھا تھا۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔

پھر آپ نے فرمایا: اب تم میں سے ہر عورت اپنا اپنا برتن دوبارہ بھر لے لیکن یہ خیال رہے کہ ہر برتن میں وہی پانی بھرا جائے جو اس نے اس برتن میں سے انڈیلا ہے۔

عورتوں نے عرض کیا: یہ کیسے ہوسکتا ہے اب تو ہم سب کا پانی باہم مخلوط ہوگیا ہے اور انہیں الگ الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: اگر ایک عورت کے کئی شوہر ہوں تو وہ لامحالہ سب کے ساتھ ہمبستر ہوگی اور پھر حاملہ ہو جائے گی۔ اس صورت میں یہ کیسے پتا چلے گا کہ جو بچہ پیدا ہوا

Marfat.com

ہے وہ کس شوہر کی نسل سے ہے؟ یہ بات تو ہوئی مرد کے نقطہء نگاہ سے، اور جہاں تک عورت کا مسئلہ ہے تو ایک عورت کے نقطہء نگاہ سے بھی اس کا کئی ایک مردوں سے شادی کرنا اس کی فطرت کے منافی ہے کیونکہ عورت فقط یہ نہیں چاہتی کہ مرد اس کی جنسی خواہش کی تسکین کا ذریعہ ہو تاکہ کہا جاسکے کہ جتنے زیادہ شوہر ہوں اس کے لئے بہتر ہوں گے۔ عورت مرد کی صورت میں ایک ایسا شخص دیکھنا چاہتی ہے جس کا دل اس کی مٹھی میں ہو، جو اس کی حمایت اور حفاظت کرے، اس کے لئے قربانی دے، زحمت اٹھائے، دولت کما کر لائے، اس کے ہاتھ پر رکھے اور اس کا ہمدم اور غم گسار ہو۔

لہٰذا ایک عورت کا متعدد مردوں سے شادی کرنا نہ مرد کی خواہشات سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی عورت کی خواہشات سے مطابقت رکھتا ہے۔ (نظام حقوق زن در اسلام)

نفرت انگیز طلاقیں

کتاب کافی میں لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

اس نے جواب دیا: میں نے اسے طلاق دیدی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تم نے اس میں کوئی برائی دیکھی تھی؟

اس نے جواب دیا: نہیں یارسول اللہؐ! اس میں کوئی برائی نہیں تھی۔

کچھ عرصے بعد اس شخص نے ایک اور شادی کرلی۔

آنحضرتؐ نے اس سے پھر پوچھا: کیا تم نے ایک اور شادی کرلی؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں یارسول اللہؐ۔

کچھ مدت گزرنے کے بعد آنحضرتؐ اس شخص سے دوبارہ ملے اور پوچھا: تم نے اپنی دوسری بیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

Marfat.com

اس نے جواب دیا: میں نے اسے بھی طلاق دیدی۔

آنحضرتؐ نے پوچھا: کیا اس میں کوئی برائی تھی؟

اس نے جواب دیا: نہیں! اس میں کوئی برائی نہیں تھی۔

کچھ عرصہ اور گزر گیا اور اس شخص نے تیسری شادی کرلی۔

رسول اکرمؐ نے اس سے پھر پوچھا: کیا تم نے ایک اور شادی کرلی؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں! یارسول اللہؐ۔

کچھ مدت گزرنے کے بعد آنحضرتؐ اس شخص سے پھر ملے اور پوچھا: تم نے اس عورت کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

اس نے جواب دیا: میں نے اسے بھی طلاق دیدی۔

آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے اس میں کوئی برائی دیکھی تھی؟

اس نے جواب دیا: نہیں! میں نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ دشمن رکھتا ہے اور لعنت بھیجتا ہے ایسے مرد پر جو بار بار بیوی بدلنے کا شوقین ہو اور ایسی عورت پر جو بار بار شوہر بدلنے کی خواہش مند ہو۔

(نظام حقوق زن در اسلام)

خلاف طریقت

عارفین اس بات پر زیادہ زور دیتے ہیں کہ اگر انسان کی زندگی بالخصوص عبادت میں اس کا منتہائے مقصود ذات پروردگار کے سوا کوئی اور ہو تو یہ ایک قسم کا شرک ہے۔ عرفان سو فیصد اس شرک کی ضد ہے۔

اس موضوع پر شعراء نے بڑے نفیس اور عمدہ اشعار کہے ہیں۔ ہم یہاں ایک بڑی بلند پایہ اور لطیف تمثیل پیش کر رہے ہیں جو شیخ سعدیؒ نے بوستان میں محمود اور ایاز کی داستان

کے ضمن میں بیان کی ہے:

کسی شخص نے محمود غزنوی کے ذوق انتخاب پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایاز قطعاً حسین نہیں ہے (مگر پھر بھی محمود کا منظور نظر ہے)۔

جس پھول کا نہ رنگ ہو اور نہ اس میں خوشبو ہو اس پر بلبل کا فریفتہ ہونا بڑے عجیب لگتا ہے۔

کسی نے جا کر یہ بات محمود کو بتائی تو وہ یہ سن کر برافروختہ ہوا۔

اس نے کہا کہ میں ایاز سے اس کے سرو قد یا رعنائی کے سبب نہیں بلکہ اس کے خصائل و فضائل کی وجہ سے محبت کرتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمود کا اونٹ ایک تنگ گھاٹی میں گر گیا اور اس پر لدا ہوا موتیوں بھرا صندوق ٹوٹ گیا۔

محمود نے وہ صندوق لٹنے کیلئے چھوڑ دیا اور اپنا گھوڑا تیزی سے بھگا کر آگے بڑھ گیا۔ تمام سوار ہیرے جواہرات سمیٹنے میں لگ گئے اور لوٹ کے مال کی خاطر بادشاہ سے بچھڑ گئے اور غلاموں میں سے ایاز کے سوا کوئی بھی بادشاہ کے ساتھ نہ رہا۔

جب بادشاہ نے نگاہ اٹھائی اور اسے دیکھا تو اسکا چہرہ تر و تازہ پھول کی مانند کھل اٹھا۔

اس نے ایاز سے پوچھا: اے گھنگھریالے بالوں والے! تم لوٹ کے مال میں سے کیا لائے؟ ایاز نے جواب دیا: ”کچھ بھی نہیں۔“

میں تو گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ میں نے ’خدمت‘ ترک کر کے ’نعمت‘ کی طرف توجہ نہیں کی۔“

یہ داستان لکھنے کے بعد شیخ سعدیؒ اپنا مدعا یوں بیان کرتے ہیں:

”اگر تم دوست سے احسان کی خواہش رکھتے ہو تو تمہاری دلبستگی دوست کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنی ذات کے ساتھ ہے۔

یہ بات خلاف طریقت ہے کہ اولیاء اللہ خدا کے سوا کسی اور چیز کی تمنا کریں۔“

(آشنائی با علوم اسلامی)

Marfat.com

قصّہ شہید

ایک شہید اور غیر شہید کی داستان شمع اور پروانے کی داستان ہے جسے پروین اعتصامی نے نظم کیا ہے:

ایک پروانے نے شمع سے کہا:

آج رات میں نے در و دیوار کو سجایا۔ پچھلی رات میں شوق محبت کی وجہ سے ایک لحہ نہیں سویا۔ میں نے ایک لباس سیا اور پہن لیا۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں نے سوئی اور دھاگے کے ساتھ ریشم پر اپنے فن کا کیسا کیسا جادو جگایا۔ میں نے کپڑے پر سوسن و گلاب کی گلکاری کر کے اسے ایک پھلواری بنا دیا۔ تو میرے کمال کو ہرگز نہیں پا سکتی کیونکہ میں نے اپنی تمام تر توانائیاں اس پر صرف کردی ہیں۔

شمع ہنس کر بولی:

تمہیں اندھیرے سے بچانے کے لئے میں جل کر خاکستر ہوئی ہوں۔ تمہیں موتی ٹانکنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے میں نے اپنے دامن پر آنسوؤں کے موتی گرائے ہیں۔ میں آنسو بہاتی رہی اور ابر بہار کی طرح میں نے اس گلاب اور سوسن کی خدمت کی ہے۔ میں اپنے جل جانے پر خوش ہوں کیونکہ میں نے فنا ہو کر تمہاری بزم میں روشنی کی ہے۔ اگرچہ امید کی کوئی کرن باقی نہ تھی پھر بھی میں نے پورے ماحول کو منور کیا ہے۔ تمہارے کام کو چار چاند لگانے کے لئے میں نے اپنے وجود کا خیال ترک کر دیا ہے۔ اگرچہ میں جل کر خاک ہوگئی لیکن میں نے تمہارے شوق کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ میرے سامنے تم نے جو کام گنوائے ہیں وہ تم نے نہیں بلکہ سب کے سب میں نے کئے ہیں۔ (قیام و انقلاب مہدیؑ)

Marfat.com

شہادت کی آرزو

عمرو بن جموح ؓ ایک عمر رسیدہ صحابی تھے۔ اتفاق سے وہ لنگڑے بھی تھے اور اسلامی قانون کی رو سے جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ تھے۔ " وَلاَ عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ." (سورۂ فتح آیت ۱۷)

غزوۂ احد کے وقت عمرو کے کئی بیٹے جوان تھے۔ جب بیٹے میدان کارزار میں جانے کے لئے آمادۂ جہاد ہوئے تو عمرو نے کہا: میں بھی شہید ہونا چاہتا ہوں۔

بیٹوں نے اس بات کی مخالفت کی اور کہا: ابا جان! ہم جا رہے ہیں، آپ گھر پر رہیں، جب آپ پر جہاد ساقط ہے تو آپ اس میں کیوں شریک ہونا چاہتے ہیں؟

عمرو بن جموح ؓ نے اپنے بیٹوں کی بات نہ مانی۔ بیٹوں نے خاندان والوں کو جمع کیا تاکہ وہ عمرو کو ان کے ارادے سے باز رکھیں۔ اہل قبیلہ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن عمرو نے ان کی بھی ایک نہ سنی۔ بالآخر ان لوگوں نے کہا: ہم آپ کو جہاد کے لئے ہرگز نہیں جانے دینگے۔

عمرو رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہؐ! میرے بچے مجھے جہاد میں شرکت سے کیوں منع کرتے ہیں؟ وہ مجھے شہید کیوں نہیں ہونے دیتے؟ اگر شہادت اچھی چیز ہے تو وہ میرے لئے بھی اچھی ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: یہ شخص شہادت کا آرزو مند ہے۔ جہاد میں شرکت اس کے لئے واجب نہیں لیکن حرام بھی نہیں۔ اسے شہادت کی تمنا ہے، اسے منع نہ کرو۔

یہ سن کر عمرو بہت خوش ہوئے، انہوں نے ہتھیار سجائے اور جہاد کے لئے تیار ہوگئے۔ جب میدان جنگ میں پہنچے تو ان کا ایک بیٹا ان کی جانب متوجہ رہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کمزور ہیں۔ نہ آسانی سے حملہ کرسکتے ہیں اور نہ ہی پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ تاہم عمرو کسی خوف وخطر کے بغیر دشمن کے قلب لشکر پر حملے کرتے رہے حتیٰ کہ مرتبہ شہادت پر فائز ہوگئے اور ان کا ایک بیٹا بھی شہید ہوگیا۔

احد کا میدان مدینہ کے نزدیک واقع ہے۔ جب مسلمانوں کو احد میں مشکل صورتحال

سے دوچار ہونا پڑا اور مدینہ میں خبر پہنچی کہ مسلمان شکست کھا گئے ہیں تو یہ سن کر مدینے کی عورتیں اور مرد شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں لوگوں میں عمرو بن جموح کی بیوی بھی شامل تھیں۔ انہوں نے میدان جنگ میں پہنچ کر اپنے شوہر، بیٹے اور بھائی کی لاشیں ڈھونڈ نکالیں اور انہیں ایک بڑے اونٹ پر لاد لیا۔ وہ چاہتی تھیں کہ یہ لاشیں مدینہ لے جاکر بقیع کے قبرستان میں دفن کردیں۔ تاہم انہوں نے دیکھا کہ اونٹ مدینہ کی طرف بڑی بے دلی سے بڑھ رہا ہے اور انہیں اونٹ کی مہار کھینچنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ اسی دوران انسے مدینہ کی اور عورتیں بھی احد کی جانب جاتی ہوئی راستے میں ملیں جن میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے پوچھا: تم کہاں سے آرہی ہو؟

انہوں نے جواب دیا: احد سے۔

حضرت عائشہؓ نے کہا: تم نے اونٹ پر کیا لاد رکھا ہے؟

اس عورت نے بڑے حوصلے سے جواب دیا: یہ میرے شوہر، ایک بیٹے اور بھائی کی لاشیں ہیں۔ میں انہیں مدینے لے جارہی ہوں تاکہ وہاں دفن کردوں۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: جنگ کا کیا بنا؟

انہوں نے جواب دیا: خدا کا شکر ہے کہ خیریت سے گزر گئی۔ رسول اکرمؐ کی ذات بابرکات سلامت ہے اور "وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ." (خدا نے کفار کا شر دور کردیا اور انہیں اس حالت میں لوٹا دیا کہ وہ غصے سے بھرے ہوئے تھے)۔ جب رسول اکرمؐ کی ذات بابرکات سلامت ہے تو پھر کسی نقصان کی کوئی پروا نہیں۔

پھر انہوں نے کہا: لیکن اس اونٹ کا مسئلہ بڑا عجیب ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ نہیں جانا چاہتا۔ میں جب اسے مدینے کی جانب کھینچتی ہوں تو یہ ادھر نہیں جاتا اور بڑی مشکل سے قدم اٹھاتا ہے، لیکن اگر احد کی جانب چلتی ہوں تو بڑی آسانی اور تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔ حالانکہ اسے اپنے گھر کی جانب تیزی سے قدم اٹھانا چاہئے لیکن اس کے برعکس یہ احد کی جانب تیزی سے چلتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے کہا: بہتر یہ ہے کہ ہم سب مل کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں جائیں۔

جب وہ احد میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے عجیب مسئلہ درپیش ہے۔ میں اس اونٹ کو مدینے کی طرف کھینچتی ہوں تو بڑی مشکل سے قدم بڑھاتا ہے لیکن احد کی طرف بڑی آسانی سے چلتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے اس عورت سے پوچھا: کیا تمہارے شوہر نے گھر سے نکلتے وقت کچھ کہا تھا؟

اس نے جواب دیا: یارسول اللہؐ! اس نے ایک جملہ کہا تھا۔

آنحضرتؐ نے پوچھا: کیا کہا تھا؟

اس نے جواب دیا: جب وہ گھر سے نکلا تھا تو اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے اور کہا تھا: ''اے پروردگار! مجھے اب اس گھر میں واپس نہ لانا۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہی بات ہے کہ تمہارے شوہر نے جو دعا مانگی تھی کہ خدا اسے دوبارہ اس گھر میں نہ لائے وہ قبول ہوگئی ہے۔ اپنے شوہر کی میت یہیں رہنے دو۔ ہم سب شہیدوں کو احد میں دفن کر رہے ہیں اور تمہارے شوہر کو بھی یہیں دفن کردیں گے۔ (قیام و انقلاب مہدیؑ)

شکایت آمیز پیغام

مدینہ کی مسلمان عورتوں کی جانب سے یزید انصاری کی بیٹی اسماء کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور مدینہ کی عورتوں کا شکایت آمیز پیغام آپؐ تک پہنچائیں اور آپؐ سے اس کا جواب حاصل کریں۔

وہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں باریاب ہوئیں اور کہا: ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، میں عورتوں کی نمائندہ بن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ ہم عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ خداوند عزوجل نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے مبعوث فرمایا ہے، آپؐ فقط

Marfat.com

مردوں کے پیغمبر نہیں ہیں، ہم عورتیں بھی آپؐ پر اور آپؐ کے پروردگار پر ایمان لائی ہیں، ہم عورتیں گھروں میں آپ مردوں کی تسکین کا باعث ہیں، آپ کے بچوں کی پرورش کرتی ہیں، لیکن دوسری طرف دیکھتی ہیں کہ اہم فرائض اور کثیر ثواب کے حامل سارے کام مردوں کے لئے مخصوص ہیں اور ہم ان سے محروم ہیں۔

یہ مرد ہی ہیں جنہیں نماز جمعہ و جماعت کی سعادت حاصل ہے، وہ بیماروں کی عیادت کے لئے جاتے ہیں، جنازوں میں شریک ہوتے ہیں، بار بار حج کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں، جبکہ اگر کوئی مرد حج یا جہاد کیلئے جاتا ہے تو ہم عورتیں ہی ہیں جو ان لوگوں کے مال و متاع کی حفاظت کرتی ہیں، کپڑے سیتی ہیں اور ان کے بچوں کی پرورش کرتی ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم تکالیف برداشت کرنے میں تو مردوں کی شریک ہیں لیکن اہم فرائض اور کثیر ثواب والے اعمال میں ہمارا کوئی حصہ نہیں اور ہم ان سے محروم ہیں۔

رسول اکرمؐ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا: کیا تم نے آج تک ایک عورت کی زبان سے اتنی عمدہ اور اتنے اعلیٰ منطقی دلائل سنے ہیں؟

ایک صحابی نے عرض کیا: میرا خیال ہے کہ یہ باتیں اس عورت کی اپنی نہیں ہیں۔

رسول اکرمؐ نے اس صحابی کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اسماء سے فرمایا: ''اے خاتون! میں جو کچھ کہوں اسے اچھی طرح سمجھ لو اور جن عورتوں نے تمہیں بھیجا ہے انہیں بھی سمجھا دو۔ تم سمجھتی ہو کہ مرد ان کاموں کی وجہ سے — جو تم نے گنوائے ہیں، اجر اور ثواب کا حقدار ہو جاتا ہے اور عورتیں اس سے محروم ہیں؟ نہیں! ایسا نہیں ہے۔ اگر عورت گھر کو اچھی طرح چلائے اور شوہر کا خیال رکھے اور گھر کی چار دیواری کے پاکیزہ ماحول کو اختلافات کے غبار سے آلودہ نہ ہونے دے تو اس کا اجر و ثواب ان تمام کاموں کے برابر ہے جو مرد کرتے ہیں۔''

اسماء ایک باایمان خاتون تھیں۔ ان کا اور ان کی ہم خیال عورتوں کا سوال ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا اور کسی نفسانی خواہش کا نتیجہ نہ تھا جیسا کہ آج کل اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ لہذا جب اس نے رسول اللہ کا جواب سنا تو اس کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا اور وہ خوش خوش اپنی ہم خیال عورتوں کے پاس لوٹ گئیں۔ (مسئلہ حجاب)

Marfat.com

صاف گوئی

میرے قم المقدسہ میں قیام کے دوران ایران کے ایک مشہور خطیب قم تشریف لائے۔ اتفاق سے ان کے ملاقاتی میرے کمرے میں ان سے ملا کرتے تھے یعنی ان کی ملاقات کا مقام یہی تھا۔

ایک دن ایک صاحب اس خطیب کو ملاقات کرانے کے لئے آیت اللہ بروجردی کے پاس بے وقت لے گئے۔ اس وقت آیت اللہ کے درس شروع ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا اور وہ عموماً اس وقت مطالعہ دیکھا کرتے تھے اور کسی سے نہیں ملتے تھے۔ ان دونوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور جب نوکر آیا تو اس سے کہا کہ آقا سے کہو کہ فلاں صاحب آپ کی زیارت کو آئے ہیں۔ نوکر نے پیغام پہنچایا اور پھر واپس آ کر کہا: آقا نے فرمایا ہے کہ میں اس وقت مطالعہ دیکھنے میں مصروف ہوں، آپ پھر کسی وقت تشریف لائیں۔

چنانچہ وہ خطیب واپس آ گئے اور اتفاق سے اسی روز اپنے شہر کو لوٹ گئے۔ اس روز جب آیت اللہ بروجردی درس کے لئے تشریف لائے تو صحنِ حرم میں مجھ فرمانے لگے کہ میں درس کے بعد فلاں صاحب سے ملنے کے لئے تمہارے کمرے میں آؤں گا۔

میں نے کہا: وہ تو چلے گئے۔

اس پر وہ بولے: اب جب کبھی ان سے ملاقات ہو تو کہنا کہ جب آپ مجھ (آیت اللہ بروجردی) سے ملنے آئے تھے تو میری اس وقت وہی حالت تھی جو آپ کی تقریر کی تیاری کے وقت ہوتی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ ہماری ملاقات اس وقت ہو جب میرے حواس مجتمع ہوں اور پھر ہم باہم گفتگو کریں۔ اس وقت میں مطالعہ دیکھنے میں مصروف تھا اور درس کے لئے جانے والا تھا۔

کچھ مدت کے بعد میری ملاقات ان خطیب صاحب سے ہوئی اور میں نے آیت اللہ بروجردی کی معذرت ان تک پہنچادی۔ میں نے سنا تھا کہ بعض لوگوں نے بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس خطیب سے کہا تھا کہ آپ کی توہین کرنے کے لئے جان بوجھ کر آپ کو

Marfat.com

دروازے سے لوٹا دیا گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا: آیت اللہ بروجردی آپ سے ملنے کے لئے آنا چاہتے تھے اور جب انہیں پتا چلا کہ آپ چلے گئے ہیں تو انہوں نے معذرت چاہی۔

ان صاحب نے ایک جملہ کہا جو مجھے بہت پسند آیا۔ فرمانے لگے: صرف یہ نہیں کہ میں نے بالکل برا نہیں منایا بلکہ میں بہت خوش ہوا کیونکہ ہم اہل مغرب کی تعریف کرتے نہیں تھکتے کہ وہ بڑے صاف گو لوگ ہیں اور کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ میں نے ان سے پیشگی وقت نہیں لیا تھا اور مجھ سے غفلت ہوئی کہ بے وقت ان کے ہاں چلا گیا۔ مجھے ان کی صاف گوئی پسند آئی کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس وقت میں مصروفِ مطالعہ ہوں۔ کیا یہ چیز بہتر تھی یا یہ کہ وہ بادل ناخواستہ مجھ سے ملتے اور دل ہی دل میں کڑھتے اور کہتے کہ یہ کیسی بلا مجھ پر نازل ہوگئی ہے جس نے میرا وقت ضائع کیا اور میرا درس خراب کیا۔ میں بہت خوش ہوا کہ انہوں نے انتہائی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھ سے ملنے سے انکار کردیا۔ کتنی اچھی بات ہے کہ مسلمانوں کا مرجع اس طرح صاف گو ہو۔ (مسئلہ حجاب)

Marfat.com

طوطا اور سوداگر

یہ داستان بہت مشہور ہے کہ کسی زمانے میں ایک سوداگر کے پاس ایک ہندوستانی طوطا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ہندوستان کے سفر کا ارادہ کیا تو اپنے بچوں کو بلایا اور کہا کہ تمہیں جو چیز چاہئے ہو مجھے بتاؤ تاکہ میں واپسی پر سوغات کے طور پر تمہارے لئے لیتا آؤں۔ ہر ایک نے کسی نہ کسی چیز کی فرمائش کی۔ طوطے میاں بھی بولے کہ جب آپ ہندوستان پہنچیں اور باغوں میں طوطے دیکھیں تو انہیں بتائیں کہ تمہارا ایک ہم جنس میرے پاس پنجرے میں قید ہے۔ اس وقت اگر وہ کوئی پیغام دیں تو ان کا پیغام میرے لئے لیتے آئیں۔

سوداگر سفر پر چلا گیا اور اپنا کام مکمل کرنے کے بعد طوطے کا پیغام پہنچانے کے لئے وہ ایک باغ میں گیا۔ وہاں بہت سے طوطے تھے۔ وہ جا کر طوطوں کے سامنے کھڑا ہوگیا اور کہنے

لگا کہ میرے پاس بھی تم جیسا ایک طوطا ہے اور پنجرے میں اس کی حالت ایسی ہے اور ویسی ہے۔ جب میں سفر پر روانہ ہونے والا تھا تو اس نے تمہارے لئے یہ پیغام دیا تھا۔ اب اگر تم اس کے لئے کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہو تو بتاؤ تا کہ میں اس کے لئے تمہارا پیغام لے جاؤں۔

سوداگر کا یہ کہنا تھا کہ اس نے دیکھا کہ تمام طوطے چشم زدن میں درختوں پر سے نیچے گر گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان پر سکتہ طاری ہوگیا ہے اور وہ مر گئے ہیں۔ سوداگر نے دل ہی دل میں کہا کہ ہائے افسوس یہ میں نے کیا کر دیا؟ میں سیکڑوں طوطوں کی موت کا باعث بن گیا۔

جب سوداگر اپنے شہر کو لوٹا تو اس نے سب کو تحفے دیئے اور پھر طوطے کی باری آئی۔ طوطے نے پوچھا: کیا آپ نے میرا پیغام پہنچایا؟

سوداگر نے جواب دیا: ہاں! میں نے تمہارا پیغام تمہارے دوستوں تک پہنچا دیا لیکن بہت برا ہوا۔

طوطے نے پوچھا: کیا ہوا؟

سوداگر نے کہا: جب میں نے تمہارا احوال انہیں بتایا تو سب کے سب گر کر مر گئے۔ اس طوطے نے اپنے آقا سے جب یہ المناک خبر سنی تو وہ بھی پنجرے میں گر پڑا اور مر گیا۔

سوداگر پریشان ہوگیا اور سوچنے لگا کہ میں نے عجیب کام کیا۔ ایک اور موت کا باعث بن گیا۔ سوداگر بہت غمگین ہوا کیونکہ اس کے پیارے طوطے پر بھی وہی گزری تھی جو دوسرے طوطوں پر گزر چکی تھی لیکن کوئی چارا نہ تھا۔ طوطا مر چکا تھا اور سوداگر کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے طوطے کی ٹانگ پکڑی اور اسے پنجرے سے باہر پھینک دیا۔

طوطا پنجرے سے باہر آتے ہی کھلی فضاؤں میں اڑ گیا۔ اب پتا چلا کہ جو کچھ باغ والے طوطوں نے کیا تھا وہ اس طوطے کے لئے ایک پیغام تھا۔

یہ تمثیل راہ خدا پر چلنے والوں کے لئے ایک سبق ہے کہ اگر تم قفس عنصری سے آزادی چاہتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ اپنے اوپر موت طاری کرلو۔

''اے دوست اگر تو زندگی چاہتا ہے تو موت آنے سے پہلے مر جا کیونکہ اسی طرح مر کر حضرت ادریسؑ ہم سے پہلے بہشت میں پہنچ گئے۔'' (تماشہ گہ راز)

Marfat.com

ماں کا صبر

ابوطلحہؓ حضرت رسول اکرمؐ کے ایک صحابی تھے۔ ان کی زوجہ جس کا نام ام سلیم تھا جو ایک باایمان خاتون تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی کا ایک بیٹا تھا جو انہیں بہت عزیز تھا۔ لیکن ابوطلحہؓ بیٹے سے اتنی محبت کرتے تھے جیسے کہ اسی میں ان کی جان ہو۔

ایک دفعہ ان کا بیٹا شدید بیمار ہوگیا تو بچے کی ماں سمجھ گئی کہ اب یہ چند لمحوں کا مہمان ہے۔ اُمّ سلیم نے اس خیال سے کہ ابوطلحہؓ بیٹے کے مرنے پر بے قرار نہ ہو جائیں انہیں کسی بہانے سے رسول اکرمؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد بچے کا انتقال ہوگیا۔

اُمّ سلیم نے بچے کی میت ایک کپڑے میں لپیٹی اور ایک کمرے میں چھپادی۔ اس نے گھر والوں کو بھی تاکید کردی کہ ابوطلحہؓ کو یہ نہ بتائیں کہ ان کا بیٹا مر گیا ہے۔ پھر اس نے کھانا تیار کیا، اپنے آپ کو بنایا سنوارا اور خوشبو لگائی۔ کچھ دیر بعد ابوطلحہؓ آئے اور گھر کی حالت بدلی ہوئی دیکھ کر پوچھا کہ بچے کا کیا حال ہے؟

اُمّ سلیم نے کہا: بچے کو آرام ہے۔

ابوطلحہؓ کو بھوک لگ رہی تھی، انہوں نے کھانا مانگا۔ اُمّ سلیم نے جو کھانا پہلے سے تیار کر رکھا تھا لا کر رکھ دیا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور ہم بستر ہوئے۔

جب ابوطلحہؓ پرسکون ہوگئے تو اُمّ سلیم نے کہا: میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔

ابوطلحہؓ نے کہا: پوچھو۔

اُمّ سلیم نے کہا: اگر میں آپ کو اطلاع دوں کہ ہمارے پاس ایک امانت تھی جو ہم نے اس کے مالک کو لوٹا دی ہے تو کیا آپ ناراض ہوں گے؟

ابوطلحہؓ نے کہا: ہرگز نہیں۔ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ لوگوں کی امانتیں انہیں واپس کردینی چاہئیں۔

اُمّ سلیم نے کہا: سبحان اللہ! اب میں آپ کو بتاتی ہوں کہ خدا نے ہمارے بیٹے کو جو

Marfat.com

اس کی امانت تھا واپس لے لیا ہے۔

ابوطلحہؓ کو اپنی بیوی کی بات سن کر سخت دھچکا لگا اور وہ کہنے لگے: خدا کی قسم! تم ایک ماں ہو۔ تمہارے مقابلے میں میرے لئے زیادہ مناسب ہے کہ اپنے بیٹے کی جدائی پر صبر کروں۔ پھر انہوں نے اٹھ کر غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے اور شروع سے آخر تک تمام ماجرا آنحضرتؐ کے گوش گزار کیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: خدا آج تمہیں اپنی برکتوں سے نوازے اور تمہیں پاکیزہ نسل عطا کرے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میری امت میں صابرۂ بنی اسرائیل جیسی عورتیں پیدا کی ہیں۔ (عدل الٰہی)

اُستاد کا خواب

جلیل القدر عالم اور میرے استاد گرامی آقای حاج میرزا علی آقا شیرازی اعلی اللہ مقامہ صحیح معنوں میں عابدوں، زاہدوں اور اہل یقین کا نمونہ اور ان سلف صالحین کی یادگار تھے جن کے بارے میں ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے۔ مجھے ان کا ایک خواب یاد آتا ہے جسے یہاں نقل کرنا مفید خیال کرتا ہوں۔

میں بیسویں اور اکیسویں سال کی گرمیوں میں قم سے اصفہان گیا۔ وہاں پہلی مرتبہ میری شناسائی ان بزرگوار سے ہوئی۔ بلاشبہ یہ شناسائی بعد میں میری طرف سے گہری عقیدت میں اور ان کی جانب سے استادانہ اور پدرانہ محبت و شفقت میں بدل گئی۔ چنانچہ بعد میں جب کبھی وہ قم تشریف لاتے تو میرے حجرے میں ہی قیام فرماتے۔ حوزۂ علمیہ کے بزرگ علماء جو سبھی ان کے عقیدت مند تھے وہیں آکر ان سے ملاقات کرتے تھے۔

میں بیسویں سال میں پہلی مرتبہ اصفہان گیا تو میرے عزیز ہم درس نے جن کا تعلق اصفہان سے ہے اور ہم پورے گیارہ سال تک اکٹھے درس پڑھتے رہے ہیں اور وہ اس وقت

Marfat.com

حوزۂ علمیہ قم کے استادوں اور مجتہدوں میں شامل ہیں، (ان کا اشارہ فقیہ عالی مرتبت حضرت آیت العظمٰی منتظری سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے) مجھے بتایا کہ مدرسۂ صدر میں ایک بزرگ عالم ہیں جو نہج البلاغہ کا درس دیتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ان کے درس میں شرکت کی دعوت دی۔ ان کے اس مشورے پر عمل کرنا میرے لئے مشکل تھا۔ جو طالب علم ''کفایۃ الاصول'' پڑھ رہا ہو اسے کیا ضرورت ہے کہ نہج البلاغہ کے درس میں شامل ہو؟ وہ نہج البلاغہ کا مطالعہ خود کرسکتا ہے اور جو مشکل پیش آئے اسے برأت اور استصحاب کے اصول کی مدد سے حل کرسکتا ہے لیکن چونکہ چھٹیاں تھیں اور میں فارغ تھا لہٰذا میں نے اسے قبول کرلیا اور ہم درس میں چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر مجھے اپنی غلط فہمی کا پتا چل گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں نہج البلاغہ کو شناخت نہیں کر پایا ہوں اور نہ صرف یہ کہ مجھے اس کتاب کو استاد سے پڑھنے کی ضرورت ہے بلکہ مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ استاد نہج البلاغہ پر کمال درجے کی دسترس رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے دیکھا کہ میرا سامنا ایک متقی اور روحانی شخصیت سے ہے جو ہم طالب علموں کے بقول ''مِمَّنْ يَنْبَغِيْ اَنْ يَشُدَّ اِلَيْهِ الرِّحَالُ'' ایسے شخص ہیں جن کی خدمت میں دور دراز کی مسافت طے کر کے پہنچنا چاہئے اور ان سے فیض حاصل کرنا چاہئے۔

وہ خود ایک ''مجسم نہج البلاغہ'' تھے۔ نہج البلاغہ کے مواعظ ان کی روح کی گہرائیوں میں اتر چکے تھے۔ میں محسوس کرتا تھا کہ ان بزرگوار کی روح حضرت امیرالمومنینؑ کی روح کے ساتھ متصل ہوگئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں جب کبھی سوچا کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ میں نے سب سے زیادہ روحانی فیض ان بزرگ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا ہے۔ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَحَشَرَهُ مَعَ اَوْلِيَائِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَ اَئِمَّةِ الْمَعْصُوْمِيْنَ۔

ان بزرگوار کے بارے میں کئی واقعات مجھے یاد ہیں۔ بحث کی مناسبت سے ان میں سے ایک خواب میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ انہوں نے ایک روز اس عالم میں درس دیتے ہوئے کہ ان کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر تھی یہ خواب بیان فرمایا۔ انہوں نے فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میری موت واقع ہوگئی ہے۔ خواب میں میں نے ''موت'' کو ویسا ہی پایا جیسے ہمیں بتایا گیا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میں اپنے بدن سے الگ

Marfat.com

ہوگیا ہوں اور یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ میرا بدن اٹھا کر قبرستان میں دفن کرنے کے لئے لے جایا جارہا ہے۔ مجھے قبرستان میں لے جایا گیا اور دفن کر دیا گیا اور لوگ چلے گئے۔ میں اکیلا رہ گیا اور پریشان تھا کہ اب میرا کیا بنے گا؟ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک سفید کتا میری قبر میں داخل ہوگیا۔ میں نے فوراً محسوس کیا کہ یہ میری بدخلقی ہے جس نے مادی شکل اختیار کرلی ہے اور میرے پیچھے پیچھے آئی ہے۔ میں مضطرب ہوگیا۔ اسی عالم میں حضرت سیدالشہداء علیہ السلام تشریف لائے اور فرمانے لگے: ''غم نہ کرو، میں اسے تم سے دور کئے دیتا ہوں۔'' (عدل الٰہی)

عقیدے کی راہ میں ثابت قدمی

اسلامی مورخین نے صدر اسلام کے ایک مشہور واقعے کو ''غزوۃ الرجیع'' کا نام دیا ہے اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا اس دن کو ''یوم الرجیع'' کہتے ہیں۔ یہ واقعہ بہت روح پرور اور سننے کے لائق ہے۔

''عضل'' اور ''قارۃ'' قبائل کے کچھ افراد جو بظاہر قریش سے قرابت داری رکھتے تھے اور مکہ کے قریب رہتے تھے، ہجرت کے تیسرے سال رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''ہمارے قبیلے کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپؐ کچھ مسلمانوں کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ وہ ہمیں دین کی حقیقت سمجھائیں، قرآن پڑھائیں اور اسلامی قوانین سکھائیں۔''

رسول اکرمؐ نے اس مقصد کے لئے اپنے چھ صحابیوں کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور مرثد بن ابی مرثد یا عاصم بن ثابت کو اس جماعت کا امیر مقرر کیا۔

یہ چھ صحابہ اس وفد کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں قبیلۂ بنو ہذیل سکونت پذیر تھا۔ یہ لوگ ستانے کے لئے وہاں رک گئے۔

رسول اکرمؐ کے صحابی آرام کر رہے تھے کہ اچانک قبیلہ ہذیل کے کچھ آدمی تلواریں سونت کر ان پر حملہ آور ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو لوگ مدینہ گئے تھے ان کی نیت یا تو

Marfat.com

شروع سے ہی خراب تھی یا یہ کہ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو ان کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا اور انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ بہرحال یہ بات واضح تھی کہ ان لوگوں نے قبیلہ ہذیل کے ساتھ مل کر سازش کی اور ان کا مقصد ان چھ مسلمانوں کو گرفتار کرنا تھا۔

جب رسول اکرمؐ کے صحابہؓ کو صورتحال کا پتا چلا تو انہوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے اور اپنے دفاع کے لئے تیار ہو گئے لیکن قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے قسم کھائی کہ ہمارا مقصد تمہیں قتل کرنا نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں قریش مکہ کے حوالے کر دیں اور ان سے تاوان وصول کریں۔ ہم اب بھی تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔

تین صحابہ نے جن میں عاصم بن ثابت بھی شامل تھے کہا کہ ہم مشرکوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی ذلت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جنگ کی اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ تاہم باقی تین صحابہ نے جن کے نام زید بن دثنہؓ، حبیب بن عدیؓ اور عبداللہ بن طارقؓ تھے، نرم رویہ اختیار کیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔

قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے ان تینوں کو رسیوں کے ساتھ مضبوطی سے باندھا اور مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب مکے کے نزدیک پہنچے تو عبداللہ بن طارقؓ نے اپنے ہاتھ رسیوں سے آزاد کر لئے اور تلوار سونت لی۔ تاہم دشمنوں نے انہیں حملہ کرنے کا موقع نہ دیا اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ زید اور حبیب مکہ لائے گئے اور قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے انہیں اپنے دو قیدیوں کے عوض جو مکہ میں تھے بیچ ڈالا اور چلے گئے۔

صفوان بن امیہ قرشی کا باپ احد یا بدر میں مارا گیا تھا، اس نے زید کو اس شخص سے خرید لیا جس کے اختیار میں وہ تھے تاکہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کے لئے انہیں قتل کرے۔ انہیں قتل کرنے کے لئے مکہ سے باہر لے جایا گیا۔ قریش کے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ زید کو قتل گاہ میں لایا گیا۔ وہ مردانہ وار آگے بڑھے اور ان کی ثابت قدمی میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔

تماشہ دیکھنے والوں میں ابوسفیان بھی تھا۔ اس نے سوچا کہ اس وقت جبکہ زید کی زندگی کے آخری لمحات ہیں، صورتحال سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ممکن ہے کہ اس حالت میں وہ ندامت

Marfat.com

کا اظہار کریں یا رسول اکرمؐ سے اظہار برأت کریں۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر زید سے کہا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اس وقت محمدؐ تمہاری جگہ ہوتے اور ہم ان کی گردن اڑا دیتے اور تم آرام سے اپنے بیوی بچوں کے پاس چلے جاتے؟

زید نے جو عشق رسولؐ سے سرشار تھے ترکی بترکی جواب دیا: خدا کی قسم میں اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور میں آرام سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گھر میں بیٹھا رہوں۔

ابوسفیان بھونچکا رہ گیا۔ اس نے اپنے قریشیوں سے کہا: خدا کی قسم میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص کے ساتھی اس سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ سے کرتے ہیں۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد حبیب بن عدیؓ کی باری آئی۔ انہیں بھی سولی پر لٹکانے کے لئے مکہ سے باہر لے جایا گیا۔ وہاں انہوں نے لوگوں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ اجازت دیدی گئی۔ انہوں نے دو رکعت نماز کمال خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی۔ پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: خدا کی قسم اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ تم مجھے الزام دوگے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں تو میں زیادہ دیر تک نماز پڑھتا۔

حبیب کو مضبوطی کے ساتھ تختۂ دار سے باندھ دیا گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب ان کی عشق الٰہی میں ڈوبی ہوئی مسحور کن آواز ابھری جس نے سب کو متاثر کیا اور کچھ لوگ ڈر کے مارے زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے سنا کہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: "اَللّٰھُمَّ اِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَۃَ رَسُوْلِکَ فَبَلِّغْہُ الْغَدَاۃَ مَایُصْنَعُ بِنَا ۔ اَللّٰھُمَّ اِحْصِھِمْ عَدَداً وَاقْتُلْھُمْ بِدَداً وَلاَ تُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَداً." (سیرۃ ابن ہشام جلد دوم) یعنی اے پروردگار! تیرے رسولؐ کی جانب سے جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا وہ ہم نے انجام دیدیا ہے۔ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ ہم پر بیتی ہے اس کی اطلاع آج صبح ہی اپنے پیغمبرؐ کو پہنچا دے۔ اے پروردگار! ان ظالم لوگوں کو پوری طرح اپنی نگاہ میں رکھ۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کردے اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔ (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام)

Marfat.com

حضرت بلالؓ کا ایمان

جن اشخاص کو رسول اکرمؐ سے والہانہ عشق تھا ان میں سے ایک بلال حبشیؓ ہیں۔ مکہ میں قریش انہیں بے انتہا تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ وہ انہیں سخت دھوپ میں تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا دیتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ وہ بتوں پر ایمان لائیں اور محمدؐ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی کی چھٹی جلد میں ان پر توڑے جانے والے مصائب بیان کرتے ہوئے کمال کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو نصیحت کی کہ وہ اپنا عقیدہ مخفی رکھیں لیکن ان میں اسے چھپانے کی تاب نہ تھی کیونکہ عشق روز اول سے ہی سرکش اور طالب ایثار چلا آیا ہے۔

حضرت بلالؓ کا آقا انہیں سزا کے طور پر مارتا تھا اور پوچھتا تھا: میرے دین کے منکر، نالائق غلام! تم محمدؐ کو کیوں یاد کرتے ہو؟

ان کا آقا تپتی ہوئی دھوپ میں انہیں کانٹوں پر لٹاتا اور لہولہان کر دیتا تھا لیکن وہ بڑی شان سے ''احد احد'' کا نعرہ بلند کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وہاں سے گزر رہے تھے تو انہوں نے حضرت بلالؓ کو احد احد پکارتے ہوئے سنا۔ بعد میں وہ ان سے تنہائی میں ملے اور انہیں سمجھایا کہ اسلام دشمنوں سے اپنا عقیدہ مخفی رکھو۔ خدا دل کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

حضرت بلالؓ نے کہا: اے ہمام! میں تمہارے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ بلالؓ نے اس انداز میں کئی مرتبہ توبہ کی اور ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اس توبہ سے بیزار ہوگئے آخرکار انہوں نے اپنا راز فاش کر دیا اور اپنے آپ کو مصیبتوں اور صعوبتوں کے سپرد کر دیا۔

انہوں نے کہا: اے محمدؐ! اے توبہ شکن!
میری رگ رگ آپ کی محبت سے معمور ہے،
ان میں توبہ کیسے سما سکتی ہے۔
آئندہ میں توبہ کا خیال دل سے نکال دوں گا۔

Marfat.com

میں بہشت کی زندگی سے کیسے توبہ کرسکتا ہوں؟
عشق زبردست ہے اور اس نے مجھے زیر کرلیا ہے۔
میں عشق کے نور سے چاند کی طرح روشن ہوگیا ہوں۔
اے عشق محمدؐ کے تند و تیز طوفان!
تیرے سامنے میں ایک گھاس کے تنکے کی مانند ہوں،
مجھے کیا معلوم کہ میرا انجام کیا ہوگا۔
خواہ میں ہلال ہوں یا بلال ہوں
میں دوڑتا ہوا تیرے سورج کا پیچھا کر رہا ہوں۔
چاند کو درشتی و خواری سے کیا کام ہے؟
وہ تو سائے کی طرح سورج کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔
عاشق، عشق کے تند و تیز سیلاب میں جا پڑے ہیں
اور انہوں نے اپنے آپ کو عشق کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔
وہ دن رات چکی کے پتھروں کی مانند مدار میں گھومتے ہیں
اور بے قراری سے فریاد کرتے ہیں۔ (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام)

معیارِ شناخت

جب جنگ جمل برپا ہونے والی تھی تو اصحاب امیرالمومنینؑ میں سے ایک شخص سخت الجھن کا شکار ہوگیا۔ وہ دونوں جانب نگاہ کرتا تھا۔ ایک طرف اس کی نگاہ علیؑ اور ان جلیل القدر بزرگان اسلام پر پڑتی تھی جو علیؑ کے ہمراہ مصروف جنگ تھے اور دوسری طرف وہ زوجۂ رسول حضرت عائشہؓ کو دیکھتا تھا جن کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے: "وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ." (سورۂ احزاب آیت ٦) یعنی ازواج رسولؐ امت کی مائیں ہیں۔ پھر حضرت عائشہؓ کے ہمراہ وہ

Marfat.com

طلحہ کو دیکھتا تھا جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائے تھے۔ جن کا سابقہ کردار بہت اچھا تھا۔ وہ لشکر اسلام کے ماہر تیرانداز تھے اور جنہوں نے اسلام کے لئے گرانبہا خدمات انجام دی تھیں۔ پھر وہ زبیر کو دیکھتا تھا جن کا سابقہ کردار طلحہ سے بھی بہتر تھا اور انہوں نے سقیفہ والے روز دوسروں کے ہمراہ حضرت امیرالمومنینؑ کے گھر میں پناہ لی تھی۔

وہ عجیب دوراہے پر تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ ایک طرف علیؑ ہیں اور دوسری طرف طلحہ و زبیر ہیں جو سب کے سب اسلام کے جان نثاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آج ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہیں۔ ان میں سے کون حق سے زیادہ قریب ہے؟ اس کشمکش میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

یہ چیز ذہن نشین رہے کہ اس الجھن کی بناپر اس شخص کو زیادہ ملامت کا نشانہ بنانا مناسب نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی صورت حال اگر ہمیں پیش آتی تو ہم بھی طلحہ و زبیر کی شخصیت اور ان کے سابقہ کارناموں سے شش و پنج میں پڑ جاتے۔

آج جب ہم حضرت امیرالمومنینؑ، عمار بن یاسرؓ، اویس قرنیؒ اور ان کے ساتھیوں کو حضرت عائشہؓ، طلحہ اور زبیر کے مقابلے پر دیکھتے ہیں تو کسی تذبذب کا شکار نہیں ہوتے، لیکن اگر ہم اس زمانے میں ہوتے اور ان کے حالات زندگی کا قریب سے جائزہ لیتے تو شاید ہم بھی شک و شبہ سے محفوظ نہ رہ سکتے۔

اگر آج ہم پہلے گروہ کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حقائق واضح ہوتے چلے گئے۔ ہم نے ایک طرف حضرت امیرالمومنینؑ اور عمار یاسرؓ کی اور دوسری طرف طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہؓ کی حقیقت جان لی ہے اور اس قابل ہوگئے ہیں کہ ان کے بارے میں صحیح فیصلہ کرسکیں۔ اگر ہم تاریخ کے محقق نہیں بھی ہیں تب بھی بچپن سے ہمیں یہ چیزیں سکھائی گئی ہیں لیکن ان میں سے کوئی عامل بھی اس دور میں موجود نہ تھا۔

بہرحال وہ شخص حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:
"اَیُمْکِنُ اَنْ یَجْتَمِعَ زُبَیْرٌ وَطَلْحَةُ وَعَائِشَةُ عَلیٰ بَاطِلٍ؟" کیا یہ ممکن ہے کہ طلحہ، زبیر اور

عائشہؓ باطل پر اکٹھے ہو جائیں؟ ان جیسے نامور اشخاص اور رسول اکرمؐ کے جلیل القدر صحابہ کس طرح غلطی کر سکتے ہیں؟

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے اس کے جواب میں ایک ایسی بات کہی جس کے متعلق مصر کے معروف عالم اور مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین کہتے ہیں:

''اس سے زیادہ بلیغ اور اعلیٰ کلام اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ وحی کے منقطع ہو جانے کے بعد سے اس قدر بلند مرتبہ کلام نہیں سنا گیا۔''

(علی و بنوہٗ ص ۴۰)

آپ نے فرمایا: ''اِنَّکَ لَمَلْبُوْسٌ عَلَیْکَ ، اَنَّ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلَ لاَ یُعْرَفَانِ بِاَقْدَارِ الرِّجَالِ اِعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفُ اَهْلَهُ، وَ اعْرِفِ الْبَاطِلَ تَعْرِفُ اَهْلَهُ.'' تمہیں مغالطہ ہوا ہے اور تم نے حقیقت کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ حق و باطل کو فرد کے پیمانے میں نہیں تولا جاسکتا، یہ صحیح نہیں کہ تم پہلے افراد کو معیار بناؤ اور پھر حق و باطل کو اس معیار پر جانچو اور یہ کہو کہ فلاں چیز حق ہے کیونکہ فلاں فلاں اشخاص اس سے موافقت رکھتے ہیں اور فلاں چیز باطل ہے کیونکہ فلاں فلاں اشخاص اس کے خلاف ہیں، نہیں۔ اشخاص حق و باطل کی شناخت کا معیار نہیں ہیں بلکہ حق و باطل اشخاص کی شناخت کا معیار ہیں۔

یعنی تمہیں چاہئے کہ شخص اور شخصیت شناس نہ بنو بلکہ حق شناس اور باطل شناس بنو۔ افراد کو، خواہ وہ کوئی بڑی شخصیت ہوں یا چھوٹی، ان کو حق کی کسوٹی پر پرکھو۔ اگر وہ اس معیار پر پورے اتریں تو ان کی شخصیت کو قبول کرو ورنہ رد کردو۔'' (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام)

نفس کا اژدہا

مولانا رومؔ نے کہا ہے: نفس انسانی ایک سانپ کی مانند ہے۔ سردیوں میں اس پر جمود طاری ہو جاتا ہے اور انسان کے چھونے سے بھی وہ حرکت نہیں کرتا یہاں تک کہ اگر ایک بچہ اس

Marfat.com

سے کھیلتا بھی رہے تو وہ اسے کچھ نہیں کہتا۔ اس پر انسان گمان کرتا ہے کہ اب یہ مطیع ہو گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ مولانا رومؔ نے ایک مفصل داستان میں بیان کیا ہے کہ جونہی وہ سانپ سورج کی حرارت محسوس کرتا ہے تو اس کی حالت یکا یک بدل جاتی ہے۔ اس داستان کے آخر میں وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

نفس ایک اژدہے کی مانند ہے۔ جسے موت ہی کب آتی ہے۔ اس کی خاموشی تو (فی الحال) ناطاقتی کی وجہ سے ہے۔

ایک اور مقام پر وہ اس حقیقت کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ماہرین نفسیات ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے ہیں۔ وہ انسان کی پوشیدہ اور خوابیدہ خواہشات کے بارے میں فرماتے ہیں:

خواہشات سوئے ہوئے کتوں کی مانند ہیں اور بھلائی اور برائی ان کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ چونکہ ان میں طاقت نہیں ہے اس لئے وہ راستے میں سوئی ہوئی ہیں اور ان کے بدن جلنے والی لکڑی کے ٹکڑوں کی مانند فرسودہ ہیں۔

یہاں تک کہ ایک مردار سامنے آجاتا ہے اور کتوں میں لالچ کے جذبات بیدار کرتا ہے۔ جب اس کوچے میں کوئی گدھا مرجاتا ہے تو سیکڑوں سوئے ہوئے کتے جاگ اٹھتے ہیں۔ چھپی ہوئی خواہشیں امڈ آتی ہیں۔ ہر کتا کاٹ کھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور وہ دھوکا دینے کے لئے دم ہلانے لگتا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں:

اس بدن میں ایسے سیکڑوں کتے سوئے ہوئے ہیں اور چونکہ انہیں کوئی شکار نہیں ملا اس لئے چھپے ہوئے ہیں۔ (انسان کامل)

عزتِ نفس

ابراہیم بن ادھم کا شمار بزرگ صوفیوں میں ہوتا ہے۔ ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں اپنی تمام زندگی میں کبھی اتنا خوش نہیں ہوا جتنا تین مواقع پر ہوا ہوں۔

Marfat.com

(۱) ایک مرتبہ میں ایک مسجد میں موجود تھا اور اس قدر بیمار تھا کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ مسجد کا خادم آیا اور اس نے سب کو اٹھایا۔ میں چونکہ کھڑا نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اس نے مجھے پاؤں سے پکڑا اور ایک مردار کی مانند باہر پھینک دیا۔ اس موقع پر میں بہت خوش ہوا کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس مقام پر میرے نفس کی خوب تذلیل ہوئی۔

(۲) ایک مرتبہ میں کشتی پر سوار تھا۔ اس میں گنجائش سے زیادہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک مسخرہ بھی تھا جو سواریوں کو محظوظ کرنے کے لئے دوسروں کی نقلیں اتار رہا تھا۔ سبھی کشتی کے وسط میں بیٹھے تھے اور وہ انہیں ہنسا رہا تھا۔ اچانک اس نے کہا کہ فلاں جگہ ایک کافر تھا۔ میں گیا اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی۔ پھر اس نے حاضرین پر نگاہ ڈالی۔ وہ ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جسے وہ تختۂ مشق بنا سکے۔ اسے مجھ سے زیادہ گھٹیا آدمی کوئی نہیں ملا۔ چنانچہ وہ آیا اور میری ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی تو لوگ ہنسنے لگے۔ میں بہت خوش ہوا کیونکہ یہاں بھی میرے نفس کی خوب تذلیل ہوئی۔

(۳) ایک موقع پر میں گرمیوں کے موسم میں ایک جگہ قیام پذیر تھا۔ میں باہر نکلا اور اپنے سمور کے چغے پر نگاہ ڈالی۔ اس میں اتنی زیادہ جوئیں تھیں کہ میں یہ فیصلہ نہ کر پایا کہ اس میں اون زیادہ ہے یا جوئیں زیادہ ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا موقع تھا جب میں بے حد خوش ہوا۔

بلاشبہ یہ سب چیزیں نفس کے خلاف جہاد ہیں لیکن یہ نفس کے خلاف ایک ایسا جہاد ہیں جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ کیوں؟ کیونکہ بنیادی طور پر اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان اپنی ذلت پر راضی ہو۔ وہ مسخرہ جو لوگوں کو ہنسانا کر محظوظ کرنا اور ابراہیم بن ادھم کی توہین کرنا تھا۔ کیا پھر انہیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے تھا؟ ہرگز نہیں۔

اسلام کہتا ہے: مومن کا نفس معزز ہے، قابل احترام ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ابراہیم بن ادھم پر واجب تھا کہ کشتی والے واقعے میں وہ مقابلہ کرتے اور ان لوگوں کو منع کرتے اور اپنا دفاع کرتے۔

Marfat.com

معیارِ جواں مردی

کتب حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اکرمؐ مدینہ میں کچھ مسلمان جوانوں کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے دیکھا کہ وہ زور آزمائی کے لئے ایک بھاری پتھر اٹھا رہے تھے۔ وہ اسے اٹھا کر اسی طرح سے اپنی طاقت کا امتحان لے رہے تھے جیسے آج کل ویٹ لفٹر وزن اٹھاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ وزن اٹھاتا تھا۔ کوئی کم، کوئی زیادہ۔

ایک کہتا تھا: میں نے زیادہ وزن اٹھایا ہے۔

دوسرا کہتا تھا: میں نے زیادہ اٹھایا ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ منظر دیکھا تو رک گئے اور فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس مقابلے کا فیصلہ کروں؟ یہ سن کر بھی خوش ہوئے اور آپؐ کو بحیثیت منصف قبول کرلیا۔

آپؐ نے فرمایا: بہت اچھا۔ میں فیصلہ کرتا ہوں۔ تمہیں پتھر اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پتھر اٹھائے بغیر میں تمہارے لئے ایک معیار مقرر کرتا ہوں جس سے پتا چل جائے گا کہ تم میں سے کون جوانمرد ہے!

پھر آپ نے فرمایا:

"جس شخص کا نفس اسے گناہ کی ترغیب دے اور اس کے دل میں گناہ کی خواہش موجود ہو اور وہ اس گناہ کی خواہش کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرے وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔"

رسول اکرمؐ نے اس مقام پر نفسانی خواہشات کے مقابلے میں قوت ارادی کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ قوت صرف اس چیز کا نام نہیں ہے کہ انسان ایک پتھر کو زمین پر سے اٹھالے یا یہ کہ آدمی ایک بہت بھاری وزن کو کندھے پر رکھ لے۔ یہ قوت کی ایک قسم ہے اور اعصاب کی قوت ہے۔ یہ ایک ایسی قوت ہے جو حیوانی اعصاب میں بھی پائی جاتی ہے اور انسانوں اور

حیوانوں کے درمیان مشترک ہے۔

ہمارے کہنے کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ اعصابی قوت کوئی کمال نہیں ہے۔ نہیں، یہ بھی ایک کمال ہے۔ لیکن انسان کے بازوؤں اور اس کے اعصاب میں پائی جانے والی قوت سے بھی بڑھ کر طاقتور چیز اس کی قوت ارادی ہے۔ قوت ارادی وہ قوت ہے جس کے ذریعے انسان اپنی نفسانی خواہشات کا مقابلہ کر سکے۔ اسی وجہ سے اخلاق اسلامی اور بالخصوص عرفانی ادبیات میں ہمیشہ اس چیز کو ایک قوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: اَشْجَعُ النَّاسِ مَنْ غَلَبَ هَوَاهُ. "سب لوگوں سے زیادہ دلاور وہ شخص ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھے۔" (نہج الفصاحۃ قول ۲۹۹)

یہاں بھی مسئلہ شجاعت، قوت اور غلبے کا ہے۔

شیخ سعدیؔ فرماتے ہیں:

گرت از دست بر آید دہی شرین کن
مردی آن نیست کہ مشتی بزنی بر دہنی

اگر تم سے ہو سکے تو کسی کا منہ میٹھا کرو۔ مردانگی یہ نہیں کہ تم کسی کے منہ پر مکا دے مارو۔

یعنی قوت یہ نہیں کہ انسان کسی دوسرے کے منہ پر مکا جڑ دے بلکہ قوت یہ ہے کہ انسان نفسانی خواہشات پر قابو پاتے ہوئے دوسرے کا منہ میٹھا کر دے۔

مولانا رومؔ کہتے ہیں:

وقت خشم و وقت شہوت مرد کو
طالب مردی چنینم ، کو بگو

غصے کے عالم میں اور ہوائے نفس کے وقت مرد کون ہے؟ مجھے اس قسم کے مرد کی تلاش ہے۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟ (انسان کامل)

Marfat.com

مولانا رومؒ اور شمس تبریزی

ابتدا میں مولانا رومؒ کی طبیعت میں وہ جوش اور جولانی نہیں پائی جاتی تھی۔ وہ ایک عالم شخص تھے لیکن ٹھنڈے مزاج اور خاموش طبیعت کے مالک تھے۔ وہ اپنے شہر کے ایک گوشے میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ جس روز ان کی ملاقات شمس تبریزی سے ہوئی وہ دل و جان سے ان کے معتقد ہوگئے۔ اس دن سے ان کی حالت ہی بدل گئی۔ اس عقیدت نے ان کے اندر ایک آگ سی لگادی اور اس کے شعلے یوں بھڑکنے لگے جیسے کہ بارود کے ذخیرے میں چنگاری پھینک دی گئی ہو۔ وہ خود بظاہر اشعری مسلک کے پیرو تھے لیکن ان کی مثنوی بلاشبہ دنیا کی عظیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ ان کے تمام اشعار میں ایک طرح کا تموج اور تحرک ہے۔ دیوان شمس کے اشعار انہوں نے اپنے مطلوب اور محبوب کی یاد میں کہے ہیں اور مثنوی میں بھی انہیں بہت یاد کیا ہے۔

مثنوی میں ہم مولانا رومؒ کو کسی مطلب کا تذکرہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن جونہی انہیں شمس کی یاد آتی ہے ان کی روح میں ایک شدید ہیجان برپا ہو جاتا ہے جو ان کے اندر پرشور لہریں پیدا کردیتا ہے۔

انسانِ کامل

حضرت امیرالمومنینؑ جیسے غریب پرور حاکم کے لئے یہ کیونکر ممکن تھا کہ گلی میں ایک عورت کو جو پانی کی مشک اپنے کندھے پر اٹھائے جارہی تھی دیکھیں اور ملتفت ہوئے بغیر گزر جائیں۔ کیونکہ جو عورت خود پانی بھر کر لے جارہی ہو یقیناً اس کا کوئی والی وارث نہیں ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو اس کی کوئی مدد نہیں کرتا ہوگا۔ حضرت امیرالمومنینؑ آگے بڑھے اور بڑے ادب سے کہا: خاتون کیا آپ اجازت دیں گی کہ میں آپ کی مدد کروں؟ بالآخر آپ نے اس کی مدد

کی اور اس کا گھر بھی دیکھ لیا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا: کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ آپ خود کیوں پانی بھر کر لاتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! اتفاق سے میرا شوہر علی ابن ابی طالبؑ کے ہمراہ جنگ میں مارا گیا اور اب میرا کوئی سر پرست نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ جملہ سن کر حضرت امیرالمومنینؑ کو گہرا صدمہ ہوا۔ اس رات جب آپ گھر تشریف لے گئے تو صبح تک سو نہ سکے۔ جب صبح ہوئی تو خود آپ اور آپ کے ساتھی گوشت، روٹیاں اور کھجوریں لے کر اس عورت کے گھر گئے۔ جس قدر جلد ممکن ہوسکا آپ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے گوشت کے کباب تیار کئے اور یتیم بچوں کو کھلائے۔ آپ نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ یتیموں کو اپنی گود میں بٹھایا اور ان سے دھیمی آواز میں کہنے لگے کہ علیؑ کی اس خطا کو معاف کردو کہ وہ تمہارے حال سے غافل رہا ہے۔ پھر آپ نے تنور روشن کیا اور آگ کے قریب ہو کر اس کی حرارت کو محسوس کیا اور خود سے یوں کلام کرنے لگے: ''اے علیؑ! اس دنیا کی آگ کی تپش کا مزا چکھو تاکہ تمہیں دوزخ کی آگ یاد رہے اور آئندہ تم عام لوگوں اور یتیموں اور فقیروں کے حال سے غافل نہ رہو۔''

جی ہاں! یہ ہے ایک کامل اسلامی انسان کا نمونہ۔ (انسان کامل)

ایک مثالی پیشوا

حضرت امیرالمومنینؑ کو خبر دی گئی کہ بصرہ میں عثمان بن حنیف نے ایک دعوت میں شرکت کی ہے۔ اس دعوت میں کیا ہوا؟ کیا خدانخواستہ اس میں شراب پی گئی، جوا کھیلا گیا یا فسق و فجور کا ارتکاب کیا گیا؟ نہیں۔ پھر کیا ہوا؟ اس دعوت میں پایا جانے والا نقص اور عثمان بن حنیف کی خطا یہ تھی کہ اس دعوت میں صرف اشراف کے لئے اہتمام کیا گیا تھا یعنی کسی غریب کو شرکت کی اجازت نہیں تھی۔

حضرت امیرالمومنینؑ کو خبر ملی کہ آپ کے نمائندے اور آپ کے مقرر کردہ حاکم نے

Marfat.com

ایک ایسی محفل میں شرکت کی ہے جس میں صرف امیر شریک تھے اور کوئی غریب موجود نہ تھا۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے کیا فرمایا؟ آپؑ نے فرمایا: مجھے امید نہیں تھی کہ عثمان بن حنیف ایک ایسی دعوت میں شرکت کریں گے جس میں صرف امیروں کو بلایا گیا ہو اور غریبوں کو نظرانداز کر دیا گیا ہو۔

پھر آپ نے اپنا حال دل بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں جو کچھ چاہوں مجھے میسر آ سکتا ہے۔ کھانے، پینے اور پہننے کی بہترین چیزیں میرے لئے موجود ہیں لیکن یہ امر محال ہے کہ میں نفسانی خواہشات کو اپنے آپ پر مسلط کر لوں۔

حضرت امیرالمومنینؑ کے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اچھا لباس پہننا اور عمدہ غذا کھانا حرام ہے۔ نہیں! یہ بات نہیں بلکہ بات کچھ اور ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں تو یہاں سیر ہو کر کھالوں لیکن شاید کوفہ، شام، یمامہ اور خلیج فارس کے ساحلوں پر اور حجاز میں کوئی شخص ایسا ہو جسے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو۔ کیا میں اپنا پیٹ بھر کر سو رہوں اور میرے اردگرد ایسے لوگ ہوں جن کے پیٹ خالی ہوں۔ کیا میں ایسا بن جاؤں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

وَ حَسْبُکَ دَاءٌ اَنْ تَبِیْتَ بِبِطْنَةٍ
وَحَوْلَکَ اَکْبَادٌ تَحِنُّ اِلَی الْقِدِ

"تمہارے لئے یہی مصیبت کافی ہے کہ تم شکم سیر ہو کر سو جاؤ اور تمہارے اردگرد لوگ بھوکے پیٹ موجود ہوں۔"

اسے کہتے ہیں انسانی ہمدردی، اسے کہتے ہیں انسان دوستی، اسے کہتے ہیں انسانی اقدار کا محافظ۔ "اَقْنَعُ مِنْ نَفْسِیْ اَنْ یُقَالَ لِیْ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ وَلاَ اُشَارِکُهُمْ فِیْ مَکَارِهِ الدَّهْرِ؟" (نہج البلاغہ۔ ۴۵واں خط)

کیا میں مقام و منصب اور کرسی و عہدے کو کافی سمجھوں، کیا میں اس بات پر راضی ہو جاؤں کہ لوگ مجھے امیرالمومنین کہہ کر پکارتے ہیں۔ کیا میرے لئے یہ روا ہے کہ میں حوادث زمانہ کی سختیوں میں مومنوں کا ساتھ نہ دوں؟ (انسان کامل)

Marfat.com

اسلامی انسان

حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف کے انصار و اعوان کی صفات میں ایک صفت ایسی بیان کی گئی ہے جسے میں نے ایک حدیث میں نہیں بلکہ متعدد احادیث میں دیکھا ہے۔ وہ علامت یہ ہے: "رُھْبَانٌ بِاللَّیْلِ وَ لُیُوْثٌ بِالنَّھَارِ." یعنی رات کے وقت وہ راہب ہیں۔ اگر تم رات کو انہیں ڈھونڈنے نکلو تو گویا تم کئی ایک راہبوں کو ڈھونڈ رہے ہو اور اگر تم دن کے وقت ان کا کھوج لگاؤ تو وہ شیر ہیں۔

رسول اکرمؐ کے اصحاب کو دیکھیں کہ وہ کس حالت میں تھے۔ یہ مشہور حدیث اصول کافی میں ہے اور اسے مولانا روم نے بھی نظم کیا ہے۔ یہ حدیث شیعہ اور سنی دونوں نے نقل کی ہے۔

رسول اکرمؐ اکثر اصحاب صفہؓ کے حالات دریافت کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب آپؐ تشریف لے گئے تو اندھیرا چھایا ہوا تھا اور فجر طلوع ہونے کو تھی۔ اس اثناء میں آپ کی نگاہ ایک جوان پر پڑی۔ آپ نے دیکھا کہ اس جوان کی حالت غیر ہے اور وہ لڑکھڑا رہا ہے۔ آپ نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس جوان کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی ہیں، اس کا رنگ زرد ہو گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کَیْفَ اَصْبَحْتَ۔ قَالَ: اَصْبَحْتُ مُوْقِناً یَارَسُوْلَ اللّٰہِ. (اصول کافی، شیخ کلینی، جلد۲، کتاب الایمان والکفر باب حقیقۃ الایمان والیقین، روایت دوم)

آنحضرتؐ نے فرمایا: تم نے کس حالت میں صبح کی؟

اس نے جواب دیا: میں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ میں یقین کی منزل پر ہوں۔ یعنی میں نے جو کچھ آپ سے سنا ہے یا آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے میری نگاہ بصیرت اس کا مشاہدہ کر رہی ہے۔

آنحضرتؐ نے چاہا کہ اس سے کچھ اور دریافت کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: مَاعَلَامَۃُ یَقِیْنِکَ. ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم اہل یقین میں سے ہو۔ پس تمہارے یقین کی علامت کیا ہے؟

اس نے عرض کی: اِنَّ یَقِیْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھُوَالَّذِیْ اَحْزَنَنِیْ وَاَسْھَرَ لَیْلِیْ وَاَظْمَأَ

Marfat.com

هَوَاجِرِیْ. ''اس کی علامت یہ ہے کہ دن کے وقت میں پیاسا رہتا ہوں اور رات کو مجھے نیند نہیں آتی۔''

یعنی دن کے وقت روزے رکھنا اور راتوں کو جاگ کر عبادت کرنا میرے یقین کی علامتیں ہیں۔ اپنے یقین کے سبب میں ایک دن بھی بغیر روزے کے نہیں رہ سکتا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ کافی نہیں ہے۔ کچھ اور بیان کرو۔ میں تم سے مزید علامات سننا چاہتا ہوں۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جس طرح میں اس ظاہری دنیا میں ہوں بالکل اسی طرح اُس دنیا کو بھی دیکھ رہا ہوں اور اس کی آوازیں سن رہا ہوں۔ میں اس وقت بہشت میں اہل بہشت کی آوازیں سن رہا ہوں۔ چونکہ بہشت اور دوزخ مخلوق ہیں اس لئے میں اس وقت اہل بہشت کی آوازیں سن رہا ہوں اور دوزخ میں اہل دوزخ کی آوازیں سن رہا ہوں۔

یارسول اللہؐ! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے اصحاب میں سے ایک ایک کے بارے میں بتادوں کہ کون بہشت میں جانے والا ہے اور کون دوزخ میں جانے والا ہے۔

آنخضرتؐ نے فرمایا: نہیں! خاموش رہو۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں کہا ہے:

ایک روز رسول اکرمؐ نے نماز صبح کے بعد زیدؓ سے پوچھا کہ اے میرے مخلص رفیق تم نے کس حالت میں صبح کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس حالت میں صبح کی کہ بندگان اہل یقین میں سے ایک بندہ ہوں۔ آنخضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ اگر اس یقین کی بنیاد ایمان پر ہے تو اس کی نشانی بتاؤ؟ اس نے بتایا کہ میں دن کے وقت پیاسا رہتا ہوں اور رات کو عشق و سوز کی وجہ سے جاگتا رہتا ہوں۔ کیا میں راز کی بات کہہ دوں یا سانس روک لوں؟ رسول اکرمؐ نے ہونٹ کاٹے جس کا مطلب تھا کہ خاموش رہو۔

پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے جوان! تمہاری آرزو کیا ہے؟

انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! شہادت۔ خدا کی راہ میں شہادت۔

یہ ان کی عبادت تھی اور یہ ان کی آرزو۔ وہ تھیں ان کی راتیں اور وہ تھے ان کے دن۔ ایسا ہوتا ہے اسلام پر ایمان لانے والا اور ایسا ہوتا ہے ایک اسلامی انسان۔ (انسان کامل)

بہترین عمل

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ. "اے ایمان والو! نماز سے مدد لو اور روزے اور صبر سے مدد حاصل کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۳)

وہ کون سی مدد ہے جو ہم روزے، خدا پرستی اور خدا کی عبادت کے ذریعے حاصل کرسکتے ہیں؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ معاشرے میں حقیقی مسلمان بنیں، طاقت حاصل کریں اور ایک سچا مجاہد بنیں تو آپ کو چاہئے کہ ایک مخلص نمازی بنیں۔ بعض ایسے لوگ دیکھنے میں آتے ہیں جو نماز کی تحقیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں نماز کیا چیز ہے؟ عبادت کا کیا فائدہ ہے؟ یہ تو بوڑھی عورتوں کا کام ہے۔ انسان کو اجتماعی امور میں حصہ لینا چاہئے۔ یہ روشن خیالی ہے۔

حضرت عمرؓ بھی ایک روشن خیال شخص تھے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ خلیفہ عمر نے "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" کے الفاظ اذان میں سے نکال دیئے تھے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کی وجہ ان کی ایک قسم کی روشن خیالی تھی۔

اس زمانے کا ایک بہت بڑا اشتباہ اسلامی فتوحات اور اسلامی جہاد کا جوش تھا۔ مجاہدین دشمن سے جنگ لڑنے کے لئے جاتے تھے اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن کو شکست دیتے تھے۔ مسلمانوں کی کل تعداد پچاس ہزار یا ساٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی اور وہ عظیم سلطنتوں سے مصروف جنگ تھے۔ وہ سلطنتیں کئی لاکھ سپاہی لے کر ان کے مقابلے پر آتی تھیں مگر یہ انہیں شکست دے دیتے تھے۔ رومی کئی لاکھ سپاہیوں کو لے کر ان سے لڑنے کے لئے آئے۔ اسی طرح اہل فارس بھی کئی لاکھ سپاہی لے کر ان کے مقابلے پر آئے مگر مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی کم تھی لیکن وہ دونوں محاذوں پر خوب جم کر لڑے اور دونوں محاذوں پر دشمن کو عبرتناک شکست دی۔ پس جہاد نے اپنی اہمیت کو ثابت کردیا اور واضح کردیا کہ اسلام مجاہدوں کی حوصلہ افزائی سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

حضرت عمر نے کہا کہ مصلحت اس میں ہے کہ "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" کے الفاظ

اذان میں سے نکال دیئے جائیں کیونکہ اذان میں مؤذن بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے۔ پھر شہادتین پڑھتا ہے پھر کہتا ہے: "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" یعنی نماز کی طرف آؤ۔ نماز کی طرف آؤ۔ یہاں تک ٹھیک ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" یعنی نجات کی طرف آؤ۔ نجات کی طرف آؤ۔ نماز نجات ہے نماز نجات ہے۔ یہاں تک بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن جہاں تک "حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ" (بہترین عمل کی طرف آؤ، نماز بہترین عمل ہے) کا تعلق ہے حضرت عمر نے کہا: یہ جملہ مجاہدین کے جذبہ جہاد کو ٹھیس پہنچاتا ہے کیونکہ وہ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اب ہم جا کر نماز پڑھیں یا جہاد کریں؟ جب نماز بہترین عمل ہے تو ہم میدان جنگ میں جا کر جہاد کرنے کی بجائے کیوں نہ مدینہ میں رہیں اور روضہ رسولؐ کے پہلو میں واقع مسجد مدینہ میں نماز پڑھیں جو بہترین عمل ہے۔ دوسرے لوگ جائیں اور قتال کریں۔ ہم اپنے آپ کو موت کے منہ میں کیوں ڈالیں اور زخم کیوں کھائیں؟ اس طرح ہماری آنکھوں کی بینائی جاتی رہے گی، ہمارے ہاتھ پاؤں کٹیں گے، ہمارے پیٹ پھاڑے جائیں گے، اس لئے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہیں گے۔ چار رکعت نماز پڑھیں گے اور پھر ہمارا مرتبہ بھی ان سے زیادہ بلند ہوگا۔ پس یہ چیز درست نہیں ہے۔ یہ چیز خیالات کو بگاڑتی ہے۔ اس لئے "حی علیٰ خیر العمل" جو مجاہد کے جذبہ جہاد کو کمزور کرتا ہے، کی بجائے "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" یعنی نماز اچھی چیز ہے اور نیند سے بہتر ہے کہنا چاہئے۔

خلیفہ نے یہ نہ سوچا کہ یہ پچاس ساٹھ ہزار یا ستر اسی ہزار سپاہی جن کی تعداد قطعاً ایک لاکھ تک نہیں پہنچتی کس قوت کے بل بوتے پر دو دو لاکھ کی فوجوں کا دو مختلف محاذوں پر مقابلہ کرتے ہیں اور فتح پاتے ہیں، یہ فتح کس چیز کی فتح ہے؟

کیا یہ ہتھیاروں کی فتح ہے؟ کیا عربوں کے ہتھیار ایرانیوں اور رومیوں کے ہتھیاروں سے زیادہ اچھے تھے؟ ہرگز نہیں۔ ایران اور روم کے سپاہیوں کا تعلق اس زمانے کی دولت مند سلطنتوں سے تھا جن کے پاس بہترین ہتھیار تھے اور عربوں کے ہتھیاروں کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ کیا عربوں کی نسل ایرانیوں اور رومیوں کی نسلوں سے زیادہ طاقتور اور زیادہ شہہ

Marfat.com

زور تھی؟ ہرگز نہیں۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ شاپور ذوالاکتاف نے عربوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اس نے ہزارہا عربوں کو قیدی نہیں بنایا؟ کیا اس نے ان کے کندھوں کو نہیں داغا؟ کیا اس نے انہیں زنجیروں میں نہیں جکڑا اور ان کو زنجیروں سے نہیں باندھا؟ اس وقت عربوں کا زور کہاں تھا؟ کیا اس کے بعد بھی ایران نے عرب کو شکست نہیں دی؟ پھر عربوں نے کس قوت کی مدد سے جنگ لڑی اور روم و ایران کی فوجوں کو شکست دی؟ یہ ایمان کی قوت تھی۔ ایمان کی قوت وہ قوت ہے جو "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" سے حاصل ہوتی ہے، یہ وہ قوت ہے جو نماز سے حاصل ہوتی ہے، یہ وہ قوت ہے جو اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے وضاحت فرمائی ہے کہ جب انسان رات کے وقت خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے اور اس سے راز و نیاز کرتا ہے اور مناجات کرتا ہے تو وہ خدا سے قوت حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو اسے خود اعتمادی بخشتی ہے۔ یعنی اگر عرب میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ایران یا روم کو شکست دے سکے تو یہ ہمت اس نے کہاں سے حاصل کی ہے؟ یہ ہمت اس نے اپنے ایمان سے حاصل کی ہے۔ نماز کیا ہے؟ نماز اس ایمان کو تازہ کرنا ہے جو اس نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے کلمے سے حاصل کیا ہے۔ جب وہ نماز میں کئی مرتبہ کہتا ہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی خدا سب سے بڑا ہے اور اس کے مقابلے میں ہر چیز چھوٹی ہے اور پھر وہ ان دنیاوی بڑائیوں کو دیکھتا ہے تو ان سب کا جواب اسے ایک اَللّٰہُ اَکْبَرُ میں مل جاتا ہے۔ یعنی یہ سب چیزیں پست ہیں۔ جب وہ کئی لاکھ سپاہیوں کو اپنے مقابل دیکھتا ہے تو کہتا ہے: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی خدا بہت بڑا ہے۔ تمام قدرت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا پر توکل کرو، خدا پر بھروسا کرو، خدا سے قوت حاصل کرو، خدا سے مدد مانگو۔ یہی نماز ہے جو ایک مجاہد کو قوت بخشتی ہے۔

حضرت عمر نے کہا ہے کہ "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" اس امر کا موجب بنتا ہے کہ ایک مجاہد جہاد کو ترک کردے، گھر میں بیٹھ جائے اور نمازیں پڑھتا رہے۔ اس مقام پر انہوں نے سمجھنے میں غلطی کی اور یہ نہیں سوچا کہ جس شخص پر جہاد واجب ہو، اس کے لئے محاذ جنگ پر جانا لازمی ہے اور اس کا مسجد مدینہ میں نماز کے لئے رکنا حرام ہے۔ قبولیت نماز کے لئے جہاد شرط ہے اور قبولیت جہاد کے لئے نماز شرط ہے۔ جس شخص میں ایک مجاہد کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں

اور اس پر جہاد کرنا واجب ہو جہاد کے بغیر اس کی نماز باطل ہے۔ ایسی نماز "خَیرُ العَمَلُ" نہیں بلکہ "شَرُّ العَمَلُ" ہے۔ یہ نماز نہیں ہے۔ آپ اسے اسلامی نماز کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ جو نمازی اس طرح جہاد سے منہ موڑے اس کی نماز اسلامی نماز نہیں ہے۔ اسلام کی نماز "خَیرِ العَمَلُ" ہے لیکن یہ نہیں ہونا چاہئے کہ آپ "حَیَّ عَلٰی خَیرِ العَمَلِ" کو اذان سے خارج کردیں اور کہیں کہ یہ کلمہ افکار میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ جہاد کو چھوڑ کر نماز کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ (انسان کامل)

بوئے یوسفؑ

شیخ سعدیؔ نے حضرت یعقوبؑ کی زبانی ایک داستان نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یکی پرسید از آن گم گشتہ فرزند
کہ ای روشن روان پیر خردمند
ز مصرش بوی پیرہن شنیدی
چرا در چاہ کنعنش ندیدی

"کسی نے اس شخص سے جس کا بیٹا گم ہو گیا تھا پوچھا کہ اے روشن فکر اور عقلمند بزرگ! جب آپؑ نے مصر سے اس کے پیراہن کی بوباس سونگھ لی تو پھر کنعان کے کنویں میں اسے کیوں نہ دیکھ سکے؟"

یہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی داستان ہے۔ جب حضرت یوسفؑ نے مصر میں اپنے بھائیوں سے اپنا تعارف کرایا اور انہیں اپنا پیراہن دے کر کہا کہ اسے لے جاؤ، تو ابھی وہ حضرت یعقوبؑ کے پاس بھی نہیں پہنچے تھے کہ آپؑ نے فرمایا: اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنَ. "اگر تم یہ نہ کہو کہ میں جواس باختہ ہوگیا ہوں، تو (میں تمہیں بتاؤں کہ) میں یوسفؑ کی بوئے معطر سونگھ رہا ہوں۔" (سورۂ یوسف: آیت ۹۴)

Marfat.com

خوب! آپ نے مصر سے تو اس کے پیراہن کی بو سونگھ لی، لیکن آپ کو کنعان کے کنویں سے جو آپ کے گھر سے قریب تھا، یوسفؑ کی بو نہ سونگھ سکے۔ ایسا کیوں ہوا؟ آپ یوسفؑ کو کنعان کے کنویں میں کیوں نہ دیکھ پائے؟"

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

بگفنا حال ما برقِ جہاں است
دمی پیدا و دیگر دم نہان است

یعنی انہوں نے فرمایا: ہمارا حال کوندتی ہوئی بجلی جیسا ہے جو ایک لحظہ کے لئے ظاہر ہوتی ہے اور پھر غائب ہوجاتی ہے۔

یہاں تک تو وہ سوال نقل کیا گیا ہے جو حضرت یعقوبؑ سے پوچھ گیا اور اس کا جو جواب انہوں نے دیا۔

پھر شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

اگر درویش در جائی بماندی
سرو دست از دوعالم برکشاندی

یعنی اگر درویش ایک ہی جگہ پر رہتا تو دونوں جہان سے اپنا سر اور ہاتھ کھینچ لیتا۔ مطلب یہ کہ جو کیفیت اس پر وارد ہوتی ہے اگر وہ اسے قائم رکھے تو اس کا رتبہ اور مقام دونوں جہانوں سے بلند ہو جائے۔ (انسان کامل)

خوارج کا ظہور

خوارج کے معنی شورش برپا کرنے والوں کے ہیں۔ یہ لفظ خروج سے اخذ کیا گیا ہے۔ خروج کے معنی سرکشی اور بغاوت کے ہیں۔ یہ لوگ واقعۂ تحکیم کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ جنگ صفین میں جب امیرالمومنینؑ فتح پانے والے تھے تو امیرشام نے عمرو بن العاص کے

Marfat.com

مشورے سے ایک شاطرانہ چال چلی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی تمام کاوشیں بیکار ہو چکی ہیں اور اس کی شکست میں بس تھوڑی سی دیر باقی ہے تو اس نے سوچا کہ فریب سے کام لینے کے سوا اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ قرآن مجید نیزوں پر بلند کئے جائیں اور کہا جائے کہ اے لوگو! ہم قبلہ اور قرآن کے ماننے والے ہیں، آؤ اسے اپنے درمیان حَکم قرار دیں۔ یہ کوئی نئی پیشکش نہیں تھی کیونکہ حضرت امیرالمومنینؑ پہلے ہی یہ تجویز دے چکے تھے مگر اس وقت ان لوگوں نے اسے نہیں مانا تھا اور اب بھی اسے صدق دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ یہ محض ایک بہانہ تھا تاکہ ان کے بچاؤ کی صورت نکل آئے اور وہ عبرتناک شکست سے بچ جائیں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان سے جنگ جاری رکھو۔ اس وقت یہ لوگ کتاب خدا کو بطور پناہ گاہ استعمال کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعد میں یہ اپنی اسی قرآن مخالف روش پر گامزن رہیں گے۔ قرآن کا ظاہر اس کی حقیقت کے مقابل میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جان لو کہ میں قرآن کی حقیقت اور اس کا صحیح جلوہ ہوں۔ جبکہ انہوں نے قرآن کے ظاہر کا سہارا لیا ہے تاکہ روح قرآن کو فنا کر دیں۔

لیکن کچھ نادان، بے بصیرت، مقدس نما افراد نے جن کی تعداد اچھی خاصی تھی، ایک دوسرے کو اشاروں میں کہا کہ دیکھو علیؑ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر وہ چلانے لگے کہ کیا ہم قرآن کے خلاف جنگ کریں؟ ہماری جنگ احیائے قرآن کے لئے ہے۔ جب فریق مخالف قرآن کے آگے سر تسلیم خم کر رہا ہے تو پھر جنگ کیوں کی جائے؟

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: میں بھی یہی کہتا ہوں کہ قرآن کی خاطر لڑو اور یقین جانو کہ ان لوگوں کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے قرآن کے ظاہر کو اپنی جان بچانے کے لئے بلند کیا ہے۔

فقہ اسلامی کے باب جہاد میں "تترس کفار به مسلمین" کے عنوان سے ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر دشمنان اسلام مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہوں اور وہ کچھ مسلمان قیدیوں کو اپنی صفوں کے آگے کھڑا کر کے ڈھال کے طور پر استعمال کریں اور خود ان

Marfat.com

کے پیچھے رہ کر اپنی سرگرمیاں اور پیش قدمی جاری رکھیں تو اگر اسلامی سپاہ اپنے دفاع کے لئے ان پر حملہ کرنا چاہے یا ان کی پیش قدمی روکنا چاہے اور اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو کہ دشمن نے جن مسلمان بھائیوں کو ڈھال بنایا ہے انہیں قتل کردیا جائے تو حکم ضرورت کے تحت انہیں قتل کردیا جائے۔ یعنی اگر مسلمانوں کو قتل کئے بغیر دشمن تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو ایسے موقع پر اسلام کے وسیع تر مفاد کے لئے اور باقی مسلمانوں کو بچانے کے لئے اسلام کا قانون ان مسلمانوں کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ وہ بھی درحقیقت اسلام کے سپاہی ہیں اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہئے کہ ان کے پسماندگان کو ان کا خون بہا بیت المال سے ادا کیا جائے۔ یہ فقط اسلامی فقہ کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے عسکری اور جنگی قوانین میں سے ایک مسلّمہ قانون ہے کہ اگر دشمن داخلی قوتوں سے فائدہ اٹھانا چاہے تو ان قوتوں کو تباہ کردیا جائے تاکہ دشمن تک رسائی حاصل کی جائے اور اسے مار بھگایا جائے۔

جب حق کی بالادستی کے لئے اسلام ایک مسلمان کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے تو پھر کاغذ اور جلد چہ معنی دارد؟ کاغذ اور تحریر کا احترام اس کے مطلب و معنی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہم آج معارف قرآن کو بچانے کے لئے لڑ رہے ہیں جبکہ یہ لوگ قرآن کے ظاہر کو اپنے بچاؤ کے لئے ڈھال بنا رہے ہیں تاکہ قرآن کے معنی و مفہوم کو نیست و نابود کردیں۔

لیکن نادانی اور جہالت نے ان کی عقلوں پر ایسا دبیز پردہ ڈال دیا تھا اور انہیں حقیقت سے اتنا دور کردیا تھا کہ وہ کہنے لگے: نہ صرف یہ کہ ہم قرآن کے خلاف جنگ نہیں کریں گے بلکہ قرآن کے خلاف جنگ کرنا بذات خود ایک ناجائز فعل ہے۔ چنانچہ ہم اسے روکنے کی کوشش کریں گے اور جو لوگ قرآن کے خلاف جنگ کریں گے ان کے خلاف لڑیں گے۔

حضرت امیرالمومنینؑ کے لشکر کو مکمل فتح حاصل کرنے میں بس تھوڑی سی دیر باقی تھی۔ مالک اشتر جو ایک دلیر، جاں نثار اور سرفروش سپہ سالار تھے، آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے تاکہ جس خیمے سے امیر شام فوج کی کمان کر رہا تھا اس پر قبضہ کرلیں اور راہ اسلام کو اس کے دشمنوں سے پاک کردیں۔ عین اسی وقت اس گروہ نے امام علی علیہ السلام کو دھمکی دی کہ ہم پیچھے سے حملہ کردیں گے۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے جتنا انہیں سمجھایا اتنا ہی ان کا اصرار بڑھتا چلا گیا۔

Marfat.com

حضرت امیرالمومنینؑ نے مالک اشتر کو پیغام بھیجا کہ لڑائی روک دو اور خود میدان سے واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اجازت دیں تو جنگ ختم ہو جائے گی اور دشمن کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ان لوگوں نے تلواریں کھینچ لیں اور کہا کہ آپ مالک اشتر کو واپس بلالیں ورنہ ہم آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے قاصد کے ذریعے مالک اشتر کو پیغام بھیجا کہ اگر تم علیؑ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو جنگ روک دو اور واپس آ جاؤ۔ وہ واپس آگئے اور دشمن یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اس کی چال بے حد کامیاب رہی ہے۔

جنگ رک گئی تاکہ قرآن کو حکم قرار دیا جائے اور ثالثی کی مجلس تشکیل دی جائے تاکہ دونوں طرف کے ثالث قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ دیں اور باہمی دشمنی کو ختم کردیں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: وہ لوگ اپنا نمائندہ مقرر کرلیں پھر ہم بھی اپنا نمائندہ مقرر کریں گے۔ انہوں نے اتفاق رائے سے عمرو بن العاص کا انتخاب کرلیا جس کا ذہن عیاری و مکاری میں خوب کام کرتا تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے تجویز پیش کی کہ عبداللہ بن عباس کو جو سیاسی سوجھ بوجھ رکھتے تھے یا مالک اشتر جیسے باایمان اور روشن فکر شخص یا ان جیسے کسی شخص کو نامزد کردیا جائے۔

لیکن وہ نادان مقدس نما لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے اور انہوں نے ابوموسیٰ اشعری کا انتخاب کیا جو ایک نااہل شخص تھا اور حضرت امیرالمومنینؑ سے اس کے تعلقات بھی اچھے نہیں تھے۔ حضرت امیرالمومنینؑ اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو یہ بات سمجھانے کی بے حد کوشش کی کہ ابوموسیٰ اس کام کا اہل نہیں ہے لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اس کے علاوہ کسی کے انتخاب پر راضی نہیں ہیں۔ اس پر حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرو۔ بالآخر ابوموسیٰ کو حضرت امیرالمومنینؑ اور ان کے اصحاب کی طرف سے نمائندہ بنا کر ثالثی کی مجلس میں بھیج دیا گیا۔

کافی گفت وشنید کے بعد عمرو بن العاص نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں کے مفاد کی خاطر نہ علیؑ خلیفہ ہوں اور نہ معاویہ بلکہ ہم کسی تیسرے شخص کا انتخاب

Marfat.com

کریں اور وہ آپ کے داماد عبداللہ بن عمر کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

ابوموسیٰ نے کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن اب کیا کرنا چاہیے؟

عمرو بن العاص نے کہا: آپ علیؓ کو خلافت سے معزول کردیں اور میں معاویہ کو، پھر مسلمان ایک موزوں شخص کو منتخب کرلیں جو یقیناً عبداللہ بن عمر ہوں گے اور یوں فتنے کو ختم کردیا جائے۔

دونوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا اور اعلان کیا کہ لوگ جمع ہو جائیں تا کہ فیصلہ سنایا جائے۔ لوگ جمع ہوگئے۔ ابوموسیٰ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ آپ منبر پر جاکر فیصلہ سنائیں۔

عمرو بن العاص نے کمال ہوشیاری سے کہا: میں؟ آپ سفید ریش بزرگ اور رسول اکرمؐ کے محترم صحابی ہیں۔ میری کیا مجال کہ آپ سے پہلے کلام کروں؟

ابوموسیٰ اشعری اپنی جگہ سے اٹھا اور منبر پر چڑھ گیا۔ اب لوگوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے، آنکھیں ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھیں اور سانسیں سینوں میں رکی ہوئی تھیں کہ دیکھئے کیا فیصلہ سنایا جاتا ہے؟

ابوموسیٰ نے کہا: ہم نے باہمی مشورے کے بعد امت کی بھلائی کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ نہ علیؓ خلیفہ ہوں اور نہ معاویہ، اس کے بعد مسلمانوں کی مرضی ہے کہ جسے چاہیں منتخب کریں۔

پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور کہا: جس طرح میں نے یہ انگوٹھی اپنی انگلی سے اتاری ہے اسی طرح میں علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا۔

عمرو بن العاص اٹھا اور منبر پر جاکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے لوگو! تم نے ابوموسیٰ اشعری کی باتیں سنیں۔ اس نے علیؓ کو خلافت سے معزول کردیا ہے اور جیسا کہ اس نے کہا ہے میں بھی علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر بائیں ہاتھ میں پہن لی اور کہا: جس طرح میں نے اپنی انگوٹھی انگلی میں پہنی ہے اسی طرح معاویہ کی خلافت کا اعلان کرتا ہوں۔

مجلس میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگوں نے ابوموسیٰ پر حملہ کردیا اور بعض تازیانہ لے کر

Marfat.com

اس پر چڑھ دوڑے۔ وہ مکہ بھاگ گیا اور عمرو بن العاص بھی شام چلا گیا۔

خوارج نے جو اس تمام واقعے کے ذمہ دار تھے اپنی آنکھوں سے ثالثی کی رسوائی کا مشاہدہ کرلیا اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ لیکن وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ انہوں نے غلطی کہاں کی۔ وہ یہ تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ امیر شام اور عمرو بن العاص کے فریب میں آ گئے اور جنگ رکوادی۔ وہ یہ بھی ماننے کو تیار نہ تھے کہ عمرو بن العاص کے مقابلے میں ابوموسیٰ کا انتخاب غلط تھا، بلکہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا دو انسانوں کو خدا کے دین میں حَکَم اور ثالث قرار دینا خلاف شریعت اور کفر تھا۔ انسان حاکم نہیں ہے بلکہ خدا بلاشرکت غیرے حاکم ہے۔

وہ حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم معاملے کی نزاکت کو نہ سمجھ سکے اور ثالثی پر راضی ہوگئے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں آپ اور ہم کافر ہوگئے، ہم نے توبہ کرلی ہے اور اب آپ بھی توبہ کریں۔ یہ نئے سرے سے ایک اور بڑی مصیبت کھڑی ہوگئی۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: توبہ ہر حالت میں اچھی چیز ہے۔ "اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ" ہم ہمیشہ ہر گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔

وہ کہنے لگے: یہ کافی نہیں ہے بلکہ آپ کو اعتراف کرنا چاہئے کہ ثالثی قبول کرنا ایک گناہ تھا اور آپ اس گناہ سے توبہ کریں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ثالثی کا مسئلہ میرا پیدا کیا ہوا نہیں تھا۔ تم نے خود یہ مسئلہ اٹھایا تھا اور اس کا نتیجہ بھی تم نے دیکھ لیا۔ علاوہ ازیں جو چیز اسلام میں جائز ہے میں اسے کیسے گناہ قرار دوں اور جس گناہ کا میں مرتکب نہیں ہوا اس کا اعتراف کیوں کروں؟

اس وقت سے ان لوگوں نے ایک مذہبی فرقے کی حیثیت سے اپنی سرگرمیاں شروع کردیں۔ ابتداء میں یہ لوگ ایک باغی اور سرکش گروہ کے طور پر پہچانے جاتے تھے، اسی وجہ سے انہیں "خوارج" کا نام دیا گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے اصول و عقائد مرتب کئے اور وہ جماعت جو ابتدا میں فقط ایک سیاسی رنگ رکھتی تھی بتدریج ایک مذہبی فرقہ بن گئی اور اس نے ایک مذہب کا رنگ اختیار کرلیا۔ آنے والے وقت میں خوارج نے ایک مذہب کے پیروکاروں کی حیثیت سے بڑی شدت سے تبلیغ شروع کردی۔ رفتہ رفتہ ان کی فکر اس منزل پر جا پہنچی کہ

Marfat.com

انہوں نے چاہا کہ اپنے افکار کی روشنی میں وہ اس بات کا جائزہ لیں کہ دنیائے اسلام میں پائی جانے والی خرابیوں کی وجوہات کیا ہیں۔

چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عثمان، علی اور معاویہ سب غلطی پر ہیں اور گناہگار ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ دین میں جو خرابیاں در آئی ہیں ان کے خلاف نبرد آزما ہو جائیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پرچم بلند کردیں۔ لہذا خوارج کا مذہب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کے عنوان کے تحت وجود میں آیا۔ (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام)

خدا نے لبیک کہا

مولانا روم اپنی مثنوی میں ایک تمثیلی داستان نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ایک آدمی تھا جو ہمیشہ اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف رہتا تھا اور ''اللہ اللہ'' کا ورد کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیطان اس کے پاس آیا اور اس کے دل میں ایسا وسوسہ ڈالا کہ اس شخص نے اپنے پروردگار کے ذکر کو یکسر ترک کر دیا۔

شیطان نے کہا: اے شخص یہ جو تو ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہتا ہے اور منہ اندھیرے اٹھ کر اتنے سوز کے ساتھ ''اللہ اللہ'' کرتا ہے، کیا کبھی ایسا بھی ہوا کہ تجھے تیرے پروردگار نے بھی لبیک کہا ہو؟ تو اگر ہر گھر کے دروازے پر جاتا اور اس قدر فریاد کرتا تو کم از کم ایک مرتبہ تو تجھے جواب ضرور دیا جاتا۔

اس آدمی نے سوچا کہ شیطان نے بات بہت صحیح کہی ہے۔ چنانچہ اس نے ذکر خدا ترک کردیا اور ''اللہ اللہ'' کا ورد بند دیا۔

ایک مرتبہ خواب میں ایک ہاتف غیبی نے اس سے پوچھا: تم نے مناجات کیوں ترک کردی؟

اس نے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ تمام مناجات جو میں کرتا ہوں اور یہ تمام درد اور سوز

جو میرے دل میں ہے اس کے جواب میں ایک مرتبہ بھی مجھے میرے رب نے لبیک نہیں کہا۔

ہاتف نے اس سے کہا: میں تمہیں جواب دینے کے لئے خدا کی طرف سے مامور کیا گیا ہوں۔ تیرا وہی ''اللہ اللہ'' کہنا ہی ہماری طرف سے لبیک ہے۔ تیری مناجات، سوز اور درد دل ہی ہمارا قاصد ہے۔ وہی درد جو ہم نے تمہارے دل میں پیدا کیا ہے، وہی سوز جسے ہم نے تمہارے دل میں اتارا ہے اور وہی عشق اور شوق جسے ہم نے تمہارے دل میں جگایا ہے، وہی ہماری جانب سے تیری پکار کا جواب ہے۔ ''درد دل، دنیا کی بادشاہت سے بہتر ہے۔''

اسی لئے حضرت امیرالمومنینؑ دعائے کمیل میں التجا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَحْبِسُ الدُّعَآءَ. ''اے میرے پروردگار! میرے وہ گناہ معاف کردے جو میری دعاؤں کی عدم قبولیت کا سبب بنتے ہیں۔''

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دعا انسان کے لئے ''مطلوب'' بھی ہے اور ''وسیلہ'' بھی یعنی دعا ہمیشہ قبول ہونے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ دعا اگر قبول نہ بھی ہو تب بھی قبول ہے کیونکہ وہ بجائے خود مطلوب ہے۔ (انسان کامل)

غیر منطقی رحم

کیا ہم صرف اس بنا پر کہ مجرم کی اصلاح ہونی چاہئے، ارتکاب جرم کے لئے اسے کھلا چھوڑ دیں تاکہ بعد میں اس کی اصلاح کریں؟ جیسا کہ آج کل ہماری سوچ ہوگئی ہے۔ ایسا کرنا تو مجرم کو جرم کی ترغیب دینا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ معاشرے نے اب تک میری اصلاح کی جانب توجہ نہیں دی۔ جب میں بچہ تھا تو میرے باپ نے میری تربیت نہیں کی اور اب جبکہ میں بڑا ہوگیا ہوں تو کسی نے میری اصلاح نہیں کی۔ اب میں جرم کرتا ہوں تاکہ پکڑا جاؤں اور جیل چلا جاؤں تاکہ وہاں میری تربیت اور اصلاح کی جائے اور میں انسان بن جاؤں۔

ایک اور مجرم کہتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کی کیا تک ہے؟ یہ غیر انسانی فعل ہے۔

ایسی باتیں کوتاہ نظر انسان کیا کرتے ہیں۔ آپ اخبارات میں حادثات کے کالم پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ چوری کے نتیجے میں صرف دولت ہی نہیں چھینی جاتی بلکہ اور بھی بہت سے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کئی ایک لوگوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

اگر چوری کی قرار واقعی سزا دی جائے اور چور کو یقین ہو جائے کہ چوری کرنے پر وہ پکڑا گیا تو قانون اس کی چار انگلیاں کاٹ دے گا اور جرم کا یہ داغ مرتے دم تک اس کے ساتھ رہے گا تو چوری کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ خدا کی قسم اگر دو چوروں بلکہ ایک چور کو بھی ایک مرتبہ ایسی سزا ہو جائے تو چوری بالکل ختم ہو جائے گی۔

آج سے پچاس یا ساٹھ سال پہلے جو حاجی مکہ گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عرب میں چوری کی صورتحال تشویشناک تھی۔ حاجیوں کے جو قافلے دو ہزار سے کم افراد پر مشتمل ہوتے تھے، وہ ان راستوں پر سفر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ وہ مسلح بھی ہوتے تھے اور اپنے ساتھ فوجی سپاہیوں کو بھی لے جاتے تھے، تب بھی وہ یہ جرأت نہیں کر پاتے تھے۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرتا تھا کہ یہ نہ سنا جائے کہ بدوؤں نے حاجیوں کے قافلوں پر شبخون مارا اور کئی ایک حاجیوں کو مار ڈالا اور ان کا مال لوٹ کر لے گئے۔ لیکن جب سعودی حکومت نے چند چوروں کی انگلیاں کاٹ دیں تو چوری کا یکلخت خاتمہ ہوگیا۔ لوگوں نے دیکھا ہے کہ حاجیوں کا سامان گر جاتا ہے اور کئی کئی دن تک وہیں پڑا رہتا ہے لیکن کوئی شخص اسے ہاتھ تک لگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح موقع پر صحیح سزا دے دی گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَافَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ۔

بلاشبہ ایسی رحم دلی غیر معقول ہے اور سنگدلی دوسرے موارد میں ہے۔ (انسان کامل)

مغرب میں مہر ومحبت کا فقدان

بنیادی طور پر اہل مغرب سخت دل لوگ ہیں جسے وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ مہر و وفا، محبت و الفت اور احسان و شفقت جیسے دیگر خوشگوار احساسات کو مشرق کی صفات کہتے ہیں

Marfat.com

یہاں تک کہ اولاد کے لئے محبت یعنی باپ کی بچوں سے محبت اور بیٹے کی والدین سے محبت اور اسی طرح بھائی کی بھائی سے، بہن کی بہن سے اور بھائی کی بہن سے محبت کا تصور ان کے ہاں بہت کم پایا جاتا ہے۔

اس چیز کو اہل مشرق بھی رفتہ رفتہ محسوس کرنے لگے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسانی ہمدردی کا تصور صرف مشرق کی سرزمین میں پایا جاتا ہے اور مغربی زندگی جذبات و احساسات سے بالکل عاری ہے۔ اہل مغرب کے درمیان اگرچہ سماجی انصاف پایا جاتا ہے لیکن احساس اور دردمندی کے جذبات کا شدید فقدان ہے۔

میرے ایک دوست نے مجھے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ میں بیمار ہوگیا اور علاج کی غرض سے آسٹریلیا گیا۔ جب میرا آپریشن ہوگیا اور میں روبصحت ہو رہا تھا تو ایک روز میں اور میرا بیٹا ایک ریستوراں میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور میرا بیٹا بڑی سعادت مندی سے میری خاطر مدارات میں مصروف تھا۔ اسی دوران ہم نے دوسری طرف دیکھا کہ ایک مرد اور ایک عورت جو بظاہر میاں بیوی معلوم ہوتے تھے بیٹھے ہوئے بڑے غور سے ہماری حرکات و سکنات کو دیکھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جب میرا بیٹا اٹھا اور ان کے پاس سے گزر کر جانے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ اس سے کوئی بات پوچھ رہے ہیں اور وہ انہیں کچھ جواب دے رہا ہے۔

جب وہ واپس آیا تو میں نے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے تھے؟

اس نے بتایا کہ وہ پوچھ رہے تھے کہ یہ شخص کون ہے جس کی تم اس قدر خدمت کر رہے ہو؟

میں نے جواب دیا کہ یہ میرے والد ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ہوں گے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ تم ان کی اس قدر خدمت کرو؟

لڑکا کہنے لگا کہ میں نے انہیں اپنی عقل کے مطابق جواب دیا اور کہا کہ وہ مجھے پیسے بھیجتے ہیں تاکہ میں تعلیم حاصل کروں۔

انہیں یہ سن کر بڑا تعجب ہوا۔ چند منٹ بعد وہ ہمارے پاس آئے اور اثنائے گفتگو

Marfat.com

انہوں نے بتایا کہ ہمارا بھی ایک بیٹا ہے، جو فلاں ملک میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

بعد میں میرے بیٹے نے مجھے بتایا کہ مجھے پتا چلا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کہا کہ تیس سال قبل ہم دونوں کی ملاقات ہوئی تھی اور ہم نے طے کیا تھا کہ کچھ مدت تک اکٹھے رہیں گے اگر ہماری عادات ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہوں گی تو ہم باقاعدہ شادی کرلیں گے، لیکن اب تک ہمیں شادی کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ یہ ہے مغربی تہذیب۔

مرحوم محققیؒ نے جو حضرت آیت اللہ العظمیٰ بروجردی کی جانب سے جرمنی گئے تھے مغربی معاشرے کا ایک بڑا عجیب واقعہ سنایا۔ انہوںؒ نے بتایا کہ:

ہمارے زمانے میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں ایک پروفیسر بھی تھے۔ وہ بڑے فاضل شخص تھے اور اکثر ہمارے پاس آتے تھے اور ہم بھی ان سے ملنے جاتے تھے۔ انہیں سرطان کا مرض لاحق ہوگیا اور وہ ایک ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ ہم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے۔

ایک روز وہ کہنے لگے کہ جب میں بیمار ہو کر بستر سے لگ گیا اور ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ مجھے سرطان ہے تو میری بیوی اور بیٹا دونوں آئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو سرطان کی بیماری ہے اور اب آپ کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ لہذا خدا حافظ، ہم جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ دونوں چلے گئے۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ان حالات میں یہ بدقسمت انسان محبت و مہربانی کا محتاج ہے۔

مرحوم محققی نے کہا کہ ہم اکثر و بیشتر ان کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جس روز ہسپتال والوں نے ان کے انتقال کی اطلاع دی تو ہم ان کے کفن دفن کے لئے پہنچے، اس روز ان کا بیٹا بھی وہاں آیا ہوا تھا۔ جب ہم نے معلوم کیا تو پتا چلا کہ اس نے باپ کی لاش پہلے ہی کسی ہسپتال کو بیچ دی تھی اور اب اس لئے آیا تھا کہ باپ کی لاش اس ہسپتال کے حوالے کردے اور قیمت لے کر چلتا بنے۔ (انسان کامل)

Marfat.com

حسد کا انجام

ایک حاسد انسان جب کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو اس کی عین خواہش ہوتی ہے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے۔ وہ اپنے بارے میں نہیں سوچتا۔ ایک صحیح الفکر انسان نہ رشک کرتا ہے اور نہ حسد۔ وہ صرف اپنی ترقی کے بارے میں سوچتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک انسان ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ وہ ترقی کرے تو یہ نہ صرف مثبت سوچ ہے بلکہ اس میں کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سوچتا رہے کہ دوسرے کو نقصان پہنچ جائے تو وہ فکری لحاظ سے بیمار ہے بلکہ آپ دیکھیں گے کہ حاسد لوگ بعض اوقات اس مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں کہ اگر دوسرے کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو اس مقصد کی خاطر خود اس سے دگنا نقصان اٹھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تاریخی داستان بہت مشہور ہے جو تاریخ کی کتابوں مین نقل کی گئی ہے۔

کسی خلیفہ کے زمانے میں ایک دولت مند شخص نے ایک غلام خریدا۔ پہلے دن سے ہی اس نے غلام کے ساتھ غلاموں جیسا نہیں بلکہ برابری کا سلوک کیا۔ وہ اسے بہترین کھانا اور بہترین لباس دیتا۔ اس کے آرام کا بیٹوں کی طرح بلکہ بیٹوں سے بھی بڑھ کر خیال رکھتا اور اسے خرچ کرنے کے لئے روپیہ پیسہ بھی دیتا۔

وہ غلام دیکھتا تھا کہ اس کا آقا ہمیشہ پریشان سا رہتا ہے۔ آخرکار ایک دن اس نے غلام کو آزاد کرنے اور اسے بہت سی رقم دینے کا فیصلہ کرلیا۔ تب ایک رات وہ غلام کے پاس بیٹھ کر اپنا دکھڑا سنانے لگا:

اے غلام! میں چاہتا ہوں کہ تجھے آزاد کردوں اور بہت سی رقم بھی دیدوں، لیکن کیا تجھے معلوم ہے کہ میں تیرا اس قدر خیال کیوں رکھتا ہوں؟ صرف ایک مطالبے کو پورا کروانے کے لئے، اگر تو میرا یہ مطالبہ پورا کردے تو جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے وہ تیرے لئے حلال ہوگا، لیکن اگر تو نے یہ مطالبہ پورا نہ کیا تو میں تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گا۔ ہاں اگر تو مان گیا تو میں تجھے مزید مال و دولت دوں گا۔

Marfat.com

غلام نے کہا: آپ جو کچھ بھی کہیں میں اطاعت کروں گا۔ آپ میرے سرپرست ہیں اور آپ نے مجھے خوشگوار زندگی دی ہے۔

آقا نے کہا: نہیں، تو مجھ سے پکا وعدہ کر۔ ایسا نہ ہو کہ میں معاملہ تیرے سامنے رکھوں اور تو انکار کردے۔

غلام نے کہا: نہیں، آپ جو جی میں آئے کہیں۔

جب آقا نے غلام سے وعدہ لے لیا تو کہا: میں چاہتا ہوں کہ تو ایک خاص موقع اور ایک خاص مقام پر جس کے متعلق میں تجھے بتاؤں گا، میرا سر تن سے جدا کردے اور.....''

غلام نے کہا: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

آقا نے کہا: میں نے تجھ سے وعدہ لے رکھا ہے اور میرا مطالبہ یہی ہے۔

چنانچہ ایک رات اس نے غلام کو آدھی رات کے وقت جگایا، ایک تیز چھری اس کے ہاتھ میں دی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے ہمسائے کے مکان کے پچھواڑے پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ لیٹ گیا اور غلام کو روپوں کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا: اب تو میرا سر جسم سے جدا کردے اور پھر جہاں جی چاہے بھاگ جا۔

غلام نے پوچھا: آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟

اس شخص نے جواب دیا: اس لئے کہ اب میں مزید اس ہمسائے کو ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتا، وہ ہر لحاظ سے مجھ پر برتری رکھتا ہے۔ بس اب میرے لئے زندہ رہنے کی بجائے مر جانا ہی بہتر ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے رقیب تھے لیکن اس نے مجھ پر سبقت حاصل کرلی ہے اور اب میں گویا آگ میں جل رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے سے ایک قتل اس کے ذمے لگ جائے اور اس کے نتیجے میں وہ سلاخوں کے پیچھے پہنچ جائے اور مجھے سدا کا سکون مل جائے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر میں یہاں مارا جاؤں گا تو سارا الزام میرے رقیب پر آئے گا اور وہ پکڑا جائے گا۔ بالآخر اسے پھانسی ہو جائے گی اور میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔

غلام نے سوچا کہ ''یہ شخص احمق ہے تو میں یہ کام کیوں نہ کروں''۔ اس نے اپنے آقا سے کہا: واقعی آپ قابل قتال ہیں۔ چنانچہ اس نے اسکا سر کاٹ ڈالا اور روپوں کی تھیلی لیکر یہ جا وہ جا۔

Marfat.com

صبح یہ خبر ہر جگہ پھیل گئی۔ اس شخص کے رقیب کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ بعد میں کہا گیا کہ اگر یہ قاتل ہوتا تو اسے اپنے گھر کے پچھواڑے میں قتل نہ کرتا۔ لہذا ماجرا کیا ہے؟ معاملہ پیچیدہ ہوگیا۔ غلام کو بھی اس کے ضمیر نے چین نہ لینے دیا۔ وہ قاضی کے سامنے پیش ہوگیا اور سچ بیان کردیا تا کہ ضمیر کی قید سے رہا ہو جائے۔

اس نے کہا: جناب! بات یہ ہے کہ اس شخص کو میں نے قتل کیا ہے اور خود اس کے اصرار پر قتل کیا ہے۔ وہ حسد کی آگ میں ایسے جل رہا تھا کہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔

جب حقیقت واضح ہوگئی تو غلام کو اور پہلے قیدی کو بھی رہا کر دیا گیا۔ (انسان کامل)

مخلوقاتِ عالم

فرشتے ایسی مخلوق ہیں جو عقلِ محض، اندیشۂ محض اور فکر محض سے پیدا کئے گئے ہیں۔ یعنی ان میں خاکی، مادی، شہواتی اور غضبی کیفیات نہیں پائی جاتیں۔ یہی صورت حیوانات کی ہے۔ حیوانات محض خاکی ہیں اور اس چیز سے بالکل بے بہرہ ہیں جس کا تعارف قرآن مجید میں خدائی روح کے نام سے کروایا گیا ہے۔

لیکن انسان ایک ایسا موجود ہے جو ملکوتی اور خاکی صفات سے مرکب ہے۔ یہ ملکوتی بھی ہے اور خاکی بھی، بلند بھی ہے اور پست بھی۔ اس نکتہ کی طرف مندرجہ ذیل حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْمَلَائِکَۃَ وَرَکَّبَ فِیْھِمُ الْعَقْلَ وَخَلَقَ الْبَھَآئِمَ وَرَکَّبَ فِیْھِمُ الشَّھْوَۃَ وَخَلَقَ بَنِیْ آدَمَ وَرَکَّبَ فِیْھِمُ الْعَقْلَ وَالشَّھْوَۃَ، فَمَنْ غَلَبَ عَقْلُہٗ عَلٰی شَھْوَتِہٖ فَھُوَ اَعْلٰی مِنَ الْمَلَائِکَۃِ وَمَنْ غَلَبَ شَھْوَتُہٗ عَلٰی عَقْلِہٖ فَھُوَ اَدْنٰی مِنَ الْبَھَائِمِ.

”بے شک خدا نے فرشتوں کو عقل دی اور شہوت نہیں دی۔ حیوانوں کو شہوت دی اور عقل نہیں دی اور انسانوں کو عقل و شہوت دونوں دی ہیں۔ پس جس انسان کی عقل اس کی شہوت

پر غالب ہو، وہ فرشتے سے بہتر ہے اور جس انسان کی شہوت اس کی عقل پر غالب ہو وہ حیوان سے بدتر ہے۔" (اصول کافی۔ تفسیر صافی۔ علل الشرائع)

یہ روایت اہل سنت کے ہاں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت کے ساتھ موجود ہے۔

مولانا روم نے بھی اس حدیث کو اپنی مثنوی میں نظم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

در حدیث آمد کہ خلاق مجید
خلق عالم را سہ گونہ آفرید

یک گرہ را جملہ عقل و علم وجود
آن فرشتہ است و نداند جز سجود

نیست اندر عنصرش حرص و ہوا
نور مطلق زندہ از عشق خدا

یک گروہ دیگر از دانش تہی
ہمچو حیوان از علف در فربہی

او نبیند جز کہ اصطبل و علف
از شقاوت غافل است و از شرف

و آن سوم ہست آدمی زاد و بشر
از فرشتہ نیمی و نیمش ز خر

نیم خر خود مایل سفل بود
زین دوگانہ تا کرامین برد نرد

حدیث میں ہے کہ خداوند عالم نے تین طرح کی مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ (۱) ایک مخلوق اس نے عقل، علم اور بخشش عطا کی ہے۔ وہ فرشتے ہیں جو سجدہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ ان کی سرشت میں ہوا و حرص نہیں پائی جاتی۔ وہ مطلق نور ہیں اور عشق خدا کی بدولت زندہ ہیں۔ دوسری (۲) مخلوق وہ ہے جو علم سے عاری ہے۔ یعنی حیوان جو گھاس پھوس کھاتے ہیں اور

Marfat.com

نشوونما پاتے ہیں۔ وہ اصطبل اور چارے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ نہ وہ شقاوت کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی سعادت کو جانتے ہیں۔

تیسری مخلوق انسان ہے جو ملکوتی اور حیوانی صفات کا مجموعہ ہے۔ ان کا حیوانی پہلو پستی کی جانب مائل ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس مقابلے میں کون سا پہلو غالب رہتا ہے۔ (انسان کامل ص ۱۷۔۱۸)

میانہ روی

انسانی اقدار میں سے ایک قدر عبادت ہے جس کی اسلام مکمل تائید کرتا ہے۔ اگرچہ وسیع تر معنوں میں ہر "ذکر خدا" اور رضائے الٰہی کے لئے کیا جانے والا ہر کام عبادت ہے۔ اسی طرح اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے اور مفاد عامہ کی خاطر خدمت انجام دینا بھی عبادت ہے۔ لیکن عبادت اپنے مخصوص معنی میں خدا کے ساتھ تنہائی میں راز و نیاز کرنے مثلاً نماز، دعا، مناجات اور تہجد کو کہتے ہیں اور یہ عبادات اسلامی تعلیمات کا ناقابل حذف حصہ ہیں۔

اسلامی احکامات کا یہ روح پرور پہلو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اگر کسی زمانے میں مناسب طریقہ کار اختیار نہ کیا جائے تو نتیجتاً معاشرہ فقط اسی ایک پہلو کی جانب کھنچتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اسلام محض رسوم عبادت یعنی مسجد جانے، نمازیں پڑھنے، دعائیں مانگنے، تعقیبات پڑھنے، مستحب غسل کرنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ یعنی اگر معاشرہ کسی ایک قدر کو اختیار کرنے میں حد اعتدال سے بڑھ جائے تو دوسری تمام اقدار مسخ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

تاریخ اسلام میں ہمیں ایک ایسا دور بھی دکھائی دیتا ہے جب یہ روش شدت اختیار کر گئی تھی اور خالصتاً بے غرض اشخاص کہ جن پر کوئی تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ اس راستے پر چل پڑے اور توازن قائم نہ رکھ سکے۔ ایک ایسا شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں انسان ہوں کیونکہ اس

Marfat.com

نے صرف ایک ہی پہلو کی طرف توجہ دی ہے۔ خدا نے ہمیں فرشتہ نہیں انسان بنا کر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ اپنے اندر پائی جانے والی مختلف صلاحیتوں میں ہم آہنگی پیدا کریں۔

رسول اکرمؐ کو بتایا گیا کہ آپؐ کے کچھ اصحاب عبادت میں ڈوب ہوگئے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ پریشان ہوگئے اور ناراض ہوئے۔ آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور بآواز بلند فرمایا: ''ما بال اقوام.'' لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ میں نے سنا ہے کہ میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں؟ حالانکہ میں خود جو تمہارا پیغمبر ہوں ایسا نہیں ہوں اور کبھی بھی تمام رات عبادت نہیں کرتا بلکہ رات کا کچھ حصہ آرام کرتا ہوں، سوتا ہوں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارتا ہوں۔ اسی طرح میں ہر روز روزہ نہیں رکھتا بلکہ کچھ دنوں کے روزے رکھتا ہوں اور باقی دنوں میں غذا تناول کرتا ہوں۔ پس جن لوگوں نے (صرف عبادت میں محو رہنے کا) یہ راستہ اختیار کیا وہ میری سنت سے دور ہیں۔

ہاں تو جب پیغمبر اکرمؐ محسوس کرتے ہیں کہ ایک اسلامی قدر دوسری اقدار کو اپنے اندر گم کرلینا چاہتی ہے یعنی اسلامی معاشرے کا رجحان ایک طرف ہوگیا ہے تو وہ اس کی بھرپور طریقے سے اصلاح کرتے ہیں۔ (انسان کامل)

آزادی

آزادی اعلیٰ انسانی اقدار میں سے ایک ہے۔ دوسرے لفظوں میں آزادی انسان کی معنوی اقدار یعنی ان چیزوں میں سے ہے جو انسان کی حیوانی حدود سے بالاتر ہیں۔ انسان کے لئے آزادی ایک ایسی قدر ہے جو مادی اقدار سے بلند تر ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے انسانیت کی عظمت کو محسوس کیا ہے وہ مفلس رہنے اور مشکل ترین حالات میں زندگی گزارنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن کبھی کسی دوسرے کی

غلامی قبول نہیں کرتے بلکہ آزاد زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

کتاب ''آئینۂ دانشوراں'' میں ایک داستان نقل کی گئی ہے کہ بوعلی سینا کچھ عرصہ وزیر بھی رہے تھے۔ ایک روز وہ وزیراعظم کی حیثیت سے پورے دبدبے اور جاہ و جلال کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ اتفاقاً ان کا گزر ایک بیت الخلاء کے پاس سے ہوا جہاں ایک خاکروب اسے صاف کررہا تھا۔ بوعلی سینا جہاں غیر معمولی طور پر عقل مند اور ذہین تھے وہاں ان کے حواس بھی انتہائی قوی تھے۔ انہوں نے خاکروب کی آواز سنی اور دیکھا کہ وہ یہ شعر پڑھ رہا ہے:

''اے نفس میں نے تجھے اس لئے عزیز رکھا تاکہ تیری دنیا میرے دل پر آسان گزرے۔''

بوعلی سینا نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی اور آگے بڑھ کر اسے آواز دی اور کہا: واقعی تم نے اپنے نفس کو عزیز رکھا اور اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں ہے۔

خاکروب نے جب ان کی شکل و شباہت اور وضع قطع دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ وزیراعظم بوعلی سینا ہیں، کہنے لگا: میں نے یہ شغل اس لئے اختیار کیا ہے کہ آپ کی طرح کسی دوسرے کا محکوم اور تابع نہ بنوں، جو کچھ آپ کے اور دنیا کے دوسرے رؤساء کے پاس ہے اس کے مقابلے میں خاکروب کا کام کرنا اور آزاد رہنا زیادہ بہتر ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر بوعلی شرمندگی سے پسینے میں نہا گئے کیونکہ یہ ایک لاجواب دلیل تھی۔ (انسان کامل)

کسی نے سچ کہا ہے کہ

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف و ذلت کے حلوہ سے بہتر

Marfat.com

جنت نیکوکاروں کیلئے ہے

طاؤس یمانی کہتے ہیں:

ایک روز میں نے حضرت امام سجادؑ کو دیکھا کہ عشاء سے لے کر سپیدۂ سحر تک خانۂ خدا کے طواف اور عبادت میں مشغول رہے۔ جب لوگ چلے گئے اور آپ کو کوئی دکھائی نہ دیا تو آپؑ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: اے خدا! افق پر موجود ستارے نگاہوں سے اوجھل ہوگئے ہیں اور لوگ سو چکے ہیں لیکن تیرے دروازے فریاد کرنے والوں کیلئے کھلے ہیں۔

طاؤس نے اس مقام پر امامؑ کی خشوع و خضوع سے بھری مناجات کے بہت سے جملے نقل کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: مناجات کے دوران امام علیہ السلام چند مرتبہ روئے اور پھر زمین پر گر گئے اور سجدہ کیا۔ میں نزدیک گیا اور آپ کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا اور رو دیا۔ میرے آنسو بہنے لگے اور آپؑ کے چہرے پر گرے۔ آپؑ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: کون ہے جس نے ہمیں پروردگار کی یاد سے روک دیا۔

میں نے عرض کیا: میں طاؤس ہوں، اے فرزند رسولؐ! آپ کی یہ گریہ و زاری اور بے قراری کس لئے ہے؟ ایسا تو ہمیں کرنا چاہئے کیونکہ ہم گناہگار اور خطا کار ہیں۔ آپؑ کے پدر بزرگوار حسینؑ بن علیؑ ہیں اور آپؑ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں اور آپؑ کے جد رسول خداؐ ہیں۔ اتنے عالی نسب ہوتے ہوئے آپؑ کیوں مضطرب اور پریشان ہیں؟

آپؑ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: نہیں نہیں، اے طاؤس! حسب نسب کی بات نہ کرو۔ خدا نے بہشت اس شخص کے لئے بنائی ہے جو فرمانبردار اور نیکوکار ہو۔ اگرچہ وہ سیاہ چہرے والا غلام ہی کیوں نہ ہو اور دوزخ اس شخص کے لئے بنائی ہے جو اس کی نافرمانی کرے خواہ وہ رؤسائے قریش کی اولاد میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا: ''جب صور پھونکا جائے گا تو حسب نسب باقی نہیں رہیں گے اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔''

خدا کی قسم کل (روز قیامت) کوئی چیز تمہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی سوائے اس اچھے عمل کے جو تم آج آگے بھیجو گے۔

Marfat.com

اخلاص عمل

ایک عرصہ گزرا مشہد میں ایک صاحب رہتے تھے جن کا نام ادیب نیشاپوری تھا۔ میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ اِس وقت ایک اور ادیب بھی ہیں جنہیں میں نے دیکھ رکھا ہے۔ یہ بھی بڑی خوبیوں کے مالک، نیک اور دیندار انسان ہیں۔ دونوں ادیب ریاکاری کے خلاف جدوجہد کرتے تھے۔ یعنی ان کا عمل ریاکاروں کے عمل کے برعکس ہوتا تھا۔ ریاکار لوگ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ عبادت گزار ہیں لیکن درحقیقت عبادت نہیں کرتے۔ یہ ان کے برعکس تھے۔ یہ ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ عبادت نہیں کرتے لیکن درحقیقت عبادت گزار تھے۔ یعنی انہیں کسی نے کبھی حضرت امام رضاؑ کی زیارت کو جاتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن بعض اوقات انہیں ایسے حلیے میں زیارت کے لئے جاتے دیکھا گیا جس میں انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔

بلاشبہ یہ سب کچھ ریاکاروں کے عمل کی نفی ہے۔ حافظ شیرازی جیسے بلند پایہ شعراء بھی اپنے کچھ اشعار میں ہوشیاری، بے باکی اور جدوجہد کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ اظہار اور دکھاوا ریاکاروں کے طریق کے برعکس ہے یعنی جو ان کی روش ہے وہ بھی دکھاوا ہے اور یہ بھی دکھاوا ہے۔

شیخ حسن حرمی جو مرحوم ادیب اول کے خاص شاگرد تھے اور خود بھی فاضل ادیب تھے اور بعد میں وزارت تعلیم میں بڑے معلم بنے، بیان کرتے ہیں کہ میں آستانہ امام رضاؑ پر خدمت انجام دیا کرتا تھا اور شاگرد ہونے کے ناطے اپنے استاد کے بہت سے کام مثلاً حقہ تیار کر کے دیدیا کرتا تھا۔ ایک روز میں علی الصبح صحن حرم میں جھاڑو دینے میں مشغول تھا کہ اچانک میں نے استاد (ادیب) کو عبا سر پر یوں اوڑھے ہوئے دیکھا کہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے لیکن میں ان کی چال ڈھال اور قد و قامت سے انہیں پہچان گیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ اس وقت کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جارہے ہیں؟ وہ جلدی میں تھے اور عصا ان کے ہاتھ میں تھا۔ عموماً وہ آہستہ چلتے تھے لیکن اس وقت عصا تھامے ہوئے تیز چل رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ صحن میں داخل ہوئے اور جب پرانے صحن کی کھڑکی کے سامنے پہنچے تو وہیں سجدے کی حالت میں

Marfat.com

زمین پر گر گئے اور کافی دیر تک اسی حالت میں رہے۔ پھر دوبارہ اٹھے عصا اٹھایا۔ عبا کو سر پر یوں لپیٹا کہ کوئی پہچان نہ سکے اور تیزی سے چل دیئے۔

نفس پر اعتماد

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صحابی رسول انتہائی تنگدستی کا شکار ہو گئے یہاں تک کہ گھر میں فاقوں کی نوبت آ گئی۔ ایک روز ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ آپ رسول اکرمؐ کی خدمت اقدس میں جائیں ممکن ہے کہ وہ ہماری کچھ مدد کر دیں۔

وہ صحابی آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے۔ دوسرے اصحاب بھی تشریف فرما تھے۔ چنانچہ انتظار کرنے لگے کہ لوگ چلے جائیں تو بات کریں لیکن اس سے پہلے کہ اپنی حاجت بیان کرتے رسول اکرمؐ نے ایک جملہ کہا۔ آپؐ نے فرمایا: "مَنْ سَئَلَنَا اَعْطَیْنَاہُ وَمَنِ اسْتَغْنٰی عَنَّا اَغْنَاہُ اللّٰہ۔" یعنی اگر کوئی شخص ہم سے کوئی چیز مانگے گا تو ہم اسے دیں گے لیکن اگر وہ اپنے آپ کو ہم سے بے نیاز سمجھے تو خداوند تعالیٰ اسے واقعی بے نیاز کر دے گا۔

ان صحابی نے یہ جملہ سنا تو پھر کوئی بات نہ کی اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آئے۔ تاہم تنگدستی اپنی جگہ قائم رہی۔ چنانچہ بیوی کے کہنے پر وہ پھر ایک روز آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے۔

آنحضرتؐ نے اپنی گفتگو کے دوران پھر وہی جملہ دہرایا۔

وہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں تین مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں گیا اور ہر مرتبہ یہی جملہ سنا تو سوچا کہ یہ محض اتفاق نہیں کہ رسول اکرمؐ یہ بات تین مرتبہ میری موجودگی میں کہیں۔ ظاہر ہے کہ آپؐ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے اندر اعتماد کی ایک نئی قوت محسوس کی اور سمجھ گئے کہ زندگی گزارنے کا ایک راستہ اور بھی ہے اور جو راستہ میں نے اختیار کیا ہے یقیناً وہ صحیح نہیں۔ پھر انہوں نے دل ہی دل میں نئے جذبے کے ساتھ کام شروع کرنے کا عزم مصمم کیا۔ انہوں نے

Marfat.com

سوچا کہ اگرچہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے لیکن کیا میں لکڑیاں کاٹ کر بھی نہیں بیچ سکتا؟ لیکن آخر لکڑیاں کاٹ کر لانے کیلئے بھی گدھے یا اونٹ اور رسی اور کلہاڑی کی ضرورت ہوتی ہے۔

قصہ مختصر انہوں نے ہمسایوں سے یہ چیزیں مستعار لیں اور لکڑیوں کا ایک گٹھا کاٹ کر جانور پر لادا اور لاکر بازار میں فروخت کردیا۔ ان لکڑیوں کی جو قیمت ملی وہ انہوں نے اپنے گھر میں خرچ کی اور پہلی مرتبہ کام کی لذت محسوس کی۔ دوسرے روز بھی انہوں نے یہی کام کیا اور جو پیسے ملے ان میں سے کچھ خرچ کئے اور کچھ بچا کر رکھے۔ وہ چند روز تک یہ کام کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے خود اپنی رسی اور کلہاڑی خرید لی اور کچھ مدت گزرنے کے بعد ایک جانور بھی خرید لیا۔ رفتہ رفتہ اسی آمدنی میں ان کا گزارا ہونے لگا۔ کچھ دنوں بعد ایک مرتبہ پھر وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ "مَنْ سَئَلْنَا اَعْطَیْنَاہُ وَمَنِ اسْتَغْنٰی عَنَّا اَغْنَاہُ اللّٰہ." اگر تم اس روز مجھ سے کوئی چیز مانگتے تو میں تمہیں دے دیتا لیکن پھر تم ساری عمر کے لئے گداگر بن جاتے لیکن تم نے خدا پر توکل کیا اور کام کرنے لگے اور خدا نے بھی تمہیں بے نیاز کردیا۔ (انقلاب اسلامی)

امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت

خلیفہ ہارون رشید ۱۷۹ھ ہجری میں حج کے ارادے سے بغداد سے روانہ ہوا۔ پہلے وہ مدینہ پہنچا جہاں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ اس فیصلے سے اہل مدینہ میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور لوگوں میں بے چینی پھیل گئی۔ چنانچہ ہارون رشید نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کو رات کے وقت خفیہ طور پر بصرہ روانہ کردیا جائے اور وہاں اس کے چچازاد بھائی حاکم بصرہ عیسیٰ بن جعفر عباسی کے سپرد کردیا جائے۔

اس طرح آپ کو وہاں لے جا کر قید کردیا گیا۔ دوسرے روز لوگوں کو دھوکہ دینے کے

لئے نیا حکم جاری کیا کہ ایک اور خفیہ سواری کوفہ روانہ کی جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آپ کو کوفہ لے جایا گیا ہے اور اس طرح وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیں کہ چونکہ کوفہ ان کے چاہنے والوں اور شیعوں کا مرکز ہے اس لئے وہاں انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر کچھ لوگ امام علیہ السلام کی روانگی میں رکاوٹ بننا چاہیں اور ان کا ارادہ اُنہیں راستے سے واپس لانے کا ہو تو ان کی توجہ کوفہ کے راستے کی جانب مبذول ہو جائے۔

امامؑ ایک سال تک بصرہ میں قید رہے۔ ہارون رشید نے حاکم بصرہ عیسیٰ کو حکم دیا کہ قید خانے میں ہی موسیٰ بن جعفرؑ کا کام تمام کردو۔

تاہم وہ امامؑ کے قتل میں شریک ہونے پر آمادہ نہ ہوا اور اس نے ہارون کو جواب میں لکھا: میں نے ایک سال کے عرصے میں انہیں ہمیشہ عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ وہ عبادت کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ میں نے کچھ افراد کو اس کام پر مامور کر رکھا ہے کہ وہ ان کی دعاؤں کو سنیں تاکہ پتا چلے کہ وہ آپ کو یا مجھے بددعائیں تو نہیں دیتے؟ لیکن مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ ان چیزوں کی جانب قطعاً متوجہ نہیں ہیں اور خدا سے اپنے لئے رحمت اور مغفرت طلب کرنے کے علاوہ اور کوئی لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ میں ایسے شخص کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا اور نہ انہیں مزید قید رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ چاہیں تو انہیں اپنی تحویل میں لے لیں ورنہ میں انہیں رہا کردوں گا۔

ہارون نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کو بصرہ سے بغداد لایا جائے اور فضل بن ربیع کے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ ہارون نے فضل بن ربیع سے امامؑ کو قتل کرنے کے لئے کہا لیکن اس نے بھی قبول نہ کیا۔

چنانچہ ہارون نے امامؑ کو فضل بن ربیع کے قید خانے سے نکال کر فضل بن یحییٰ برمکی کے سپرد کردیا اور اس کے پاس قید کردیا۔ فضل بن یحییٰ برمکی نے اپنے گھر کا ایک کمرہ آپؑ کے لئے مخصوص کردیا اور ساتھ ہی حکم دیدیا کہ ان کی حرکات وسکنات پر نظر رکھی جائے۔

اسے اطلاع دی گئی کہ امام علیہ السلام دن رات نمازیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ دن میں اکثر روزہ رکھتے ہیں اور عبادت کے علاوہ

Marfat.com

کسی چیز کی جانب توجہ نہیں دیتے۔

فضل بن یحییٰ نے حکم دیا کہ امامؑ کا پورا پورا احترام کیا جائے اور آپ کے آرام و آسائش کا سامان فراہم کیا جائے۔

جاسوسوں نے اس بات کی اطلاع ہارون کو پہنچائی۔ جب ہارون نے یہ خبر سنی تو اس وقت وہ بغداد میں موجود نہ تھا بلکہ رقہ میں تھا۔ اس نے فضل کو ایک خط لکھا جس میں اسے سرزنش کی اور حکم دیا کہ وہ امامؑ کو قتل کردے۔

فضل بن یحییٰ برمکی اس بات پر تیار نہ ہوا۔ ہارون کو سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے خاص خادم مسرور کو دو خط دے کر بھیجا جن میں سے ایک سندی بن شاہک کے نام اور دوسرا عباس بن محمد کے نام تھا۔ اس نے مسرور سے کہا کہ وہ خفیہ تحقیق کرے اور اگر موسیٰ بن جعفرؑ فضل کے گھر میں آرام سے رہ رہے ہوں تو فضل بن یحییٰ برمکی کو ایک تازیانہ لگایا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور فضل بن یحییٰ کو تازیانہ کھانا پڑا۔ مسرور نے بغداد سے خط لکھ کر رقہ میں ہارون کو تمام حالات کی اطلاع دی۔

ہارون نے حکم دیا کہ امامؑ کو فضل بن یحییٰ سے لیکر سندی بن شاہک کے سپرد کردیا جائے۔ سندی ایک غیر مسلم اور غیر معمولی طور پر سخت دل اور ظالم شخص تھا۔ آخرکار امامؑ اس کی قید میں زہر دیکر شہید کردیئے گئے۔ (بیست گفتار ص ۱۶۹۔۱۷۱)

قمر بنی ہاشمؑ

لشکر حسینیؑ کے قافلہ سالار حضرت ابوالفضل العباسؑ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

ائمہ علیہم السلام فرماتے ہیں کہ عباس علمدارؑ خدا کے نزدیک وہ مقام رکھتے ہیں کہ جس پر تمام شہداء رشک کرتے ہیں۔

بدقسمتی سے تاریخ نے اس عظیم شخصیت کے بارے میں ناکافی معلومات فراہم کیں۔

Marfat.com

یعنی اگر کوئی ان کے حالات زندگی کے بارے میں کتاب لکھنا چاہے تو بہت زیادہ مواد نہیں ملتا۔

لیکن زیادہ مواد کا کیا فائدہ؟ بعض اوقات ایک یا دو دن کے حالات زندگی جو ممکن ہے چار پانچ صفحات سے زیادہ نہ ہوں اس قدر درخشاں ہوتے ہیں کہ اس ہستی کی قدر و منزلت کو ثابت کرنے کے لئے دسیوں کتابوں پر بھاری ہوتے ہیں اور جناب ابوالفضل عباسؑ ایک ایسی ہی عبقری شخصیت کے مالک ہیں۔

سانحہ کربلا کے وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً ۳۴ سال تھی اور آپ صاحب اولاد تھے۔ جب امیرالمومنین علیہ السلام نے شہادت پائی اس وقت آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ جنگ صفین کے موقع پر بھی آپ نابالغ تھے۔ اس بنا پر امیرالمومنین علیہ السلام نے انہیں جنگ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شجاعت و بہادری تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ وہ اس قدر خوبصورت تھے کہ انہیں بچپن میں قمر بنی ہاشم یعنی بنو ہاشم کا چاند کہا جاتا تھا۔ ان کے شمائل بے حد دل آویز، بازو بہت مضبوط اور لمبے اور سینہ بہت چوڑا تھا۔ (حماسۂ حسینی ص ۲۲۴)

امام علیؑ ــ ایک کامل انسان

زندگی کے ہر پہلو پر حضرت امیرالمومنینؑ کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ ہاں آپ کی شخصیت میں تمام انسانی اقدار جمع ہیں۔ کبھی آپ میدان جنگ میں اس طرح جوہر دکھاتے نظر آتے ہیں جیسے آپ نے اپنی ساری زندگی اسی میدان میں گزاری ہے۔ گویا ایک ایسی روح کہ جو جنگ و جدل کی خوگر ہو۔ لیکن جب ہم حضرت امیرالمومنینؑ کی زندگی کے عارفانہ پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں ایک ایسے شب زندہ دار عارف دکھائی دیتے ہیں جسے عاشقانہ راز و نیاز کے علاوہ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ منشاء اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہم حضرت امیرالمومنینؑ کی زندگی کے دونوں پہلوؤں کے بارے میں نہج البلاغہ کے دو چھوٹے چھوٹے

Marfat.com

حصوں کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

امیرالمومنینؑ کی امیرشام کے ساتھ پہلی جنگ صفین کے میدان میں ہوئی جب معاویہ کا لشکر ایک جانب سے اور امیرالمومنینؑ کا لشکر دوسری جانب سے بڑھا چلا آرہا تھا۔ یہاں تک کہ دریائے فرات کے کنارے ایک مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے صف آرا ہوگئے۔ امیرشام کے حکم پر اس کے ساتھیوں نے جناب امیرؑ کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور دریائے فرات کا پانی بند کر کے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: ہم نے ایک ایسا حربہ استعمال کیا ہے کہ جب وہ لوگ یہاں آئیں گے اور پانی حاصل نہ کرسکیں گے تو مجبوراً بھاگ کھڑے ہوں گے اور بہترین اسباب ہمیں فراہم ہوجائیں گے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ پہلے ہم مذاکرات کریں گے تاکہ اس مسئلے کو بات چیت سے حل کیا جاسکے کیونکہ جو گرہ ہاتھ سے کھل سکے اسے دانتوں سے نہیں کھولنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں خونریزی ہو۔ آپؑ نے پیغام بھیجا کہ ہم ابھی اس جگہ پہنچے بھی نہیں اور تم نے پانی بند کردیا ہے۔

امیرشام نے جنگی کونسل تشکیل دی اور مسئلہ اپنے لشکر کے سرداروں کے سامنے رکھا۔ ان سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے، کیا ہم ان کو پانی استعمال کرنے کی اجازت دیں یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ اجازت دے دیں اور بعض نے کہا نہیں۔

عمرو بن العاص نے کہا: اجازت دیدو کیونکہ اگر تم اجازت نہیں دو گے تو وہ تم سے زبردستی چھین لیں گے اور تمہاری بڑی ذلت ہوگی۔

کچھ نے کہا کہ نہیں، نہ تو ہم اجازت دیں گے اور نہ ہی بزور طاقت وہ ہم سے چھین سکتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی اور حضرت امیرالمومنینؑ کو جنگ پر مجبور کردیا۔ اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ اپنے لشکر کے سامنے تشریف لائے اور ایک ولولہ انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس کا اثر ہزار ڈھولوں، بگلوں اور ہزاروں جنگی نغموں اور پریڈوں سے زیادہ تھا۔

Marfat.com

آپؑ نے فرمایا: اے لوگو! یہ لوگ آئے ہیں۔ امیر شام نے گمراہ افراد کا ایک گروہ اپنے گرد جمع کرلیا ہے اور انہوں نے پانی تم پر بند کردیا ہے۔ کیا تم جانتے ہو انہوں نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے تم پر پانی بند کردیا ہے۔ اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ تمہیں دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا چاہئے۔ اے میرے ساتھیو! تم پیاسے ہو اور مجھے یہ کہنے آئے ہو کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے، ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی چاہئے۔ پہلے تم اپنی تلواریں ان لوگوں کے ناپاک خون سے سیراب کرو یہاں تک کہ تم خود سیراب ہو جاؤ۔ پھر آپؑ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس نے سب کے دلوں میں ہیجان پیدا کردیا۔

آپؑ نے جنگی نقطہ نگاہ سے ''موت اور حیات'' کی تعریف کی اور فرمایا: اے لوگو! حیات کیا ہے؟ زندگی کیا چیز ہے؟ مرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا موت سے مراد زمین کے اندر دفن ہوجانا ہے؟ نہیں، نہ یہ زندگی ہے اور نہ وہ موت ہے۔ ...... فَالْمَوْتُ فِیْ حَیَاتِکُمْ مَقْهُوْرِیْنَ وَالْحَیَاةُ فِیْ مَوْتِکُمْ قَاهِرِیْنَ ...... (نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۵۱ ص ۸۸) ''زندگی نام ہے فاتحانہ موت کا اور موت نام ہے غلامانہ زندگی کا۔''

آپ دیکھیں کہ یہ جملہ کس قدر ولولہ انگیز ہے، کس قدر بلند مطالب کا حامل ہے۔ اس جملے نے سیکڑوں فوجی مظاہروں سے زیادہ اثر کیا۔ اب حضرت امیرالمومنینؑ کا لشکر تیزی سے آگے بڑھا اور دشمن کو کئی کلومیٹر تک دوسری جانب دھکیل دیا۔ گھاٹ ان کے قبضے میں آگیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کرلیا۔ لشکر امیر شام پانی سے محروم ہوگیا اور اس نے پانی کے لئے درخواست کرتے ہوئے ایک خط بھیجا۔

حضرت امیرالمومنینؑ کے اصحاب نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ کام ہم نے نہیں کیا بلکہ تم نے پہل کی ہے اور اب ہم تمہیں پانی نہیں دیں گے۔ لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہرگز ایسا کام نہیں کریں گے۔ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے۔ میں میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں لیکن اسے اس طرح بے بس کر کے فتح حاصل کرنا نہیں چاہتا۔ اس طرح فتح حاصل کرنا میرا کام اور میری شان نہیں اور یہ ایک معزز اور باکرامت مسلمان کی شان کے بھی خلاف ہے۔ (انسان کامل ص ۶۵-۶۶)

کمزوری کمال کی علامت نہیں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کا کمال اسکے کمزور اور ضعیف ہونے میں ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ کامل انسان وہ ہے جو طاقت نہ رکھتا ہو کیونکہ جو طاقت رکھتا ہے وہ ظلم کرتا ہے۔

شیخ سعدیؔ نے بھی اپنی ایک رباعی میں یہی اشتباہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں وہ چیونٹی ہوں جسے لوگ اپنے پیروں تلے مسل ڈالتے ہیں۔ میں بھڑ نہیں ہوں کہ وہ میرے ڈنگ کی وجہ سے نالہ وفریاد کریں۔ میں اس نعمت کا شکر کس طرح ادا کروں کہ میں لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتی۔'' (گلستان سعدیؔ، باب سوم، حکایت اول)

یہاں پر سوال یہ نہیں ہے کہ انسان کو چیونٹی بننا چاہئے یا بھڑ تاکہ جواب میں وہ کہہ سکے کہ اگر مجھے چیونٹی یا بھڑ بننے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے تو میں چیونٹی بننے کو ترجیح دوں گا۔ انسان کو چاہئے کہ نہ تو چیونٹی بنے جو ہاتھوں اور پاؤں کے نیچے کچلی جائے اور نہ ہی بھڑ بنے جو لوگوں کو ڈنگ مارتی پھرے۔ لہذا مندرجہ بالا اشعار کی بجائے یوں کہنا چاہئے تھا:

''نہ میں ایک ایسی چیونٹی ہوں جسے لوگ پاؤں تلے مسل دیں اور نہ ہی میں بھڑ ہوں کہ لوگ میرے ڈنگ کی وجہ سے آہ و زاری کریں۔ میں اس نعمت کا شکر کس طرح ادا کرسکتا ہوں کہ میں طاقت رکھتا ہوں لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔''

مقام شکر یہ ہے کہ انسان طاقت رکھتا ہو لیکن کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ چنانچہ ایک ناتواں کا کسی کو تکلیف نہ پہنچانا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ بغیر سینگ کا ایک جانور سینگ نہ مارے۔ اگر اسکے سینگ ہوتے اور وہ سینگ نہ مارتا تو یہ ایک اچھا کام ہوتا۔

پھر شیخ سعدیؔ کہتے ہیں:

''میں نے پہاڑ کے دامن میں ایک عابد کو دیکھا جو دنیا کو چھوڑ کر ایک غار میں جا بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم شہر میں کیوں نہیں آتے تاکہ لوگوں کے دلوں کا بوجھ ہلکا کرو؟''

یعنی وہ ایک عابد کی تعریف کرتے ہیں جو ایک پہاڑ کے دامن میں جا بیٹھا تھا اور وہاں عبادت میں مشغول تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ تم شہر کیوں نہیں آتے تاکہ

لوگوں کی خدمت کرو۔ بلاشبہ شیخ سعدی نے ایک اور مقام پر اس کے برعکس بھی کہا ہے۔
وہ کہتے ہیں:

''ایک پارسا شخص خانقاہ سے مدرسے میں آ گیا۔ اس نے اہل طریقت کے ساتھ رہنے کا عہد توڑ دیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ایک عالم اور عابد کے درمیان کیا فرق تھا کہ تم اس گروہ کو چھوڑ کر اس گروہ سے آ ملے؟

اس نے کہا کہ عابد چاہتا ہے کہ صرف اپنی گدڑی کو لہروں سے بچا لے جبکہ عالم یہ چاہتا ہے کہ ڈوبتے ہوئے کو بچا لے۔''

یہاں پر عالم اور عابد کے درمیان صحیح فرق بیان کیا گیا ہے لیکن اوپر درج کیے گئے دو اشعار میں شیخ سعدی کے سوال کے جواب میں عابد ان کے سامنے جو عذر پیش کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سعدی نے بھی اس کا عذر قبول کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اس نے کہا کہ شہر میں نازنینوں کا ہجوم لگا رہتا ہے اور جب کیچڑ بہت ہو تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں۔''

یعنی شہر میں خوبصورت لوگ ہوتے ہیں اور میری نگاہ ان پر پڑے تو میرا دل قابو میں نہیں رہتا۔ لہذا میں نے اپنے آپ کو پہاڑ کے دامن تک محدود کر لیا ہے۔ کیا کہنے! اس کمال کے کہ انسان اپنے آپ کو ایک جگہ مقید کر لے — یہ کوئی کمال نہیں ہے۔

قرآن مجید نے ''احسن القصص'' یعنی حضرت یوسفؑ کی داستان ہمارے لئے بیان کی ہے۔ حضرت یوسفؑ کی داستان ''اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ'' (سورہ یوسفؑ آیت ۹۰) کی داستان ہے۔ یعنی قرآن مجید فرماتا ہے کہ یوسفؑ بنو۔ ان کے لئے نفسانی خواہشات پورا کرنے کے تمام لوازمات موجود تھے۔ انہیں تمام قوتیں اور تمام امکانات میسر تھے۔ تمام دروازے بھی بند تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اپنی پاک دامنی کی حفاظت کرتے رہے اور بند دروازے کھول دیئے۔ وہ کنوارے اور جوان تھے، بے انتہا خوبصورت تھے، بجائے اس کے کہ وہ عورتوں کے پیچھے بھاگیں، عورتیں ان کے پیچھے بھاگتی تھیں۔ کوئی دن نہیں گزرتا کہ سیکڑوں خط اور سیکڑوں پیغام انہیں نہ آتے ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مصر کی تمام ممتاز عورتیں ان پر فریفتہ تھیں۔

Marfat.com

قرآن اس انداز میں سمجھاتا ہے۔ (عزیز کی بیوی نے) ان کے لئے تمام شرائط فراہم کردی تھیں اور ان کے لئے جان کا خطرہ پیدا کردیا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ یا تم میری خواہش پوری کرو یا میں تمہیں قتل کرادوں گی۔

یوسفؑ نے کیا طرز عمل اپنایا؟ انہوں نے فرمایا: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ۔ ''اے پروردگار! جس چیز کی یہ عورتیں مجھے ترغیب دیتی ہیں اس سے میرے لئے قید خانہ بہتر ہے۔ اگر تو ان عورتوں کے فریب کو مجھ سے دور نہ کرے گا تو (مبادا) میں مائل نہ ہو جاؤں۔'' (سورۂ یوسفؑ آیت ۳۳)

یعنی حضرت یوسفؑ کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ اے خدا! مجھے قید خانے میں بھیج دے اور ان عورتوں کے جال میں گرفتار نہ کر۔ شہوت رانی کے امکانات میرے پاس فراہم ہیں لیکن میں اس عمل کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔

پس انسان کا کمال اس کے کمزور ہونے میں نہیں ہے۔ (انسان کامل)

باطنی میلان

عرفان کی بنیاد، باطن کی جانب میلان، دل کی جانب رجحان، باطن کی طرف توجہ اور ظاہر کو ترک کرنے پر ہے۔ حتیٰ کہ عرفان ظاہر کی قدر و قیمت کی بھی نفی کرتا ہے کیونکہ اگر سوال کیا جائے کہ کیا ہم اپنے مقصد حیات یعنی ''حق'' کو ظاہری دنیا سے حاصل کرسکتے ہیں تو اہل عرفان کا کہنا ہے کہ نہیں اسے باطنی دنیا سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

دل سالہا سال سے ہم سے جام جمشید طلب کرتا رہا
جو چیز خود اس کے پاس تھی اس کی تمنا دوسروں سے کرتا رہا
جو موتی کون و مکان کی سیپی سے باہر تھا
اسے وہ سمندر کے کنارے گمشدہ افراد سے طلب کرتا رہا

Marfat.com

وہ ایک ایسا عاشق بے بدل تھا کہ ہر حال میں خدا اس کے ساتھ تھا
لیکن وہ اسے نہیں دیکھتا تھا اور دور سے یاخدا یاخدا کہہ رہا تھا
پچھلی رات میں اپنی مشکل پیرمغاں کے پاس لے گیا
کیونکہ وہ نظر کی مدد سے معما حل کرتا تھا
میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے حکیم نے یہ جام جہاں کب عطا کیا
اس نے کہا اس روز جب وہ آسمان کو مزین کر رہا تھا
اس نے کہا جس دوست کے ذریعے سولی کا سر بلند ہوا
اس کا جرم یہ تھا کہ وہ راز فاش کرتا تھا

(دیوان حافظ)

اپنے باطن کی جانب آپ جتنی زیادہ توجہ دیں گے آپ کی معرفت اتنی ہی زیادہ بڑھے گی۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی کے دفتر ششم میں ایک تمثیلی داستان بیان کی ہے۔

وہ کہتے ہیں:

ایک شخص خزانے کا طلبگار تھا۔ وہ ہمیشہ خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کرتا تھا کہ اے میرے پروردگار! بہت سے لوگ دنیا میں آئے اور انہوں نے اپنے تمام خزانے زمین میں دفن کردیئے۔ وہ خود اس دنیا سے چلے گئے اور ان کے خزانے زمین کے نیچے رہ گئے پس تو مجھے کسی خزانے کا پتا بتا دے۔

اس شخص کا مدتوں تک یہی معمول رہا کہ وہ ساری ساری رات گریہ و زاری کرتا رہتا۔ آخر ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ تم خدا سے کیا چاہتے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں خدا سے خزانے کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اس شخص نے کہا: مجھے اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ میں تمہیں خزانے کا پتا بتاؤں۔

اس نے کہا: بہت خوب۔ پھر اس شخص نے اسے ایک جگہ کی نشانی بتائی اور کہا کہ تم فلاں ٹیلے پر جانا اور تیرکمان ساتھ لے جانا۔ تیر کمان میں چڑھانا اور چلا دینا۔ تمہارا تیر جہاں

Marfat.com

بھی گرے گا خزانہ وہیں ہوگا۔

جب وہ بیدار ہوا تو اس نے سوچا کہ بہت واضح خواب ہے۔ چنانچہ وہ سوچنے لگا کہ میں جا کر دیکھتا ہوں کہ یہ نشانیاں درست ہیں یا نہیں۔ اگر یہ نشانیاں درست ہیں تو میری کامیابی یقینی ہے۔

وہ گیا اور اس نے دیکھا کہ تمام نشانیاں درست ہیں اور اسے اب فقط تیر چلانا ہے۔ پھر جہاں تیر گرے گا وہیں اسے خزانہ مل جائے گا۔

اب اسے خیال آیا کہ خواب میں مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں گیا کہ تیر کس سمت میں چلانا ہے۔ پس وہ سوچنے لگا کہ میں روبقبلہ ہو کر تیر چلا دیتا ہوں۔ انشااللہ خزانہ اسی طرف ہوگا۔

اس نے تیر اٹھایا اور پوری قوت کے ساتھ قبلہ کی سمت چلا دیا۔ پھر جا کر دیکھا کہ تیر کہاں گرا ہے۔ وہ کدال اور بیلچہ اٹھا کر وہاں پہنچ گیا اور کافی دیر تک زمین کھودتا رہا لیکن کوئی خزانہ برآمد نہ ہوا۔

اس نے کہا کہ اب میں دوسری جانب تیر پھینکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے شمال کی جانب تیر پھینکا لیکن خزانہ پھر بھی نہ ملا۔ الغرض اس نے جنوب مشرق، جنوب مغرب، شمال مشرق، شمال مغرب یعنی ہر طرف تیر پھینکا لیکن خزانہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔

وہ اس صورتحال سے بے حد پریشان ہو کر مسجد میں واپس آ گیا اور کہنے لگا: اے پروردگار! یہ تو نے میری کیسی رہنمائی کی ہے؟ وہ ایک مدت تک دوبارہ گریہ و زاری کرتا رہا۔ بالآخر اسے وہی شخص دوبارہ خواب میں دکھائی دیا۔ اِس نے اُس سے اظہار ناراضگی کیا اور کہا کہ تم نے مجھے غلط نشانیاں بتائی تھیں۔

اس شخص نے پوچھا: کیا تمہیں وہ نقطہ مل گیا؟

اس نے جواب دیا: ہاں۔

اس نے پوچھا: پھر تم نے کیا کام کیا؟

اس نے کہا: میں نے تیر کمان میں چڑھایا اور پوری قوت کے ساتھ قبلہ کی سمت چلا دیا۔

Marfat.com

اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہیں کب کہا تھا کہ تم تیر قبلہ کی سمت چلانا اور یہ کب کہا تھا کہ پوری قوت کے ساتھ چلانا؟ میں نے کہا تھا کہ جہاں تیر گر جائے، یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم کھینچ کر تیر چلانا۔

دوسرے روز وہ دوبارہ بیلچہ، کدال اور تیر کمان لے کر وہاں پہنچا۔ تیر کمان میں رکھا اور کہنے لگا کہ دیکھیں تیر کہاں جاتا ہے؟ پھر اس نے تیر چلایا تو دیکھا کہ وہ اس کے پاؤں کے آگے گرا ہوا ہے۔ جب اس نے اپنے پاؤں کے نیچے زمین کھودی تو دیکھا کہ خزانہ وہاں موجود ہے۔ یہاں پہنچ کر مولانا رومؒ کہتے ہیں:

جو "حق" ہے وہ تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن تم نے اپنی سوچ کا تیر دور پھینکا ہے۔

اے تیرانداز! خزانہ تیرے نزدیک ہے جبکہ تو نے تیر دور پھینکا ہے۔

ہمارے دور کے ایک ممتاز عالم نے بتایا کہ میں نے مولانا رومؒ کی یہ داستان پڑھی ہے لیکن یہ نہیں سمجھ سکا کہ مولانا رومؒ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک صاحب عرفان واعظ سے اس بارے میں رجوع کیا تو انہوں نے صرف ایک جملے میں اس کا جواب دیا:

"وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ."

وہ کہنا چاہتے تھے کہ "اگر تم غور کرو تو "وہ" خود تمہارے اندر ہے۔"

(انسان کامل)

اولیائے خدا کا بازار تجارت

ایک شخص امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دنیا کی مذمت کرنے لگا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ حضرت علیؑ دنیا کی مذمت کرتے ہیں لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ دنیا کی مذمت کس بناپر کرتے ہیں؟ اس کا خیال تھا کہ وہ دنیا یعنی فطرت کی مذمت کرتے

Marfat.com

ہیں۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ دنیا پرستی کی مذمت کرتے ہیں جو حق پرستی اور حقیقت پرستی کی ضد ہے اور تمام انسانی اقدار کی نفی کرتی ہے یعنی دنیا پرست انسان کی مذمت کرتے ہیں جبکہ اس شخص نے کہا کہ ''دنیا بری چیز ہے۔''

یہ سن کر حضرت امیرالمومنینؑ برہم ہوگئے اور آپؑ نے فرمایا: اَیُّهَا الذَّامُّ لِلدُّنیَا الْمُغْتَرَّ بِغُرُوْرِهَا الْمَخدُوْعُ بِاَبَاطِیلِهَا اَتَغرُّ بِالدُّنیَا ثُمَّ تَذمُّهَا اَنْتَ الْمُتَجَرِّمُ عَلَیْهَا اَمْ هِیَ الْمُتَجَرِّمَةُ عَلَیْکَ. ''اے دنیا کی مذمت کرنے والے! اے وہ شخص جس نے دنیا کے بارے میں فریب کھایا ہے، دنیا نے تمہیں فریب نہیں دیا، تم نے فریب کھایا۔ دنیا کسی کو فریب نہیں دیتی، آدمی خود فریب کھاتا ہے۔'' (نہج البلاغہ)

میں اس بات کو ایک مثال دے کر واضح کرتا ہوں: مثلاً ایک بڑھیا مصنوعی بناؤ سنگھار کر کے آتی ہے اور ایک جوان کو دھوکا دیتی ہے۔ اس کے دانت بھی اور سر کے بال بھی مصنوعی ہوتے ہیں۔ نوجوان بیچارا یہ سمجھتا ہے کہ یہ عورت جوان ہے اور بعد میں اسے اچانک پتا چلتا ہے کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایک بوڑھی عورت بڑھیا کے روپ میں ہی آتی ہے اور خود کہتی ہے کہ میری عمر زیادہ ہے، میرے منہ میں ایک دانت بھی نہیں ہے، میرے سر کے بال بھی مصنوعی ہیں اور میں جو کچھ ہوں بس یہی کچھ ہوں۔ پھر پوچھتی ہے کہ کیا تم میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو؟ اگر وہ بار بار کہے کہ میرے دانت نہیں ہیں، میری زلفیں نہیں ہیں اور تم جواب میں اس کی تعریف کرو تو اس عورت نے تمہیں فریب نہیں دیا بلکہ تم خود اپنے آپ کو فریب دینا چاہتے ہو۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں: جب دنیا نے تم سے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی تو اس نے تمہیں دھوکا کب دیا؟ کیا دنیا نے تمہیں اس دن دھوکا دیا جس دن تم نے اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا؟ دنیا کہتی ہے کہ میں جو کچھ ہوں بس یہی کچھ ہوں، مجھ میں ثبات نہیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں جیسی ہوں تم مجھے ویسا ہی سمجھو، تم مجھے ایسی کیوں سمجھنا چاہتے ہو جیسا کہ تم خیال کرتے ہو جبکہ میں ویسی نہیں ہوں۔ پس دنیا کسی کو فریب نہیں دیتی۔

پھر آپ فرماتے ہیں: آؤ حساب کریں کہ کیا تم نے دنیا کے ساتھ زیادتی کی ہے یا

دنیا نے تمہارے ساتھ؟ تم نے اس دنیا کے ساتھ فریب کیا ہے یا دنیا نے تمہیں فریب دیا ہے۔ اس نے تمہیں کب برباد کیا؟ یہ تم ہو جو نفسانی خواہشات کے پیچھے بھاگتے ہو۔

پھر آپؑ نے فرمایا: یہ دنیا اولیائے خدا کے لئے تجارت کا بازار اور خدا کے دوستوں کے لئے مسجد ہے۔ اگر مسجد نہ ہو تو کیا عبادت گزار عبادت کر سکتے ہیں؟ اگر بازار نہ ہو تو کیا تاجر کاروبار کر سکتے ہیں اور نفع کما سکتے ہیں؟ (انسان کامل)

فرشتوں کے ساتھ مصافحہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اکرمؐ کے اصحاب نے عرض کیا: "یَا رَسُوْلَ اللّٰه ! اِنَّا خَشِیْنَا عِلَّةَ النِّفَاقِ." ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم منافق نہ ہوں۔

آپ غور کریں یہ لوگ مومن تھے لیکن انہوں نے اپنے اندر ایک کیفیت مشاہدہ کی جس کی بنا پر ان کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا ہم منافق ہوں اور ہمیں اس بات کا علم ہی نہ ہو۔

آنحضرتؐ نے پوچھا: کیوں؟

انہوں نے جواب دیا: اس لئے کہ جب ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور آپؐ گفتگو فرماتے ہیں، وعظ و نصیحت کرتے ہیں، خدا اور قیامت کے بارے میں بتاتے ہیں، گناہوں اور توبہ و استغفار کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے اندر ایک بہت خوشگوار اور اعلیٰ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جب آپؐ سے رخصت ہو کر اپنے بیوی بچوں کے پاس جاتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے ان کے پاس بیٹھتے ہیں تو ہماری پہلے کیفیت لوٹ آتی ہے اور ہم دوبارہ پہلے جیسے آدمی بن جاتے ہیں۔ یا رسول اللہ! کیا یہ نفاق نہیں ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں یہ نفاق نہیں ہے۔ نفاق ریاکاری کو کہتے ہیں۔ جو کچھ تم بیان کر رہے ہو وہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں بعض اوقات انسانی روح بلندی کی جانب مائل

ہوتی ہے اور بعض اوقات پستی کی جانب۔ البتہ جب تم میرے سامنے ہوتے ہو اور میری گفتگو سنتے ہو تو قدرتی طور پر تم میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے (یعنی تمہاری روح بلند منازل طے کرتی ہے)۔

پھر آپؐ نے فرمایا: تمہاری جو کیفیت میرے سامنے ہوتی ہے اگر تم اسی پر قائم رہو اور اگر یہ کیفیت تم میں فطرت ثانیہ کے طور پر باقی رہے تو تم ان مقامات تک پہنچ سکتے ہو کہ "لَصَافَحَتْمُ الْمَلاَ ئِکَۃَ وَ لَمْشَیْتُمْ عَلَی الْمَاءِ." فرشتے آئیں اور تمہارے ساتھ مصافحہ کریں اور تم پانی پر بھی چل سکتے ہو۔ (انسان کامل)

حیاتِ علیؑ کا حیرت انگیز دور

حضرت امیرالمومنینؑ کی زندگی کو اگر دو مختلف ادواز میں تقسیم کیا جائے تو پہلا دور ان کی ولادت سے لے کر رسول اکرمؐ کی بعثت تک، دوسرا دور بعثت سے لے کر ہجرت تک اور تیسرا دور ہجرت سے آنحضرتؐ کی وفات تک محیط ہے۔ ہر دور کا ایک الگ رنگ ہے۔ رسول اکرمؐ کی وفات سے خود علی علیہ السلام کی خلافت تک کا ۲۵ سالہ دور ایک خاص نوعیت کا حامل ہے اور اسی طرح خلافت کا ساڑھے چار سالہ دور ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

ان تمام ادوار کے علاوہ دو دن سے بھی کم یعنی تقریباً ۴۵ گھنٹوں پر محیط ایک اور دور ہے جو ان کی زندگی کے تمام ادوار سے زیادہ حیرت انگیز ہے اور وہ دور ان کے ضرب کھانے سے وفات تک کا ہے۔ یہ وہ موقع ہے جب آپ موت سے دوچار ہیں۔ تاہم انسان کامل ہونے کا جو معیار ہے وہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ انسان کے کامل ہونے کا ایک معیار موت کے وقت اس کا ردعمل ہے۔ موت کا سامنا کرتے وقت حضرت امیرالمومنینؑ کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ جب آپؑ کے سر اقدس پر ضرب لگی تو آپؑ کی زبان مبارک سے دو جملے سنے گئے۔

ایک جملہ یہ تھا کہ آپؑ نے فرمایا: اس آدمی کو پکڑو اور دوسرا جملہ یہ تھا: "فُزْتُ وَرَبِّ

Marfat.com

الْکَعْبَۃِ" کعبہ کے پروردگار کی قسم! میں کامیاب ہوگیا، مجھے شہادت نصیب ہوگئی، شہادت میرے لئے کامیابی ہے۔ حضرت امیرالمومنینؑ کو لاکر بستر پر لٹادیا گیا۔

اسیّد بن عمرو نامی ایک طبیب تھا۔ اس نے جندی شاہپور اور عرب میں تعلیم پائی تھی اور کوفہ میں سکونت پذیر تھا۔ اسے امیرالمؤمنینؑ کے زخم کی مرہم پٹی کے لئے لایا گیا۔ اس نے اس زمانے میں میسر وسائل کی مدد سے زخم کا معائنہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ امیرالمؤمنینؑ کے خون میں زہر داخل ہوگیا ہے۔ اس نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: امیرالمؤمنینؑ اگر آپؑ نے کوئی وصیت کرنی ہو تو کردیں۔

جب ام کلثومؑ اس ازلی وابدی ملعون (عبدالرحمن ابن ملجم) کو نفرین کرنے گئیں اور اس سے کہا کہ میرے والد نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے ان کو زخمی کیا ہے۔ پھر بولیں کہ مجھے امید ہے کہ میرے والد صحت یاب ہوجائیں گے اور ذلت و رسوائی ہمیشہ تمہارا مقدر ہوگی تو اس نے کہا: آپ خاطر جمع رکھیں، میں نے یہ تلوار ہزار درہم یا دینار کے عوض خریدی ہے اور اسے زہر میں بجھانے پر ہزار درہم یا دینار خرچ کئے ہیں۔ میں نے اس تلوار کو ایسے زہر میں بجھایا ہے کہ فقط آپ کے والد کے سر پر ہی نہیں بلکہ اگر سب اہل کوفہ کو اکٹھا کر کے ان کے سروں پر بھی اس کا وار کیا جائے تو سب ہلاک ہوجائیں گے۔ آپ خوش فہمی میں نہ رہیں آپ کے والد بچ نہیں سکتے۔

اگرچہ حضرت امیرالمومنینؑ کے حیرت انگیز کارنامے بہت سے ہیں لیکن یہاں پر آپ کا انسانی اعجاز دیکھنے میں آتا ہے۔

آپ کے لئے کھانا لایا گیا لیکن آپ کھانا نہ کھاسکے۔ پھر آپ کے لئے دودھ لایا گیا آپ نے کچھ دودھ پیا اور وصیت کے طور پر فرمایا: اپنے اس قیدی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ اے بنو عبدالمطلب! ایسا نہ ہو کہ میری وفات کے بعد تم لوگوں سے الجھنے لگو اور یہ کہو کہ امیرالمؤمنینؑ کے ساتھ یہ زیادتی کی گئی ہے، فلاں شخص اس کا محرک تھا اور مختلف لوگوں کو الزام دینے لگو۔ نہیں، ایسی باتیں نہ کرنا۔ میرا قاتل ایک شخص ہے۔

پھر آپ نے امام حسنؑ سے فرمایا: بیٹے! اس شخص نے تمہارے باپ پر ایک وار کیا

Marfat.com

ہے، دونہیں۔ میرے بعد تمہیں اختیار حاصل ہوگا، اگر چاہو تو اسے آزاد کردو اور اگر چاہو تو قصاص لو۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس نے تمہارے باپ پر ایک وار کیا ہے، تم بھی اس پر فقط ایک وار کرنا، اگر وہ مارا گیا تو مارا گیا ورنہ نہ سہی۔

پھر آپ نے اپنے قیدی کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا اسے کھانا دیا گیا ہے اور کیا اس کا خیال رکھا گیا ہے؟ یہ تھا دشمن کے ساتھ آپ کا حسن سلوک۔ یہ حضرت امیرالمومنینؑ کی مردانگی اور انسانیت ہے۔

آپ بستر پر پڑے ہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے آپ کی حالت بگڑتی جاتی ہے اور آپ کے مقدس بدن پر زہر کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔

لیکن جب آپ کے اصحاب آتے ہیں تو آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور تازگی ہوتی ہے اور آپ فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ مَافَجَانِیْ مِنَ الْمَوْتِ وَارِدٌ کَرِهْتُهٗ ، وَلَا طَالِعٌ اَنْکَرْتُهٗ وَمَا کُنْتُ کَقَارِبٍ وَرَدَ، وَطَالِبٍ وَجَدَ، وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ۔"

"خدا کی قسم! جو کچھ مجھ پر بیتی ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو مجھے ناپسند ہو۔ خدا کی راہ میں یہ موت اور شہادت ایک ایسی چیز ہے جس کی مجھے ہمیشہ آرزو رہی ہے اور کتنی اچھی بات ہے کہ یہ سعادت حالت عبادت میں حاصل ہو۔" (نہج البلاغہ صبحی صالح کلام ۲۳ ص ۳۷۸)

اسکے بعد حضرت امیرالمومنینؑ نے ایک مثال دی جس سے عرب بخوبی آشنا رہے ہیں۔ جو عرب بیابانوں میں رہتے تھے وہ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں کہیں پانی اور سبزہ ہوتا تھا وہیں خیمے گاڑ دیتے تھے اور جب یہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو دوسری جگہ چلے جاتے تھے۔ گرمی کے موسم میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے کیلئے جہاں پانی دستیاب ہو راتوں کو سفر کیا کرتے تھے۔

حضرت امیرالمومنینؑ اس کلام میں اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں: میری مثال اس عاشق کی ہے جو اپنے معشوق تک پہنچ گیا ہو۔ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیری رات میں پانی تلاش کررہا ہو اور جب اچانک اسے پانی مل جائے تو اسے کتنی خوشی ہوتی ہے۔

حافظ نے کیا خوب کہا ہے:

کتنی مبارک تھی وہ سحر اور کتنی مبارک تھی وہ رات، وہ شب قدر جب مجھے برأت کا یہ

Marfat.com

نیا پروانہ عطا کیا گیا۔

پچھلی رات سحر کے وقت مجھے غم سے نجات دی گئی اور رات کے اس اندھیرے میں آب حیات دیا گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاعر "فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ" کہہ رہا ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ کی زندگی کے آخری لمحوں میں سب ہی آپ کے بستر کے گرد جمع تھے۔ آپ کے جسم مبارک میں زہر کا اثر بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ بعض اوقات آپ پر غشی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ لیکن جونہی ہوش آتا آپ نصیحت کرنے لگتے تھے۔ کتاب تحف العقول کے صفحہ ۱۳۵ پر آپ کا آخری وعظ جوش و ولولہ سے بھرپور ہے اور بیں فقروں پر مشتمل ہے۔ آپ نے پہلے امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو اور پھر اپنے تمام فرزندوں کو اور پھر ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا ہے جو قیامت تک آپ کی آواز سنیں گے اور آپ کا کلام پڑھیں گے ؎

قرآن کی زبان نہ کھلتی زمین پر ہوتا نہ تو، تو سان نہ چڑھتی یقین پر

(انسان کامل)

امیرالمؤمنینؑ کی بددعا

حضرت امیرالمومنینؑ کی حیات مبارکہ کا آخری رمضان گزشتہ رمضانوں سے مختلف تھا۔ اس میں وہ ایک خاص پاکیزگی اور مسرت محسوس کررہے تھے۔ لیکن ان کے خاندان کے افراد اس ماہ رمضان کے پہلے دن سے ہی تشویش و اضطراب میں مبتلا تھے کیونکہ اس ماہ رمضان میں آپ کا طرز عمل گزشتہ رمضان کے مہینوں سے مختلف تھا۔ امامؑ نے جو جلیل القدر خدمات انجام دیں بطور نمونہ ہم ان میں سے ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

جب آیۂ شریفہ الٓمّٓO اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ

Marfat.com

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِیْنَ ''الم۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ اور جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا اور ان کو بھی آزمائیں گے۔ غرض خدا ان کو جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں یقیناً علیحدہ دیکھے گا اور جھوٹوں کو بھی یقیناً علیحدہ دیکھے گا۔'' (سورۂ عنکبوت آیت ا و ۲) نازل ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ رسول اکرمؐ کے بعد اس امت کو بڑے بڑے فتنے درپیش ہوں گی۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اس آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''یَاعَلِیُّ اِنَّ اُمَّتِیْ سَیُفْتَنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ.'' میرے بعد میری امت آزمائی جائے گی اور اس کا امتحان لیا جائے گا۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح ص ۲۲۰)

پھر حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جو لوگ احد میں شہید ہوئے ان کی تعداد ستر تھی اور ان کے سردار حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ وہ لوگ میدان احد کے شہداء تھے لیکن میں اس فیض سے محروم رہا اور شہادت حاصل نہ کر سکا جس کا مجھے قلق ہے کہ میں یہ سعادت کیوں حاصل نہ کر سکا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: تم یہاں شہید نہیں ہوئے لیکن شہادت تمہارا مقدر ہے۔

یہ چیز قابل غور ہے کہ جنگ احد میں آپ ۲۵ سال کے جوان ہیں۔ آپ کی نئی نئی شادی ہوئی ہے اور ایک بیٹے (یعنی امام حسن مجتبیٰؑ) کے سوا آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ ایک جوان جوڑے کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ترقی کرے لیکن علی علیہ السلام کو دیکھیے کہ ان کی سب سے بڑی خواہش شہادت ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم شہید ہو گے۔ پھر فرمایا: ''کَیْفَ صَبْرُکَ.'' شہادت کے وقت تم کیسے صبر کرو گے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: ''یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَیْسَ هٰذَا مِنْ مَوَاطِنِ الصَّبْرِ بَلْ مِنْ مَوَاطِنِ الشُّکْرِ.'' یعنی آپؐ یہ نہ فرمائیں کہ تم صبر کیسے کرو گے بلکہ یہ فرمائیں کہ تم شکر کیسے کرو گے؟ یہ صبر کا نہیں بلکہ شکر کا مقام ہے۔ آخر رمضان میں پاکیزگی اور طہارت کی ایک

Marfat.com

خاص کیفیت حضرت علیؑ پر طاری ہوگئی تھی۔ یہی بات اہل بصیرت کے لئے تشویش کا باعث تھی۔ جو خبریں رسول اکرمؐ نے دی تھیں اور جو علامتیں خود حضرت علیؑ جانتے تھے اور بعض اوقات ان کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے ان کی بنا پر آپ کے اہلبیت اور قریبی اصحاب میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ آپ کی گفتگو عجیب رنگ اختیار کرگئی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری رمضان میں ہر رات کسی نہ کسی جگہ مہمان ہوتے تھے لیکن بہت کم کھانا تناول فرماتے تھے۔ بچوں کا دل باپ کی یہ حالت دیکھ کر کڑھتا تھا اور وہ پوچھتے تھے: اباجان! آپ اتنا کم کھانا کیوں کھاتے ہیں؟

آپ جواب دیتے تھے: میں اپنے خالق سے اس حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ میرا پیٹ بھوکا ہو۔

حضرت امیرالمومنینؑ کو ایک انتظار تھا، قربت کا انتظار۔ کبھی وہ آسمان کی جانب نگاہ کرتے اور فرماتے: میرے حبیب رسول خداؐ نے مجھے جو خبر دی ہے وہ صحیح ہے۔ ان کی بات جھوٹی نہیں ہے۔ نزدیک ہے، نزدیک ہے۔

جب رمضان المبارک کی انیسویں رات آئی تو حضرت امیرالمومنینؑ کے بچے آپ کے پاس آئے اور رات کا کچھ حصہ گزرنے تک آپ کی خدمت میں موجود رہے۔ پھر امام حسنؑ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے عبادت کیلئے ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ عموماً آپ راتوں کو جب اپنے ذاتی اور اجتماعی امور سے فارغ ہو جاتے تو عبادت کے حجرے میں تشریف لے جاتے اور خلوت میں پروردگار عالم سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔ ابھی صبح طلوع نہیں ہوئی تھی کہ امام حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے پاس آئے اور سیدھے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ امیرالمؤمنینؑ اپنے ان بچوں کا جو حضرت زہرا مرضیہؑ کے بطن مطہر (....نُوْرٌفِی الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ) سے تھے خاص احترام کرتے تھے اور اسی طرح سے حضرت زہراؑ اور رسول اکرمؐ کا خاص احترام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا: پیارے بیٹے! "مَلَکَتْنِیْ وَاَنَا جَالِسٌ. فَسَنَحَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا لَقِیْتُ مِنْ اُمَّتِکَ مِنَ الْاَوَدِ وَاللَّدَدِ. فَقَالَ: اُدْعُ عَلَیْهِمْ فَقُلْتُ: اَبْدَلَنِیَ اللّٰهُ بِهِمْ خَیْرًا مِّنْهُمْ. وَاَبْدَلَهُمْ بِیْ شَرًّا لَّهُمْ مِنِّیْ." (نہج البلاغہ صبحی صالح ص۹۹)

"پچھلی رات بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے تمہارے نانا کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ کی امت کے ہاتھوں میں نے کتنے صدمے اٹھائے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! ان لوگوں کے حق میں بددعا کرو۔

میں نے خواب میں ان لوگوں کے حق میں یوں بددعا کی: "اَبْدَلَنِیَ اللّٰہُ بِھِمْ خَیْرًا مِّنْھُمْ وَاَبْدَلَھُمْ بِیْ شَرًّا لَّھُمْ مِنِّیْ." یعنی خدا مجھے جلد از جلد موت دے اور ان لوگوں پر ایسا حاکم مسلط کر جس کے یہ مستحق ہیں۔"

ظاہر ہے کہ اس جملے سے کتنی تشویش پیدا ہوئی ہوگی۔ باہر مرغابیوں نے چیخنا شروع کردیا تو آپ نے فرمایا: "دَعُوْھُنَّ فَاِنَّھُنَّ صَوَائِحُ تَتْبَعُھَا نَوَائِحُ." یعنی اس وقت مرغابیاں چیخ رہی ہیں لیکن زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ یہیں انسانوں کے شور وشین کی آوازیں بلند ہوں گی۔ (منتہی الآمال صفحہ ۱۷۲ مولفہ حاج شیخ عباس قمی)

بچے آکر امیرالمؤمنینؑ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: اباجان! ہم آپ کو مسجد میں نہیں جانے دیں گے۔ آپ کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیں۔

پہلے آپ نے فرمایا کہ میرے بھانجے جعدہ بن جبیرہ سے کہو کہ وہ جا کر لوگوں کو نماز پڑھائے۔ لیکن پھر خود ہی اس ہدایت کو منسوخ کردیا اور فرمایا کہ نہیں میں خود جاؤں گا۔ عرض کیا گیا کہ آپ اجازت دیں کہ کوئی شخص آپ کے ہمراہ جائے لیکن آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ یہ رات آپ کے لئے مسرت کی رات تھی، یہ آپ کے مقصد کی تعبیر تھی کیونکہ آپ نے فرمایا: "وَمَا كُنْتُ اِلَّا كَقَارِبٍ وَرَدَ وَطَالِبٍ وَجَدَ." (نہج البلاغہ صفحہ ۳۷۹ صبحی صالح)

بعد میں جب آپ بستر پر استراحت فرما رہے تھے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے: خدا کی قسم! یہ ضرب جو میرے سر پر لگی ہے اس کے بارے میں میری مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک عاشق اپنے معشوق کے پاس پہنچ گیا ہو یا ایسے شخص کی جو اندھیری رات میں پانی کا متلاشی ہو تاکہ اپنے خیمے اکھاڑ کر وہاں چلا جائے اور اس اندھیرے میں اسے پانی کا کنواں مل جائے تو اسے کتنی خوشی ہوتی ہے؟

حافظ کہتے ہیں: کتنی مبارک تھی وہ سحر اور کتنی مبارک تھی وہ رات، وہ شب قدر جب

مجھے برأت کا یہ نیا پروانہ عطا کیا گیا۔

پچھلی رات سحر کے وقت مجھے غم سے نجات دی گئی اور رات کے اس اندھیرے میں آب حیات دیا گیا۔

آپ نے فرمایا کہ میں خود مسجد جاؤں گا۔ خدا خوب جانتا ہے کہ آپ کے اندر کیسا ہیجان برپا تھا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ صرف اجمالی طور پر جانتے تھے کہ آپ کو ایک بہت بڑا حادثہ پیش آئے گا۔

نہج البلاغہ میں یہ لکھا ہے:

"مَازِلْتَ اَفْحَصُ عَنْ مَكْنُوْنِ هٰذَا الْاَمْرِ وَاَبَى اللّٰهُ اِلَّا اِخْفَائَهُ."

یعنی میں نے بہت کوشش کی کہ اس ہیجان کی حقیقت کا پتا چلاؤں، لیکن خدا نے منع کیا کہ اس راز کو پوشیدہ رکھو۔

آپ مسجد تشریف لے گئے۔ صبح کی اذان آپ خود دیا کرتے تھے۔ اذان صبح کا وقت نزدیک تھا۔ آپ گل دستۂ اذان پر گئے اور تکبیر بلند کی۔ اذان سے فارغ ہونے کے بعد طلوع صبح کو خدا حافظ کہا اور فرمایا: اے صبح! اے فجر! جب سے علیؑ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی ہے کیا کوئی دن ایسا بھی گزرا ہے کہ تو طلوع ہوئی ہو اور علیؑ کی آنکھیں سو رہی ہوں۔ یعنی اے طلوع صبح آئندہ علیؑ کی آنکھ ہمیشہ کے لئے سوجائے گی۔ اذان کے چبوترے سے اترتے ہوئے فرمایا:

خَلُّوْا سَبِيْلَ الْمُؤْمِنِ الْمُجَاهِدِ

فِيْ اللّٰهِ لَا يَعْبُدُ غَيْرَ الْوَاحِدِ

وَيُوْقِظِ النَّاسَ اِلَى الْمَسَاجِدِ

(دیوان علیؑ)

مومن مجاہد کو راستہ دو۔ پھر ایک مومن مجاہد کے طور پر اپنا تعارف کراتے ہیں۔ وہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ اُس وقت اور لوگ بھی مسجدوں کی طرف آرہے ہیں۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرما چکے تھے: عنقریب بطنوں کی ان فریادوں کے بعد لوگوں کے

Marfat.com

بین بلند ہوں گے۔ یہی وہ وقت تھا کہ زمین و زماں لرزاں تھے، فرشتے مضطرب اور لوگ گریاں تھے اور علی اپنے خون میں غلطاں تھے، اسی وقت کوفے کی فضاؤں میں ایک آواز گونجی جس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

لوگوں نے سنا کہ منادی کہہ رہا تھا:

" تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى وَانْطَمَسَتْ اَعْلَامُ التُّقٰى وَانْقَصَمَتْ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى . قَتَلَ بْنَ عَمِّ الْمُصْطَفٰى . قَتَلَ الْوَصِيُّ الْمُجْتَبٰى . قَتَلَ عَلِيُّ نِ الْمُرْتَضٰى قُتِلَ قَتَلَهٗ اَشْقَى الْاَشْقِيَاءِ. " یعنی خدا کی قسم! منارہ ہدایت گر پڑا اور تقویٰ کی نشانی مٹ گئی، دین کی مضبوط رسی ٹوٹ گئی، رسول پاکؐ کے ابن عم قتل کردیے گئے، رسول مجتبیٰؐ کے جانشین قتل کردیے گئے، علی مرتضیٰؑ قتل کردیے گئے۔ اولین و آخرین کے بدبختوں میں سے بدبخت ترین شخص نے انہیں قتل کردیا۔

در کعبہ شد پدید و بہ محراب شد شہید
نازم بہ حسن مطلع و حسن ختام تو

(انسان کامل)

خود اعتمادی

فلاسفہ اور حکماء کے ہاں "استبناع" نامی ایک اصطلاح ہے جس کا فارسی میں ترجمہ "شیرگیر" کیا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب بعض چھوٹے جانور بڑے درندوں کے سامنے ہوتے ہیں، مثلاً جب خرگوش شیر کے سامنے آتا ہے تو اس میں استبناع کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا بھاگ کھڑے ہونے کا ارادہ سلب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی قوت ارادی کھو بیٹھتے ہیں اور وہ گویا ہپناٹائز ہوجاتے ہیں۔ استبناع کی ضد اپنے اندر اعتماد پیدا کرنا ہے۔

Marfat.com

آپ اس صحابی کی داستان پڑھ چکے ہیں جو شدید تنگدستی کے عالم میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ آپ سے مدد کی درخواست کریں۔ اس وقت آنحضرتؐ ایک مجلس میں مصروف گفتگو تھے۔ گفتگو کے دوران ہی آپؐ نے اشارتاً ان صحابی کو ان کی صلاحیت، امکانات اور استعداد کا احساس دلایا اور انہیں محنت اور کوشش پر آمادہ کیا۔ انسانی معاشروں کی صورتحال بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ بعض اوقات ایک قوم دوسری قوم کی دولت سے مرعوب ہو کر حالت استسباع میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں ہماری قوم کی بھی یہی حالت تھی۔ جس قوم کو استسباع اپنی گرفت میں لے لے وہ اپنی تمام خوبیاں بھلا بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ اغیار کی غلامی کرنے اور اپنے وسائل ان کے حوالے کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ لیکن بعض قومیں اپنے آپ پر اعتماد حاصل کر لیتی ہیں اور قوموں کی کامیابیوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ہماری ملت کی پر جوش جدوجہد اس چیز کا بڑا عمدہ ثبوت ہے۔ ہماری ملت نے امام خمینیؒ کی ہمت اور فراست کی بدولت اپنے آپ پر ایمان اور اعتماد دوبارہ حاصل کر لیا ہے اور یہی امر اس کی فتح اور کامیابی کا ضمانت بن گیا ہے۔ (پیرامون انقلاب اسلامی)

ہمسفر کا حق

حضرت امیر المومنینؑ اپنی خلافت کے زمانے میں ایک دن کوفہ سے کسی کام کے سلسلے میں باہر گئے۔ آپ محافظوں کا دستہ کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ اس روز بھی معمول کے مطابق آپ کسی تکلف (پروٹوکول) کے بغیر اکیلے تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس تشریف لا رہے تھے تو اثنائے راہ میں آپ کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو یہودی، عیسائی یا زرتشتی تھا۔ وہ حضرت امیر المومنینؑ کو نہیں پہچانتا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی منزل مقصود کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا کافی راستہ مشترک ہے۔ انہوں نے طے کیا کہ

Marfat.com

دونوں مل کر سفر کریں گے۔ وہ باتیں کرتے ہوئے چلتے رہے حتیٰ کہ ایک دوراہے پر پہنچے جہاں سے اس اہل کتاب شخص کا راستہ جدا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنے راستے پر ہولیا لیکن حضرت امیرالمومنینؑ بھی کوفہ جانے والی شاہراہ چھوڑ کر اس کے ساتھ چلنے لگے۔

اس شخص نے آپ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کو کوفہ جانا ہے؟

حضرت امیرالمومنینؑ نے جواب دیا: ہاں۔

اس شخص نے کہا: پھر آپ اس راستے پر کیوں نہیں جاتے؟

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ہمارے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جب دو مسافر سفر کرتے ہیں اور باہم گفتگو کرتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے پر ایک ''حق'' حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا چونکہ میں اس سفر میں آپ کا ہم سفر رہا ہوں اس لئے آپ کو مجھ پر ''حق'' حاصل ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس حق کی ادائیگی کی خاطر کچھ دور تک آپ کے ساتھ چلوں۔

وہ شخص گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا: اسلام کے اتنی تیزی سے پھیلنے کی وجہ آپ کے پیغمبرؐ کے عظیم اخلاق ہیں۔

اس وقت وہ شخص حضرت امیرالمومنینؑ کو نہیں جانتا تھا۔ بعد میں ایک دن وہ کوفہ آیا اور امیرالمؤمنین علیہ السلام کو مسند خلافت پر جلوہ افروز دیکھا تب اسے پتا چلا کہ اس دن اس کے ہمسفر خلیفۂ وقت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور آپ کے اصحاب میں شامل ہو گیا۔ (بیست گفتار)

خیالی مریض

مولانا رومؔ نے ایک ایسے استاد کی داستان بیان کی ہے جس کے بہت سے شاگرد تھے۔ یہ استاد بہت بدمزاج تھا اور بچوں کو اکثر مارتا پیٹتا تھا۔ بچوں کی دلی خواہش تھی کہ ایک روز کے لئے ہی سہی اس استاد کی مار سے نجات حاصل کریں۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک

منصوبہ بنایا۔

دوسرے روز جب وہ مدرسے پہنچے تو ایک بچے نے استاد کو سلام کیا اور کہا: جناب! خدانخواستہ آج آپ کچھ بیمار معلوم ہوتے ہیں۔

استاد نے جواب دیا: نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں، تم جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھو۔

وہ بچہ چلا گیا تو دوسرا آیا اور کہنے لگا: استادِ گرامی! آج آپ کے چہرے کا رنگ کچھ اُڑا اُڑا سا ہے۔ خدانخواستہ آپ کی طبیعت ناساز تو نہیں؟

اس دفعہ استاد کو دھچکا سا لگا اور اس نے قدرے نرمی سے کہا: جاؤ! اپنی جگہ پر بیٹھو۔

پھر تیسرا بچہ آیا اور اس نے بھی وہی بات دہرائی۔ استاد کی آواز اور نرم ہوگئی اور اسے شک گزرا کہ شاید میں بیمار ہوں۔ رفتہ رفتہ چوتھا، پانچواں اور چھٹا غرضیکہ جو بچہ بھی آیا اس نے وہی بات کہی یہاں تک کہ استاد کو غلط فہمی ہوگئی اور اس نے کہا: ہاں! آج میری طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوتی ہے۔

جب بچوں نے اس سے منوالیا کہ وہ بیمار ہے تو کہنے لگے: ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم آپ کے لئے شوربہ تیار کریں اور آپ کی تیمارداری کریں۔

رفتہ رفتہ استاد واقعی بیمار ہوگیا اور جا کر چارپائی پر لیٹ گیا اور ہائے وائے کرنے لگا۔ پھر اس نے بچوں سے کہا: تم لوگ چھٹی کرو اور اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میں تمہیں پڑھا نہیں سکوں گا۔ بچے تو یہی کچھ چاہتے تھے۔ سب مدرسے سے چلے گئے اور کھیل کود میں مصروف ہوگئے۔ (تعلیم و تربیت اسلامی ص ۲۸۔۲۹)

نہج البلاغہ سے میری واقفیت

ممکن ہے کہ آپ کو یہ صورت حال پیش آئی ہو اور اگر پیش نہیں آئی تب بھی جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں آپ اپنے ذہن میں اس کا تصور کر سکتے ہیں۔

فرض کریں سالہا سال سے آپ ایک شخص کے ساتھ ایک ہی محلے میں رہ رہے ہیں۔ دن میں کم از کم ایک مرتبہ اسے دیکھتے ہیں اور رسمی سلام دعا کے بعد گزر جاتے ہیں۔ اسی طرح کئی دن، مہینے اور سال گزر جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اتفاقاً چند بار آپ کی اس کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے اور اب آپ اس کے خیالات، احساسات اور میلانات سے واقف ہو جاتے ہیں۔ آپ تعجب کرتے ہیں کہ وہ شخص درحقیقت جیسا ہے اس کا اندازہ آپ کو پہلے کبھی نہیں تھا۔

اس کے بعد اس کی شخصیت آپ کی نگاہوں میں بدل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے خدوخال بھی مختلف نظر آنے لگتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کی شخصیت کے لئے ایک نیا تصور اور ایک نیا احترام پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات کے پردے کے پیچھے سے اس کی شخصیت جلوہ دکھانے لگتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ شخص اس شخص سے مختلف ہے جسے آپ سالہا سال سے دیکھتے رہے ہیں۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے ایک نئی دنیا دریافت کر لی ہے۔

نہج البلاغہ سے میری ملاقات ایک ایسی ہی ملاقات تھی۔ میں لڑکپن سے نہج البلاغہ کے نام سے آشنا تھا اور میں نے اسے اپنے مرحوم والد اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد میں کئی سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔ میں نے عربی کی ابتدائی تعلیم حوزۂ علمیہ مشہد میں اور اس کے بعد حوزۂ عملیہ قم میں مکمل کر لی تھی۔ جن دروس کو اصطلاحاً سطوح کہا جاتا ہے وہ ختم ہونے والے تھے۔ میں نے اس تمام مدت میں قرآن مجید کے بعد نہج البلاغہ کا نام ہر کتاب سے زیادہ سنا تھا۔ میں نے اہل منبر سے زہد کی فضیلت کے بارے میں چند خطبات اتنی مرتبہ سنے تھے کہ وہ مجھے تقریباً ازبر ہو گئے تھے۔ لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمام طلبہ اور اپنے ساتھیوں کی طرح میں بھی نہج البلاغہ کی دنیا سے بیگانہ تھا۔ میں اس سے بیگانہ وار ملاقات کرتا اور بیگانوں جیسا سلوک روا رکھتا تھا۔

قم میں پانچ سال گزارنے کے بعد میں ۱۳۲۰ھ کے موسم گرما میں قم کی گرمی سے بچنے کے لئے گرمیوں کی تعطیلات میں اصفہان چلا گیا۔ وہاں اتفاق سے میری ملاقات ایک صاحب سے ہوگئی جو نہج البلاغہ سے آشنا تھے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کسی حد تک نہج البلاغہ سے متعارف کرا دیا۔ اس وقت میں نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ میں اس کتاب کو

Marfat.com

نہیں پہچانتا تھا۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ آرزو بار بار پیدا ہوئی کہ کاش کوئی ایسا آدمی مل جائے جو مجھے قرآن مجید کی دنیا سے بھی روشناس کرادے۔

اب نہج البلاغہ کا چہرہ میری نگاہوں میں بدل گیا تھا اور مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کہ یہ اس کتاب سے کوئی مختلف کتاب ہے جسے میں لڑکپن سے دیکھتا چلا آیا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ میں نے ایک نئی دنیا دریافت کرلی ہے۔
(سیری در نہج البلاغہ ص ۷ تا ۹)

طالب دیدار

جنگ تبوک اس وقت ہوئی تھی جب مسلمان انتہائی کٹھن حالات سے گزر رہے تھے۔ اس وقت مدینہ میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ لوگ انتہائی عسرت میں گزر بسر کررہے تھے۔ کھجور کی فصل پک چکی تھی اور اہل مدینہ قحط سے چھٹکارا پانے کا انتظار کررہے تھے۔ ان حالات میں اسلامی سلطنت کو شمال یعنی روم کی جانب سے خطرہ لاحق ہوگیا۔

رسول اکرمؐ نے مصلحت اس چیز میں دیکھی کہ روم کی سرحد کی طرف لشکر کشی کی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے عام لام بندی کا اعلان کردیا۔ منافقین نے اس کام میں روڑے اٹکانے کی بہت کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ان حالات میں بھی آنحضرتؐ نے تیس ہزار افراد کا ایک لشکر تیار کرلیا۔ لشکر کو شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ اس بناپر اس لشکر کو "جَیْشُ الْعُسْرَة" کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس ناکافی سواریاں تھیں۔ ہر تین چار افراد کے پاس سواری کا ایک جانور تھا۔ ان کے پاس کھانے پینے کے سامان کی اتنی کمی تھی کہ بعض اوقات وہ ایک کھجور پر گزارا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ایک آدمی کھجور کا ایک ٹکڑا چباتا تھا اور باقی دوسرے کو دے دیتا تھا۔ لیکن چونکہ رسول اکرمؐ نے حکم دیا تھا اس لئے سب ان کے پیچھے روانہ ہوگئے۔

Marfat.com

Nasim Adeeb

ابوذر غفاریؓ کے پاس ایک کمزور اونٹ تھا۔ وہ اس اونٹ کو جتنا بھی تیز چلانے کی کوشش کرتے لیکن لشکر کا ساتھ نہیں دے پاتے تھے۔ اس سے پہلے تین آدمی لشکر کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

رسول اکرمؐ کو بتایا گیا کہ فلاں آدمی ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اس شخص میں کوئی بھلائی ہے تو خدا اسے ہم تک پہنچا دے گا اور اگر اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے تو ایسے کمزور شخص کا ہمارے درمیان نہ ہونا بہتر ہے۔

دوسرا آدمی چلا گیا اور پھر تیسرا آدمی چلا گیا اور رسول اکرمؐ نے ان کے بارے میں بھی وہی کلمات دہرائے۔ پھر کہا گیا کہ یا رسول اللہؐ! ابوذرؓ نے بھی لشکر کو چھوڑ دیا۔ آنحضرتؐ نے پھر بھی وہی جملہ ارشاد فرمایا۔

لیکن ابوذرؓ نے لشکر کو چھوڑا نہیں تھا۔ ان کا اونٹ چلنے سے معذور ہو گیا تھا۔ ابوذرؓ اونٹ پر سے اتر آئے اور اپنا سامان کندھے پر لاد کر دھوپ میں پیدل چلنے لگے۔ تبوک جانے والے پتھریلے راستے پر چلتے چلتے وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں کچھ دن پہلے ہونے والی بارش کا پانی پتھروں کے درمیان جمع ہو گیا تھا۔ پانی نسبتاً ٹھنڈا تھا۔ ابوذرؓ کے پاس ایک مشک تھی۔ انہوں نے وہ ٹھنڈا پانی مشک میں بھرا اور چل کھڑے ہوئے۔ لشکر ایک مقام پر ٹھہرا ہوا تھا کہ اچانک لوگوں کی نگاہ ایک ہیولے پر پڑی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! ایک ہیولا دور سے نظر آ رہا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ ضرور ابوذرؓ ہوں گے۔

ہیولا رفتہ رفتہ نزدیک ہوتا گیا۔ یہ واقعی ابوذرؓ تھے لیکن گرمی، بھوک اور تھکن نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ ان کا چہرہ سیاہ اور ہونٹ لکڑی کی مانند خشک ہو رہے تھے۔ رسول اکرمؐ نے ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ پیاس انہیں مارے ڈالتی ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ انہیں فوراً پانی پلایا جائے۔

انہوں نے نحیف آواز کے ساتھ کہا: پانی میرے پاس ہے۔

پوچھا گیا کہ پھر آپ نے پانی کیوں نہیں پیا؟

Marfat.com

انہوں نے جواب دیا: پانی ٹھنڈا تھا۔ پہلے میں نے پینا چاہا لیکن پھر سوچا کہ پہلے میرے حبیبؐ، اللہ کے رسولؐ پی لیں پھر میں پیوں گا۔

ان تین آدمیوں کی واپسی کی داستان بھی بڑی عجیب ہے۔ مسلمان بغیر لڑے واپس آ گئے۔ لوگ منتظر تھے کہ دیکھیں رسول اکرمؐ ان بھگوڑوں کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟

چنانچہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہؐ! ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

آپؐ نے فرمایا: ان کے ساتھ میل جول ترک کردو اور ان سے کوئی بات نہ کرو۔

جونہی مسلمان مدینہ پہنچے یہ تینوں اشخاص آگے بڑھے اور کہنے لگے: السلام علیکم۔ مسلمانوں نے کوئی توجہ نہ دی۔

انہوں نے پوچھا: آپ لوگوں کا کیا حال ہے؟

پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جس کسی سے بھی بات کرتے کوئی جواب نہ ملتا۔ پھر جب وہ تینوں اپنے گھروں کو گئے اور ان کے بیوی بچوں کو بھی پتا چل گیا کہ رسول اکرمؐ نے ان کے ساتھ موجودہ دور کی اصطلاح میں بائیکاٹ کردیا ہے تو اس وقت سے ان کے بیوی بچوں نے بھی ان کے ساتھ بول چال بند کردی۔ وہ اپنی بیویوں سے بات کرتے لیکن وہ کوئی جواب نہ دیتیں۔ وہ اپنے بچوں سے بات کرتے تو وہ بھی جواب نہ دیتے۔ یہ تینوں اشخاص یوں تنہا رہ گئے کہ شہر کا ایک آدمی بھی ان سے بات کرنے کو تیار نہ تھا۔ ان کی بیویاں کھانا پکاتیں اور ان کے سامنے لاکر رکھ دیتیں لیکن ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالتیں۔ یہاں تک کہ وہ خود سمجھ گئے کہ چونکہ وہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں اس لئے انہیں چاہئے کہ سچے دل سے توبہ کریں۔ یہاں تک کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے اور اپنے پیغمبرؐ کو اس بارے میں مطلع فرمائے اور آنحضرتؐ کے ذریعے لوگ بھی جان لیں کہ ان کی توبہ قبول کرلی گئی ہے۔ لہذا انہوں نے سوچا کہ ہمیں اوپر سے شروع کرنا چاہئے۔ ہم گناہگار ہیں اور ہمیں چاہئے کہ خدا کو راضی کریں۔

چنانچہ وہ پہاڑوں پر چلے گئے اور کئی دن تک توبہ و استغفار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خداوند کریم نے ان کی توبہ قبول کرلی۔

Marfat.com

اسلامی عدل

عمرو بن العاص کو حضرت عمر کی جانب سے حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ ایک روز عمرو بن العاص کے بیٹے نے ایک آدمی کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اس آدمی نے عمرو بن العاص سے اس بات کی شکایت کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ وہ غیور آدمی مدینہ پہنچ کر حضرت عمر سے ملا اور سارا ماجرا ان کے گوش گزار کیا۔ حضرت عمر نے عمرو بن العاص اور اس کے بیٹے کو طلب کیا اور ان پر مقدمہ چلایا۔ اس مقدمے کے سلسلے میں حضرت عمر سے ایک تاریخی جملہ نقل ہوا ہے۔

عمرو بن العاص اور اس کے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "مَتٰی اِسۡتَعۡبَدۡتُمُ النَّاسَ وَقَدۡ وَلَدَتۡهُمۡ اُمَّهَاتُهُمۡ اَحۡرَارًا۔" تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا ہے جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے۔

پھر انہوں نے قصاص کا حکم صادر کیا۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس نے شراب پی ہے تو انہوں نے اس پر شرعی حد جاری کی۔

یہ وہ عدل تھا جو رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کو سکھایا تھا اور مسلمانوں نے اسے ابھی تک فراموش نہیں کیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک پہیہ تھا جسے رسول اکرمؐ حرکت میں لائے تھے اور جو کافی مدت تک کم و بیش اسی شکل میں گھومتا رہا۔ (عدل الٰہی ص ۲۶۳-۲۶۴)

مسجد بہلول

کہتے ہیں کہ ایک مسجد تعمیر کی جارہی تھی۔ بہلول وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں۔ بہلول نے پوچھا: کس لئے؟ لوگوں نے جواب دیا: کس لئے کا کیا سوال ہے؟ ہم یہ مسجد خدا کی رضا جوئی کے لئے بنا رہے ہیں۔

Marfat.com

بہلول نے سوچا کہ مسجد بنانے والوں کو اخلاص عمل کی حقیقت سمجھائیں۔ چنانچہ انہوں نے راتوں رات ایک پتھر پر ''مسجد بہلول'' لکھوایا اور اسے مسجد کے دروازے پر نصب کردیا۔

دوسرے روز جب مسجد بنانے والے آئے اور انہوں نے مسجد کے دروازے پر ''مسجد بہلول'' لکھا دیکھا تو وہ بے حد خفا ہوئے۔ انہوں نے بہلول کو ڈھونڈ نکالا اور اس بنا پر اسے مارا پیٹا کہ دوسروں نے جو زحمت اٹھائی ہے اسے تم اپنے نام سے کیوں منسوب کرتے ہو؟

بہلول نے کہا: کیا تم نے خود مجھے نہیں بتایا تھا کہ یہ مسجد تم خدا کی خاطر بنا رہے ہو۔ بالفرض اگر لوگ اشتباہ کا شکار بھی ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ یہ مسجد میں نے تعمیر کی ہے تب بھی خدا تو اشتباہ کا شکار نہیں ہوگا۔

ممکن ہے کہ بہت سے بڑے بڑے کام جو ہماری نگاہ میں بڑے ہیں خدا کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہ ہو۔ شاید بہت سی عظیم عمارتوں مثلاً عبادت گاہوں، زیارت گاہوں، ہسپتالوں، پلوں، سراؤں اور مدرسوں کی کیفیت ایسی ہی ہو۔ خداوند تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ (عدل الٰہی ص۱۳۲)

دفتر عمل کی فکر

کچھ لوگ جو آیت اللہ العظمیٰ آقای بروجردی رضوان اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں اپنی وفات سے چند روز قبل بہت بے چین دیکھا۔ وہ فرماتے تھے: ہماری زندگی کا سفر ختم ہونے کو ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے لیکن ہم سفر آخرت کے لئے کوئی زادراہ مہیا نہ کرسکے اور کوئی نیک عمل انجام نہ دے سکے۔

ایک شخص نے جو ہمیشہ بڑے لوگوں کی چاپلوسی میں لگا رہتا تھا اسے بھی خوشامد کرنے کا موقع جان کر کہا:

آقا! آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ ہم لوگ ایسی بات کریں تو ٹھیک ہے لیکن آپ

Marfat.com

کیوں کہیں؟ بحمد للہ آپ اپنے پیچھے خیر کی بہت سی علامات چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ آپ نے ایک بڑی عالی شان مسجد نیز کئی مدرسے بنوائے ہیں۔

جب اس شخص نے یہ باتیں کہیں تو آقای بروجردی نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جو ایک حدیث ہے: "خَلِّصِ الْعَمَلَ فَإِنَّ النَّاقِدَ بَصِيْرٌ بَصِيْرٌ." عمل کو خلوص نیت سے انجام دینا چاہئے سب کچھ جاننے والا نقاد تو وہاں ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ چیزیں جو لوگوں کی سوچ کے مطابق اس شکل میں ہیں بارگاہ الٰہی میں بھی یقیناً اسی طرح ہوں گی جیسی تمہارے سامنے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْلَمُوْنَ. (تعلیم وتربیت اسلامی ص۲۴۴)

عبادت میں اعتدال

عمرو بن العاص کے ایک بیٹے کا نام عبداللہ اور دوسرے کا نام محمد تھا۔ ان میں سے ایک اپنے باپ جیسا یعنی دنیا پرست اور جاہ طلب تھا جبکہ دوسرا شریف تھا۔ جب کبھی عمرو بن العاص کسی معاملے میں اپنے بیٹوں سے مشورہ کرتا تو عبداللہ باپ کو مشورہ دیتا اور کہتا کہ علیؑ کا ساتھ دو لیکن محمد تھا کہتا کہ علیؑ سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا امیر شام کا ساتھ دو۔

عبداللہ عبادات کی طرف بھی میلان رکھتا تھا۔ ایک روز سرراہ اس کی رسول اکرمؐ سے ملاقات ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم رات بھر عبادت کرتے ہو اور دن بھر روزے رکھتے ہو۔

اس نے عرض کیا: آپؐ نے بجا فرمایا، یارسول اللہؐ! ایسا ہی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: لیکن یہ میری سنت نہیں ہے۔ میں اس طریقے کو پسند نہیں کرتا اور یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ (انسان کامل)

Marfat.com

حاجی کتنے کم ہیں

ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں ایام حج میں امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ میں ایک بلند مقام سے دیکھ رہا تھا کہ اس سال عرفات کا سارا میدان حاجیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ گویا لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر عرفات میں موجزن ہے۔ میں نے امامؑ سے عرض کیا: "مَا اَکْثَرَ الْحَجِیْجَ." الحمدللہ! اس سال حاجی کتنے زیادہ ہیں۔

اس پر امامؑ نے فرمایا: مَا اَکْثَرَ الضَّجِیْجَ وَاَقَلَّ الْحَجِیْجِ." شور شرابا بہت زیادہ ہے اور حاجی بہت کم ہیں۔

پھر وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ امامؑ نے کیا کیا مجھے کون سی بصیرت عطا کی اور میرے اندر کون سی آنکھ کو روشنی بخشی اور فرمایا: اب دیکھو۔ میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ایک صحرا ہے جو حیوانوں سے بھرا ہوا ہے اور ایک مکمل چڑیا گھر ہے۔ فقط چند انسان ان حیوانوں کے درمیان چل پھر رہے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: تم نے دیکھا باطنی نگاہ رکھنے والوں کی نظر میں اصل حقیقت یہ ہے۔ (انسان کامل)

توبہ کے تیس سال

ابن خلکان "وفیات الاعیان" میں لکھتے ہیں کہ سری سقطی[1] نے کہا: میں تیس سال سے ایک کلمے کی خاطر جو میری زبان پر جاری ہوا، توبہ و استغفار کر رہا ہوں۔

لوگوں نے پوچھا: کس وجہ سے؟

۱۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور عارف جو ۲۴۵ھ یا ۲۵۰ھ میں ۹۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ معروف کرخی کے شاگرد اور مرید تھے۔ آپ جنید بغدادی کے استاد اور ماموں تھے۔

Marfat.com

انہوں نے جواب دیا: ایک رات بازار میں آگ لگ گئی۔ میں یہ دیکھنے کے لئے باہر نکلا کہ کہیں آگ میری دکان تک تو نہیں پہنچی۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ آگ تمہاری دکان تک نہیں پہنچی۔

میں نے کہا اَلْحَمْدُلِلّٰہ کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ اگرچہ میری دکان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن کیا مجھے دوسرے مسلمانوں کی فکر نہیں ہونی چاہئے؟

شیخ سعدیؔ نے (معمولی تبدیلی کے ساتھ) اس داستان کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

شبی دود خلق آتشی برفروخت
شنیدم کہ بغداد نیمی بسوخت

ایک رات آگ بھڑک اٹھی اور میں نے سنا کہ آدھا بغداد جل گیا ہے۔

یکی شکر گفت اندر آن خاک و دود
کہ دکان ما را گزندی نبود

ایک شخص نے اس تباہی کے عالم میں شکرادا کیا کہ میری دکان محفوظ رہی۔

جہاں دیدہ ای گفتش ای بوالہوس
تو را خود غم خویشتن بود و بس؟

ایک جہاندیدہ شخص نے اس سے کہا: اے ابولہوس! کیا تجھے فقط اپنی فکر ہے۔

پسندی کہ شہری بسوزد بہ نار
اگر خود سرایت بود برکنار؟

کیا تو چاہتا ہے کہ صرف تیرا گھر محفوظ رہے خواہ سارا شہر ہی جل جائے۔

(آشنائی باعلوم اسلامی ص ۲۰۸)

Marfat.com

رسول اکرمؐ اور یہودی مرد

ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ میرے مقروض ہیں لہٰذا ابھی اسی وقت میرا قرض ادا کریں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اول تو یہ کہ میں تمہارا مقروض نہیں ہوں (اس کے باوجود اگر تم اپنے دعویٰ پر مصر ہوتو) اس وقت میرے پاس رقم نہیں ہے۔ مجھے گھر جانے دو تاکہ تمہارے لئے رقم لے آؤں۔

اس شخص نے کہا: میں آپ کو یہاں سے ایک قدم بھی ہلنے نہیں دوں گا۔ رسول اکرمؐ نے اس سے جتنا نرم رویہ اختیار کیا اس نے اتنا ہی زیادہ برہمی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ اس نے آنحضرتؐ کی عبا اور چادر پکڑ کر اسے آپ کی گردن پر لپیٹ کر مروڑا اور اتنا کھینچا کہ آپ کی گردن مبارک پر سرخ نشان پڑ گیا۔

آنحضرتؐ اس وقت مسجد تشریف لے جارہے تھے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ آپ تشریف نہیں لائے اور نماز کا وقت گزرا جارہا ہے تو وہ متفکر ہوکر آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک یہودی آپ کا راستہ روکے کھڑا ہے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اسے آپ سے دور لے جاکر زدوکوب کریں لیکن آپ نے فرمایا: میں خود جانتا ہوں کہ اپنے اس ساتھی کے ساتھ کیا سلوک کروں تم اسے کچھ نہ کہو۔

آپ اس یہودی کے ساتھ اتنی خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔"

دیکھئے! سید المرسلین کس قدر ایک یہودی کی گستاخی کو برداشت کررہے تھے۔ ایسا تحمل و برداشت ایک عام آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ آپ یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے مبعوث ہوئے ہیں۔ (سیرت نبوی ص ۱۳۹)

Marfat.com

اسلامی پیشوا

ایک مرتبہ عمر بن خطابؓ، رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے تا کہ آنحضرتؐ سے ملاقات کریں۔

وہ کہتے ہیں کہ وہاں ایک حبشی دربان موجود تھا اور آنحضرتؐ نے اسے حکم دے رکھا تھا کہ کسی کو اندر نہ آنے دے۔ میں اس دربان کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اکرمؐ سے کہو کہ عمر آئے ہیں۔ وہ گیا اور پھر واپس آ کر کہنے لگا کہ آنحضرتؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمر کہتے ہیں کہ میں وہاں سے چلا گیا اور پھر واپس آیا اور اجازت چاہی لیکن پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مین پھر چلا گیا اور تیسری مرتبہ واپس آیا۔ اس مرتبہ آپ نے مجھے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ میں اندر گیا اور دیکھا کہ رسول اکرمؐ کمرے میں کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور اس چٹائی کی وجہ سے آپ کے بدن پر نشانات پڑ گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا اور میں نے عرض کیا کہ آپ کی حالت ایسی کیوں ہے؟ قیصر و کسریٰ جیسے لوگ تو نعمتوں میں غرق ہوں اور آپ جو اللہ کے رسول ہیں ایسے حالات میں بسر کریں؟

رسول اکرمؐ کو میری بات ناگوار گزری۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا: یہ تم کیا نامعقول گفتگو کر رہے ہو؟ کیا دنیا تمہاری نگاہ میں جلوہ گر ہو گئی ہے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان چیزوں کا نہ ہونا میرے لئے محرومی کا سبب ہے اور ان چیزوں کی موجودگی ان کے لئے نعمت کی دلیل ہے؟ خدا کی قسم یہ سب چیزیں مسلمانوں کو نصیب ہوں گی اور یہ کسی کے لئے فخر کی بات نہیں ہے۔ (سیرت نبوی ص ۵۷۔۵۸)

انتخاب شوہر میں آزادی

ایک لڑکی پریشانی کے عالم میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی:

یا رسول اللہؐ! میں اپنے باپ کے ہاتھوں......

آنحضرتؐ نے پوچھا: تمہارے باپ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

اس نے عرض کیا: اس کا ایک بھتیجا ہے اور اس نے میری رائے لئے بغیر میرا عقد اس کے ساتھ کر دیا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اب جبکہ اس نے تمہارا عقد کر ہی دیا ہے تو تم بھی مخالفت نہ کرو اور قبول کرلو۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں اپنے اس چچازاد کو پسند نہیں کرتی اور جس شخص کو میں پسند نہیں کرتی اس کی بیوی کیسے بن جاؤں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر تم اسے پسند نہیں کرتی ہو تو کوئی بات نہیں۔ تمہیں اختیار ہے۔ جاؤ اور جس شخص کو چاہتی ہو اسے اپنے شوہر کے طور پر منتخب کرلو۔

وہ لڑکی کہنے لگی: درحقیقت میں اسے بہت پسند کرتی ہوں اور اس کے علاوہ کسی کو نہیں چاہتی اور کسی دوسرے شخص کی بیوی بننا پسند نہیں کرتی۔

لیکن چونکہ میرے باپ نے میری مرضی کے بغیر یہ کام کیا ہے اس لئے میں جان بوجھ کر یہاں آئی تھی تاکہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنوں اور تمام عورتوں کو بتادوں کہ آئندہ کسی باپ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ اپنی مرضی سے جو چاہے فیصلہ کرے اور اپنی بیٹیوں کو جس کے پلے چاہے باندھ دے۔ (نظام حقوق زن در اسلام ص ۵۵۔۵۶)

یہ روایت شہید ثانی اور صاحب جواہر جیسے عظیم الشان فقہاء نے بالترتیب "مسالک" اور "جواہر الکلام" میں اہلسنت کے طریق سے نقل کی ہے۔

جنگ کا اسلامی معیار

صبح عاشور شمر ذی الجوشن یعنی وہ بدبخت جس ظالم کی نظیر شاید ساری دنیا میں نہ مل سکے خیام حسینی کی پشت سے صورتحال کا قریبی جائزہ لینا چاہتا تھا۔ شاید وہ اپنے ذہن میں کوئی

خطرناک منصوبہ تیار کر رہا تھا۔ لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے پہلے ہی سے حکم دے رکھا ہے کہ خیمے ایک دوسرے کے نزدیک آڑھے ترچھے کر کے لگائے جائیں اور ان کی پشت پر خندق کھود کر اس میں آگ جلادی جائے تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ جب شمر آیا اور اس نے یہ صورتحال دیکھی تو اسے بہت غصہ آیا اور وہ اول فول بکنے لگا۔

امام حسین علیہ السلام کے ایک صحابی نے عرض کیا: یا ابا عبداللہؑ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ایک تیر کے ذریعے اس کا کام تمام کر دوں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: نہیں۔

اس صحابی نے سمجھا کہ شاید حضرت کو یہ علم نہیں کہ یہ کون خبیث شخص ہے۔ لہذا اس صحابی نے کہا: میں اس بدبخت کو پہچانتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا: میں بھی اسے پہچانتا ہوں۔

اس پر اس صحابی نے عرض کیا: پھر آپ اجازت کیوں نہیں دیتے؟

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: چونکہ ابھی تک ہمارے درمیان جنگ نہیں چھڑی اور ہم مسلمانوں کے دو گروہوں کی شکل میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ جنگ کا آغاز کروں۔ جب تک وہ جنگ کی ابتدا نہ کریں میں جنگ چھیڑنا نہیں چاہتا اور قرآن مجید کے ا اصول کا احترام کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد رب العزت ہے: اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص ”حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دوسری) قابل احترام چیزوں کا بھی (برابر کا) بدلہ ہے۔ پس جس نے تم پر زیادتی کی تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔“ (سورۂ بقرۃ آیت ۱۹۴)

(سیرت نبوی ص ۷۵۔۷۶)

غیر عادلانہ امتیاز کی نفی

فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اکرمؐ شہر مکہ میں تشریف لائے تو قریش کے اعلیٰ خاندانوں کی ایک عورت کو چوری کے الزام میں حضور اکرمؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسلامی قانون کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔ چونکہ یہ عورت اشراف قریش سے تعلق رکھتی تھی اس لئے سفارشیں آنا شروع ہوگئیں۔

ایک شخص نے آ کر کہا: یارسول اللہؐ! یہ عورت فلاں شخص کی بیٹی ہے لہذا آپ اس کا جرم نظر انداز کر دیں کیونکہ اگر اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ایک معزز خاندان کی بڑی بدنامی ہوگی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا۔ میں اسلام کے قانون کو معطل نہیں کرسکتا۔ اگر اس عورت کا تعلق اونچے گھرانے سے نہ ہوتا تو تم سب کہتے کہ جی ہاں یہ چور ہے۔ اسے سزا ملنی چاہئے اور اب جبکہ یہ ایک اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کا ہاتھ کاٹنے سے ایک معزز خاندان کی آبرو ختم ہوتی ہے تو تم چاہتے ہو کہ میں اسے سزا نہ دوں۔ یہ قطعاً ممکن نہیں۔ خدا کا قانون معطل نہیں کیا جاسکتا۔ (سیرت نبوی ص ۱۳۹۔۱۴۰)

آپ نے یہ عمامہ کیوں اوڑھا ہے؟

اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ میرا اصفہان کے شہر نجف آباد جانا ہوا۔ چونکہ رمضان کا مہینہ تھا اور پڑھائی کی چھٹی تھی مزید یہ کہ میرے دوست بھی وہیں تھے اس لئے میں بھی وہاں چلا گیا۔ ایک دن میں سڑک عبور کررہا تھا۔ جب سڑک کے درمیان پہنچا تو ایک دیہاتی نے میرا راستہ روک لیا اور کہنے لگا: جناب! مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں بتائیں۔

میں نے کہا: فرمایئے۔

وہ کہنے لگا: غسل جنابت کا تعلق جسم سے ہے یا روح سے؟

میں نے کہا: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ غسل جنابت دیگر غسلوں کی مانند ہے۔ میں نے گمان کیا کہ شاید یہ اصل حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا: ایک لحاظ سے اس کا تعلق روح سے ہے کیونکہ اس کی نیت کرنی پڑتی ہے اور دوسرے لحاظ سے اس کا تعلق جسم سے ہے کیونکہ اس کے لئے جسم دھونا پڑتا ہے۔

پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم یہی معلوم کرنا چاہتے تھے؟

اس نے کہا: نہیں۔ آپ مجھے صحیح صحیح جواب دیں کہ غسل جنابت کا تعلق جسم سے ہے یا روح سے؟

میں نے کہا: معلوم نہیں۔

وہ کہنے لگا: پھر آپ نے یہ عمامہ کیوں اوڑھ رکھا ہے؟

(سیرت نبوی ص ۱۱۵)

اپنے آپ سے بیگانگی

ایک عالم بتا رہے تھے کہ رضا خان کے دور حکومت کے آخری دنوں میں ایک شخص جو اس وقت وزیر تعلیم تھا اور بعد میں سینیٹر بن گیا ایک روز تہران یونیورسٹی کے طلباء کے سامنے تقریر کر رہا تھا اور اپنی تقریر میں رضا خان کے عہد کی تعلیمی سرگرمیوں کی تعریف کر رہا تھا۔

وہ طالب علموں سے کہہ رہا تھا کہ تمہیں چاہئے کہ اس سلطنت اور تہذیب و تمدن کی اہمیت کو پہچانو جو رضا خان نے تمہارے لئے قائم کی ہے۔ تم اس یونیورسٹی میں ادبیات، طب اور سائنس جیسے مضامین کی تعلیم حاصل کرتے ہو اور انشاء اللہ ان مضامین میں اسپیشلسٹ بن جاؤ گے لیکن کیا تم جانتے ہو کہ گزشتہ زمانے میں ہمارے پاس کیا تھا؟ پھر گزشتہ ادوار کے تعلیمی حالات بتانے کے لئے اس نے ایک فضول سی کتاب نکالی جس کا تعلق جادوگری، سانپ پکڑنے اور فال نکالنے سے تھا اور اس کے کچھ اقتباسات تمسخر کے طور پر طلباء کو پڑھ کر سنائے۔

ہمارے دوست نے بتایا کہ اتفاق سے انہیں دنوں مین وزارت تعلیم نے ایک موضوع پر مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد کرایا۔ حسن اتفاق سے میرا لکھا ہوا مقالہ بہترین قرار دیا گیا۔ قواعد و ضوابط کے مطابق یہ طے پایا کہ میں وزیر موصوف سے ملاقات کروں۔ جب وزیر نے مجھے دیکھا تو عالم کے لباس میں دیکھ کر اسے تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ علوم اسلامی کے ایک عالم نے بہترین مقالہ لکھا ہے۔ پھر اس نے وضاحت کی کہ تمہارے مقالے کی فلاں چیز اس دور کے تحلیل نفسی اور نفسیات کے جدید ترین نظریات سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ اس مقالے کے لکھنے والے نے شاید یورپ یا امریکہ میں تعلیم پائی ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ چیز کہاں سے نقل کی ہے؟

میں نے اسے جواب دیا کہ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے اور پھر وہ حدیث اسے پڑھ کر سنائی۔ پھر میں نے پورے جوش کے ساتھ اس سے کہا: وزیر صاحب! آپ جو یہاں بیٹھے ہیں آپ زیادہ علم رکھتے ہیں یا میں؟ وہ کیا واہیات چیزیں تھیں جو آپ اس روز یونیورسٹی میں طالب علموں کو سنا رہے تھے؟ آپ اپنی قوم کو کیوں دھوکا دیتے ہیں؟ جو چیزیں ہمارے قدیم مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں کیا وہ وہی ہیں جو اس کتاب میں لکھی ہیں؟ اگر ہمارے قدیم مدارس میں ادبیات کی تعلیم نہ دی جاتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس وقت آپ کے پاس ادبیات کی فیکلٹی ہوتی۔ کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ جو فقہ ان مدارس مین پڑھائی جاتی ہے وہ دنیا کے عظیم ترین مکاتب کا مقابلہ کرتی ہے؟ وہاں جن اصول کی تعلیم دی جاتی ہے وہ ترقی یافتہ اقوام کے نظریے کے مطابق ایک جدید علم ہے۔ مغرب کے فلسفے زیادہ سے زیادہ اس سے مشابہت پیدا کرسکتے ہیں۔ ہمارے تعلیمی مراکز میں بوعلی سینا کی اشارات، ملاصدرا کی اسفار، حاجی سبزواری کی منظومہ، آخوند خراسانی کی کفایہ، شیخ مرتضی انصاری کے آثار اور سیکڑوں اعلیٰ پائے کی علمی، فلسفیانہ اور فقہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ آپ نے ان سب کو نظرانداز کردیا اور بے خبر جوانوں کو یہ بتایا کہ حوزۂ علمیہ میں چند بے معنی اور بے فائدہ چیزیں پڑھائی جاتی ہیں۔

بہرحال یہ چیز ایک امر مسلمہ ہے کہ کافی عرصے پہلے یہ منصوبہ بنایا گیا تھا کہ ابتدا سے ہی ہمارے بچوں کو ان کی تہذیب اور تعلیم سے بدظن کردیا جائے۔ ماضی سے ان کا رابطہ توڑ دیا

Marfat.com

جائے اور اس کی بجائے ان کا تعلق مغرب سے جوڑ دیا جائے۔ (پیرامون انقلاب اسلامی ص۱۶۶تا۱۶۸)

حب علی علیہ السلام

حضرت امیرالمؤمنینؑ کے دوستوں میں سے ایک صاحب بہت بافضیلت اور باایمان شخص تھے۔ بدقسمتی سے ان سے ایک خطا ہوگئی جس کی بناپر ان پر حد جاری کرنا ضروری ہوگیا۔

حضرت امیرالمؤمنینؑ نے ان کا دایاں پنجہ کاٹ دیا۔ ان صاحب نے اپنے پنجے کو بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ خون کے قطرے گر رہے تھے اور وہ چلے جارہے تھے۔ ایک شرپسند خارجی ابن الکواء نے اس واقعے کو اپنی جماعت کے مفاد اور آپ کے خلاف استعمال کرنا چاہا۔ وہ بڑے ہمدردانہ انداز میں آگے بڑھا اور ان صاحب سے پوچھنے لگا: تمہارا ہاتھ کس نے کاٹا؟

انہوں نے جواب دیا: قَطَعَ يَمِيْنِيْ سَيِّدُ الْوَصِيِّيْنَ وَقَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنِ اَبِيْطَالَبَ اِمَامُ الْهُدٰى.... اَلسَّابِقُ اِلٰى جَنَّاتِ النَّعِيْمِ، مُصَادِمُ الْاَبْطَالِ، اَلْمُنْتَقِمُ مِنَ الْجُهَّالِ، مُعْطِي الزَّكَاةِ..... اَلْهَادِيُ اِلَى الرَّشَادِ، وَالنَّاطِقُ بِالسَّدَادِ، شُجَاعٌ مَكِّيٌ..... ''میرا ہاتھ سید الاوصیاء، قیامت کے دن پرنور چہرے والوں کے پیشوا، مومنوں پر سب سے زیادہ حق رکھنے والے علی ابن ابی طالبؑ نے کاٹا ہے۔ وہ ہدایت کرنے والے امام، جنت نعیم میں سب سے پہلے داخل ہونے والے، بہادروں کے خلاف لڑنے والے، جاہلوں سے انتقام لینے والے، زکوٰۃ دینے والے، اوج کمال کی طرف رہنمائی کرنے والے، سچی بات کہنے والے، مکہ کے شجاع اور باوفا بزرگوار ہیں۔''

ابن الکواء نے کہا: وائے ہو تم پر اس نے تمہارا ہاتھ کاٹ دیا اور تم اس کی یوں تعریف کررہے ہو۔

Marfat.com

ان صاحب نے جواب دیا: میں ان کی تعریف کیوں نہ کروں جبکہ ان کی محبت میرے گوشت اور خون میں رچ بس گئی ہے۔ خدا کی قسم انہوں نے میرا ہاتھ نہیں کاٹا مگر اس حق کی بنا پر جو خدا نے مقرر کیا ہے۔ (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام)

جویبر اور ذلفا

اہل یمانہ میں سے ایک شخص مدینہ آیا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور حقیقت اسلام کو اچھی طرح سے شناخت کرلیا۔ یعنی اس نے معارف اسلامی سے آگاہی حاصل کی اور اسلامی طرزِ عمل اختیار کرلیا۔ اس مرد کا نام جویبر تھا۔ وہ ایک پستہ قد، بدشکل، سیاہ فام اور نادار شخص تھا۔ چونکہ اس کا مدینے میں کوئی جاننے والا نہیں تھا اس لئے وہ رات مسجد میں بسر کیا کرتا تھا۔ مسجد کے سوا اس کا کوئی گھر نہیں تھا۔ کچھ عرصہ اس نے مسجد میں گزارا۔ رفتہ رفتہ اسے اپنے جیسے کئی اور ساتھی مل گئے۔ یعنی کئی اور ایسے مسلمان پیدا ہوگئے جو جویبر کی طرح نادار اور غریب الوطن تھے۔ یہ لوگ رسول اکرمؐ کے حکم کے مطابق جویبر کی طرح وقتی طور پر رات مسجد میں بسر کیا کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ پھر خداوند تعالٰی کی جانب سے حکم نازل ہوا کہ مسجد کے لئے پاکیزہ ہونا ضروری ہے اور یہ سونے کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ کے گھر کے علاوہ جتنے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے ہیں انہیں بند کردیا جائے اور لوگوں کا اپنے گھروں سے مسجد میں داخل ہونا ممنوع قرار دیا جائے۔ لوگ مسجد میں اس کے عام دروازوں سے آئیں جائیں تاکہ اس کا احترام برقرار رہے۔

رسول اکرمؐ نے حکم دیا کہ ان بے خانماں اور نادار لوگوں کے لئے ایک کونے میں سائبان تان دیا جائے۔ چنانچہ سائبان تان دیا گیا اور وہ اس چھت کے نیچے زندگی گزارنے لگے۔ اس جگہ کو صفہ کا نام دیا گیا اور یہ لوگ بھی اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ جویبر

بھی اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ رسول اکرمؐ اور سبھی مسلمان ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی ضروریات زندگی کا خیال رکھتے تھے۔

ایک دن رسول اکرمؐ نے جویبر سے فرمایا: جویبر! کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم شادی کرلیتے۔ اس طرح تمہاری جنسی ضرورت بھی پوری ہو جاتی اور وہ عورت دنیا اور آخرت میں تمہاری مددگار بھی ثابت ہوتی۔

جویبر نے جواب دیا: کوئی عورت میرے ساتھ شادی کرنے پر تیار نہیں ہوسکتی۔ نہ میرا کوئی حسب نسب ہے، نہ میرے پاس دولت ہے اور نہ ہی میری شکل اچھی ہے۔ کون عورت ایسی ہوگی جو میری بیوی بننا پسند کرے گی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَضَعَ بِالْاِسْلَامِ مَنْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ شَرِيْفًا وَ شَرَّفَ بِالْاِسْلَامِ مَنْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَضِيْعًا وَاَعَزَّ بِالْاِسْلَامِ مَنْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ذَلِيْلاً." یعنی اے جویبر! اللہ نے اسلام کی برکت سے معیار تبدیل کردیئے ہیں۔ اس نے بہت سی ایسی چیزوں کی قدر و قیمت بڑھادی ہے جن کی قدر و قیمت پہلے کم تھی اور بہت سی ایسی چیزوں کی قدر و قیمت گھٹا دی ہے جن کی قدر و قیمت پہلے زیادہ تھی۔ بہت سے افراد جاہلیت کے زمانے میں محترم تھے اور اسلام نے انہیں پست کردیا ہے اور وہ معتبر نہیں رہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ دور جاہلیت میں حقیر اور پست تھے لیکن اسلام نے انہیں بلند کردیا ہے۔

"فَالنَّاسُ الْيَوْمَ كُلُّهُمْ اَبْيَضُهُمْ وَاَسْوَدُهُمْ وَقُرَشِيُّهُمْ وَعَرَبِيُّهُمْ وَعَجَمِيُّهُمْ مِنْ آدَمَ وَاَنَّ آدَمَ خَلَقَهُ اللّٰهُ مِنْ طِيْنٍ." یعنی اب لوگ اسی طرح پہچانے جاتے ہیں جیسے کہ وہ ہیں۔ اسلام سب کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہے کہ سفید اور سیاہ، قریشی اور غیر قریشی، عربی اور عجمی سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ اے جویبر! خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا کے احکامات کی اطاعت کرنے والا ہو۔ جو مہاجر اور انصار مسلمان اپنے گھروں میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ معیار تقویٰ کے علاوہ تم پر کوئی برتری نہیں رکھتے۔

پھر آپ نے فرمایا: اٹھو اور زیاد بن لبید انصاری کے گھر جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول

Marfat.com

اکرمؐ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں آپ سے آپ کی بیٹی ذلفا کا رشتہ مانگوں۔

آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق جویبرؓ زیاد بن لبید کے گھر گئے۔ زیاد اہل مدینہ اور انصار کے ایک معتبر شخص تھے۔ جب جویبر پہنچے تو زیاد کے قبیلے اور قوم کے کچھ لوگ ان کے گھر میں موجود تھے۔ جویبر نے اندر آنے کی اجازت مانگی جو دیدی گئی۔ وہ اندر جاکر بیٹھ گئے اور زیاد کو مخاطب کر کے کہا: میں رسول اکرمؐ کی جانب سے ایک پیغام لایا ہوں۔ کیا میں وہ پیغام آپ کو خلوت میں پہنچاؤں یا سب کے سامنے بیان کروں؟

زیاد نے کہا: رسول اکرمؐ کا پیغام میرے لئے فخر کا موجب ہے۔ آپ بے شک سب کے سامنے بیان کریں۔

جویبر نے کہا: رسول اکرمؐ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں آپ سے آپ کی بیٹی ذلفا کا رشتہ اپنے لئے طلب کروں۔ اب آپ اپنے جواب سے مطلع فرمائیں تو میں آپ کے جواب سے آنحضرتؐ کو آگاہ کروں۔

زیاد نے تعجب سے پوچھا: کیا رسول اکرمؐ نے آپ کو رشتہ مانگنے بھیجا ہے؟

جویبر نے جواب دیا: جی ہاں! مجھے آنحضرتؐ نے بھیجا ہے اور میں کوئی جھوٹی بات ان سے منسوب نہیں کررہا۔

زیاد نے جواب دیا: لیکن یہ چیز ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہے کہ ہم انصار اپنے ہم پلہ لوگوں کے علاوہ کسی کو بیٹی دیں۔ آپ جائیں میں خود رسول اکرمؐ سے بات کروں گا۔

جویبر باہر آگئے۔ ایک طرف تو وہ آنحضرتؐ کے اس ارشاد کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ خدا نے اسلام کے ذریعے قبائل اور انساب کے فخر کو ختم کردیا ہے اور دوسری طرف زیاد کی باتوں کے متعلق سوچ رہے تھے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارے ہاں یہ رسم نہیں ہے کہ ہم اپنے ہم پلہ لوگوں کے علاوہ کسی کو بیٹی دیں۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اس شخص نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآنی تعلیمات سے مختلف ہے۔ جب وہ جارہے تھے تو انہیں آہستہ آہستہ یہ جملہ کہتے ہوئے سنا گیا: "وَاللّٰهِ مَا بِهٰذَا نَزَلَ الْقُرْآنُ وَلاَ بِهٰذَا ظَهَرَتْ نُبُوَّةُ مُحَمَّدٍ"۔ بخدا جو تعلیمات قرآن کی شکل میں نازل ہوئی ہیں وہ ہرگز وہ نہیں ہیں جو زیاد بن لبید کہتے ہیں۔

Marfat.com

محمد رسول اللہ ان باتوں کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے۔

جب جویبر جارہے تھے اور اپنے آپ سے یہ باتیں کہہ رہے تھے تو زیاد کی بیٹی ذلفا نے یہ الفاظ سن لئے۔ اس نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا بات تھی؟ زیاد نے اسے تمام ماجرا کہہ سنایا۔

لڑکی نے کہا: خدا کی قسم جویبر جھوٹ نہیں کہتے۔ آپ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے جویبر مایوس ہوکر رسول اکرمؐ کے پاس جائیں۔ کسی کو بھیجئے اور انہیں واپس بلوایئے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جویبر کو زیاد کے گھر واپس لایا گیا۔

زیاد خود رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جویبر یہ پیغام آپ کی جانب سے لائے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ اپنے ہم پلہ شخص کے علاوہ کسی اور کو اپنی بیٹی دیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: "یَازِیَادُ جُوَیْبِرٌ مُؤْمِنٌ وَ الْمُؤْمِنُ کُفُوالْمُؤْمِنَةِ وَالْمُسْلِمُ کُفُوالْمُسْلِمَةُ" اے زیاد! جویبر مومن ہے اور مومن مرد مومن عورت کا کفو اور ہم پلہ ہوتا ہے۔ ان خیالات کی بنا پر اپنی بیٹی کی شادی کے راستے میں حائل نہ ہو۔

زیاد لوٹ آئے اور اپنی بیٹی کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ ذلفا نے کہا: مجھے رضامند ہو جانا چاہئے کیونکہ رسول اکرمؐ نے انہیں بھیجا ہے پس میں راضی ہوں۔ زیاد نے جویبر کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے خاندان کے لوگوں کے پاس لے گئے اور رسول اکرمؐ کی سنت کے مطابق اپنی بیٹی اس نادار حبشی کے ساتھ بیاہ دی۔ چونکہ جویبر کے پاس کوئی مکان نہیں تھا اس لئے زیاد نے خود ان کے لئے ایک مکان اور تمام دوسرے لوازمات فراہم کئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو جہیز دے کر اس کے شوہر کے گھر بھیج دیا۔ انہوں نے جویبر کے لئے بھی کپڑوں کے دو جوڑے فراہم کئے۔

ان حالات میں جب جویبر حجلۂ عروسی میں داخل ہوئے تو ان کے دل میں شکر خدا کا جذبہ ابھرا کیونکہ خدا نے اسلام کی برکت سے انہیں اتنی عزت بخشی تھی۔ چنانچہ وہ گھر کے ایک کونے میں چلے گئے اور صبح تک خدا سے راز و نیاز کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے میں مشغول رہے۔ اچانک انہیں احساس ہوا کہ صبح ہوگئی ہے۔ اس روز انہوں نے شکرانے کے طور پر روزہ

Marfat.com

رکھنے کا ارادہ کیا۔ وہ تین دن اور تین راتیں اسی روحانی وجدان اور سرور کی حالت میں رہے۔ دلہن کے خاندان والوں کو رفتہ رفتہ فکر لاحق ہوئی کہ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مرد کو عورت کی ضرورت ہی نہ ہو۔

رسول اکرمؐ کو صورت حال کی اطلاع دی گئی۔ آنحضرتؐ نے جویبر کو بلوا بھیجا اور ان سے پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جب میں اس وسیع اور ساز و سامان سے مکمل آراستہ مکان میں داخل ہوا اور اپنے سامنے ایک خوبصورت لڑکی کو پایا اور مجھے احساس ہوا کہ یہ سب کچھ میرا ہے تو میں نے سوچا کہ میں اس شہر میں ایک غریب الوطن اور نادار شخص ہوں، میرے خدا نے اسلام کی برکت سے مجھ پر یہ مہربانی فرمائی ہے۔ پس میرا جی چاہا کہ ان تمام نعمتوں کے پیش نظر یہ رات صبح تک عبادت میں گزاردوں۔ دوسرے دن میں نے شکرانے کا روزہ رکھ لیا۔ تین دن یہی صورت رہی کہ میں رات کے وقت شکرانے کے طور پر عبادت کرتا تھا اور دن کو روزہ رکھتا تھا۔ البتہ اب میں ضرور اپنی بیوی کے پاس جاؤں گا۔

(بیست گفتار ص ۱۱۶۔۱۲۰)

ہمدردی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ایک سال مدینہ میں قحط پڑ گیا اور حالات بے حد خراب ہوگئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جب ایسی صورت حال پیش آتی ہے تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں اور اشیائے خورد و نوش خریدنے اور ذخیرہ کرنے لگتے ہیں اور احتیاطاً ضرورت سے کئی گنا زیادہ اشیاء ذخیرہ کر لیتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے نعمت خانے کے منتظم سے دریافت فرمایا کہ کیا ہمارے گھر میں کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ موجود ہے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں! ہمارے پاس تقریباً ایک سال کے لئے ذخیرہ ہے۔ منتظم

Marfat.com

شاید یہ سوچ رہا تھا کہ امام علیہ السلام یہ حکم دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ اس سال قحط پڑا ہے اس لئے کچھ اور سامان خرید کر ذخیرہ کرلو۔ لیکن اس کی توقع کے برخلاف حضرت نے حکم دیا کہ جتنی گندم ہمارے پاس ہے وہ بازار میں لے جا کر بیچ ڈالو۔

اس نے عرض کیا: کیا آپ کو علم نہیں کہ اگر ہم یہ گندم بیچ ڈالیں گے تو دوبارہ خرید نہیں سکیں گے؟

آپ نے پوچھا: عام لوگ کیا کر رہے ہیں؟

اس نے جواب دیا: نانبائی جَو کی یا گندم اور جَو ملا کر جو روٹی تیار کرتے ہیں اسے روزانہ خریدتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: گندم بیچ ڈالو اور کل سے ہمارے لئے بھی بازار سے روٹی خرید کر لایا کرو کیونکہ جو حالات ہمارے ہیں وہ حالات دوسرے لوگوں کے نہیں ہیں اور حالات بھی ایسے سازگار نہیں ہیں کہ ہم کوئی ایسا قدم اٹھائیں جس کے نتیجے میں لوگ بھی ہماری طرح گندم کی روٹی کھائیں۔ لیکن ہم اتنا تو کرسکتے ہیں کہ اپنے آپ کو ان کی سطح پر لے آئیں اور کم از کم ان کے ساتھ اتنی ہمدردی کریں کہ ہمارا ہمسایہ یہ کہے کہ اگر میں جَو کی روٹی کھاتا ہوں تو امام صادقؑ بھی جَو کی روٹی کھاتے ہیں حالانکہ ان کے مالی حالات اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ گندم کی روٹی کھائیں۔ اپنے بھائیوں سے اظہار ہمدردی کے لئے ہمیں ایسی ہی طرز زندگی منتخب کرنی چاہئے۔ (حق و باطل ص۱۵۹۔۱۶۰)

بے پروا لوگ

کہتے ہیں کہ جب تاج نیشاپوری جو ایک خوش گلو خطیب تھے تہران آئے تو انہیں سننے کے لئے لوگ بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے اور بڑی بڑی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔

ایک روز اس وقت کے وزیراعظم نے ان سے کہا کہ جب اتنے زیادہ لوگ آپ کی

تقریر سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں تو آپ منبر سے علم وحکمت کی دو چار باتیں انہیں کیوں نہیں بتاتے اور ان کا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں؟

تاج نے کہا: یہ لوگ پُرحکمت باتیں سننے کے قابل نہیں ہیں۔ حکیمانہ باتیں ان لوگوں سے کی جاتی ہے جو صاحبان فکر ہوں۔ ان لوگوں میں غور وفکر کا مادہ نہیں ہے۔

وزیر اعظم نے کہا: نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔

تاج نے جواب دیا: ایسا ہی ہے۔ میں شرط لگاتا ہوں اور ایک روز یہ بات آپ پر ثابت کردوں گا۔

ایک روز جبکہ وزیر اعظم بھی موجود تھے تاج نے مجلس میں اہلبیت امام حسینؑ کے کوفہ میں داخلے کا منظر بیان کرنا شروع کیا۔ وہ بڑی مؤثر اور دردناک آواز میں اشعار پڑھ رہے تھے اور لوگ شدت جذبات سے گریہ کررہے تھے۔ اچانک انہوں نے کہا: خاموش، خاموش، خاموش۔

جب سب لوگ خاموش ہوگئے اور مجمع پر سناٹا چھا گیا تو انہوں نے کہا: اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کوفہ میں امام حسینؑ کے بچوں پر کیا گزری۔ جب اہلبیت امامؑ کوفہ پہنچے تو موسم بے حد گرم تھا۔ سورج سوا نیزے پر تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے دھوپ میں تڑپ رہے تھے۔ انہیں برہنہ اونٹوں پر سوار کیا گیا تھا اور چونکہ زمین پر برف جمی ہوئی تھی اس لئے اونٹ اس برف پر سے پھسل جاتے تھے اور بچے اونٹوں پر سے نیچے گر جاتے تھے اور کہتے تھے ”واعطشاہ“

تاج یہ منظر بیان کررہے تھے اور عزادار زور زور سے اپنا منہ سر پیٹ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ جب تاج منبر سے نیچے اترے تو وزیر اعظم سے کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا کہ ان لوگوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ میں نے چند لمحے پہلے تو یہ کہا کہ سورج سوا نیزے پر تھا اور پھر فوراً بعد میں نے یہ کہا کہ زمین پر برف جمی ہوئی تھی لیکن ان لوگوں نے اتنا نہیں سوچا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ موسم اتنا گرم ہو اور ساتھ ہی زمین پر برف جمی ہوئی ہو۔ (میں نے یہ واقعہ حضرت آیت اللہ صدر رضوان اللہ علیہ سے سنا تھا)۔ (دہ گفتار ص ۱۳۷ و ۱۳۸)

Marfat.com

چار حدیثیں

ہمارے فاضل دوست محترم سید محمد فرزان بتاتے تھے کہ تحریک مشروطہ کے ابتدائی دور میں محترم سید ہبۃ الدین شہرستانی عراق سے عربی زبان میں العلم نامی رسالہ نکالا کرتے تھے۔ یہ رسالہ دو تین سال تک چھپتا رہا (یہ رسالہ میں نے خود ابھی تک نہیں دیکھا)۔ رسالے کی پشت پر صفحے کے درمیان میں لفظ ''العلم'' خط نستعلیق میں لکھا ہوتا تھا اور چاروں کونوں میں چار حدیثیں لکھی ہوتی تھیں جو رسالے کو زینت بخشتی تھیں۔

ایک مرتبہ اسی رسالے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا کہ ایک روز ایک جرمن مستشرق رسالے کے دفتر میں یا کسی اور جگہ (انہوں نے بتایا تھا لیکن اس وقت مجھے یاد نہیں آرہا) آقای شہرستانی سے ملا۔ جب اس نے رسالے کی پشت پر یہ سب تحریریں لکھی ہوئی دیکھیں تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ علم کے بارے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار فرامین ہیں۔ پھر اسے ترجمہ کر کے سنایا گیا کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے:

(۱) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔

(۲) جھولے سے قبر تک علم حاصل کرو۔

(۳) علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

(۴) علم اور حکمت مسلمان کی گمشدہ متاع ہے۔ اسے جہاں بھی ملے لے لیتا ہے اور اس بات کو اہمیت نہیں دیتا کہ وہ اپنی یہ گمشدہ متاع کس کے ہاتھ سے حاصل کر رہا ہے۔

وہ مستشرق تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور پھر کہنے لگا: اوہ! تمہارے پاس ایسے فرامین موجود ہیں کہ تمہارے پیغمبرؑ نے علم حاصل کرنا تمہارے لئے فرض قرار دیا ہے اور افراد، صنف، زمان، مکان اور معلم کے لحاظ سے کوئی قید نہیں لگائی۔ اس کے باوجود تم لوگوں میں اس قدر جہالت ہے اور تمہارے درمیان اتنے زیادہ ان پڑھ لوگ موجود ہیں۔ (دہ گفتار ص ۱۳۷۔۱۳۸)

Marfat.com

گدڑی پوش شیخ

کہتے ہیں کہ صاحب جواہر کے شاگرد مرحوم آیت اللہ سید حسین کوہ کمرہ ای رضوان اللہ علیہ ایک مشہور و معروف مجتہد تھے۔ ان کا درس ایک خصوصی شہرت کا حامل تھا۔ وہ ہر روز حسب معمول ایک مقررہ وقت پر نجف کی ایک مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ فقہ اور اصول فقہ کا ''درس خارج'' ریاست اور مرجعیت کی بنیاد ہے۔ ایک طالب علم کے لئے ریاست اور مرجعیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اچانک صفر سے لامحدود بلندی پر پہنچ جاتا ہے کیونکہ جب تک ایک طالب علم مرجع نہ بن جائے اس کی رائے اور عقیدے کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور وہ عموماً تنگدستی میں گزر بسر کرتا ہے لیکن جونہی وہ مرجع بن جاتا ہے فوری طور پر اس کی رائے کی متابعت کرنی پڑتی ہے اور مالی نقطہ نگاہ سے بھی اسے کسی حساب کتاب کے بغیر مطلق اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا جس طالب علم کے مرجع بننے کا امکان ہوتا ہے وہ بہت نازک مرحلہ طے کر رہا ہوتا ہے۔ مرحوم سید حسین کوہ کمرہ ای اسی مرحلے پر تھے۔

ایک دن وہ مرحوم کسی جگہ سے (مثلاً کسی سے مل کر) واپس آ رہے تھے۔ درس کے شروع ہونے میں آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت تھا۔ انہوں نے سوچا کہ اس وقت اگر گھر جاتا ہوں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا لہذا بہتر ہوگا کہ مقررہ مقام پر جاؤں اور شاگردوں کے آنے کا انتظار کروں۔

چنانچہ وہ وہاں پہنچے لیکن اس وقت تک ان کے شاگردوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشے میں ایک خستہ حال شیخ چند شاگردوں کو درس دے رہے ہیں۔ مرحوم سید حسین نے ان کی باتیں دور سے سنیں اور انہیں بہت تعجب ہوا کہ وہ خستہ حال شیخ بڑے محققانہ انداز سے بحث کر رہے ہیں۔ دوسرے روز انہیں شوق پیدا ہوا کہ جان بوجھ کر جلدی جائیں اور شیخ کی باتیں سنیں۔ چنانچہ وہ گئے اور شیخ کی باتیں سن کر پہلے روز کے مقابلے میں ان کے اعتقاد میں اضافہ ہوگیا۔ چند دن یہی عمل دہرایا جاتا رہا اور بالآخر مرحوم سید حسین کو یقین ہوگیا کہ یہ شیخ ان سے زیادہ فاضل ہیں اور وہ ان کے درس سے فائدہ اٹھا

Marfat.com

رہے ہیں۔ اگر ان کے اپنے شاگرد خود ان کے درس کی بجائے اس شیخ کے درس میں حاضر ہوں تو یہ ان شاگردوں کے لئے زیادہ سود مند ہوگا۔

یہ وہ موقع تھا جب انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں تسلیم اور بغاوت، ایمان اور کفر، دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ دوسرے روز جب ان کے شاگرد آ کر جمع ہوگئے تو انہوں نے کہا: دوستو! آج میں تم سے ایک نئی بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ شیخ جو ایک کونے میں چند شاگردوں کے ساتھ بیٹھے ہیں وہ درس پڑھانے کے لئے مجھ سے زیادہ موزوں ہیں۔ میں خود ان سے استفادہ کر رہا ہوں۔ چلو ہم سب چلیں اور ان کے درس میں شامل ہو جائیں۔ اس روز سے وہ اس خستہ حال شیخ کے حلقہ بگوش ہوگئے جس کی آنکھوں میں تھوڑا سا عیب بھی پایا جاتا تھا اور جن کے تنگدستی کے آثار بھی نمایاں تھے۔ یہ خستہ حال شیخ وہی بزرگوار ہیں جو بعد میں ''حاج شیخ مرتضیٰ انصاری'' کے نام سے ہماری تاریخ میں مشہور ہوئے۔ وہ شوستر کے رہنے والے تھے اور انہوں نے استاد المتاخرین کا لقب پایا۔

شیخ ان دنوں مشہد، اصفہان اور کاشان کے کئی سال کے سفر سے نئے نئے واپس آئے تھے اور اس سفر میں انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا تھا بالخصوص کاشان میں مرحوم حاج ملا احمد نراقی سے۔ (عدل الٰہی ص ۳۴۸)

حکمرانوں کی ذمہ داری

نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

جنگ جمل میں فتح پانے کے بعد جب آپ بصرہ میں داخل ہوئے تو ''علاء بن زیاد'' کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کا گھر بہت عالیشان تھا۔ حضرت نے پہلے تو بصورت اعتراض فرمایا: تم اتنے بڑے گھر کا کیا کرو گے؟ تم اس سے چھوٹے گھر میں بھی گزارا کر سکتے ہو۔ تمہیں آخرت میں بڑے گھر کی ضرورت ہے۔

پھر فرمایا: ہاں تم اسی بڑے گھر کو آخرت میں ایک زیادہ بڑے گھر کا وسیلہ قرار دے سکتے ہو بشرطیکہ تم اس گھر میں مہمانوں کو بلاؤ اور اسے خدمت خلق کا وسیلہ قرار دو۔

بعد میں اس شخص نے عرض کیا: "اِنِّیْ اَشْکُوْا اِلَیْکَ اَخِیْ عَاصِمَ بْنَ زِیَادٍ" یعنی میں آپ کی خدمت میں اپنے بھائی عاصم بن زیاد کی شکایت کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے عرض کیا: میرا بھائی زاہد، راہب اور گوشہ نشین ہوگیا ہے۔ اچھا کھانا کھانے پر تیار نہیں ہوتا۔ غیر مرغوب غذا کھانے اور سخت کھردرے کپڑے پہننے پر اصرار کرتا ہے۔ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہوگیا ہے۔

امام علیؑ نے فرمایا: "عَلَیَّ بِہٖ" اسے بلا کر لاؤ۔ عاصم کو لایا گیا۔

حضرت نے اسے سرزنش کی اور فرمایا: "یَا عُدَیَّ نَفْسِکَ" یعنی اے اپنی جان کے دشمن! "لَقَدِ اسْتَھَامَ بِکَ الْخَبِیْثُ" کیا شیطان نے تجھے فریب دیا ہے؟ کیا شیطان تجھ پر سوار ہوگیا ہے؟ تو نے خدا کی نعمتوں کو کیوں ترک کردیا ہے؟ تم اس سے کہیں چھوٹے ہو کہ خدا تم سے باز پرس کرے کہ تو نے میری نعمتیں کیوں استعمال کی ہیں۔ خدا نے اپنی نعمتیں لوگوں کے استفادے کے لئے پیدا کی ہیں۔ اس شخص کے پاس حضرت امیرالمومنینؑ کے ارشادات کا بڑا واضح جواب تھا۔

اس نے عرض کیا: "یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ھٰذَا اَنْتَ" یعنی آپ مجھ سے جو یہ فرما رہے ہیں آپ خود بھی تو میری طرح ہی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میرا لباس آپ کے لباس سے زیادہ کھردرا نہیں ہے، میری خوراک آپ کی خوراک سے گھٹیا نہیں ہے، میں تو آپ ہی کی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں لوگوں کا پیشوا ہوں اور تم میری پیروی کرنے والوں میں سے ایک ہو۔ پیشواؤں اور اماموں اور امت کے حاکموں کی ذمہ داری مختلف ہے۔ خدا نے عادل حاکموں پر یہ بات واجب قرار دی ہے کہ وہ سب سے نچلی سطح کے لوگوں کی طرز زندگی اپنائیں۔ چونکہ ان لوگوں کی نگاہیں جو افلاس میں جی رہے ہوتے ہیں

Marfat.com

ہم پر لگی رہتی ہیں اس لئے ہم حاکموں کو چاہئے کہ عوام کے ساتھ ہمدردی کریں اور ان کی تسکین کا باعث بنیں۔ ان کی روحانی مدد کریں۔ بلاشبہ جس حد تک ممکن ہو ان کی مادی مدد بھی کرنی چاہئے۔ لیکن بعض اوقات مادی امداد ممکن نہیں ہوتی تو اس موقع پر ان کی روحانی مدد کرنی چاہئے۔ (حق و باطل ص ۱۵۱۔۱۵۳)

مرحوم وحید بہبہانی کا تقویٰ

یہ عظیم شیعہ علماء میں سے ایک بزرگوار کی داستان ہے۔

مرحوم وحید بہبہانی (محمد باقر بن محمد اکمل) ایک پہنچے ہوئے عالم اور ''بحرالعلوم، میرزا قمی اور کاشف الغطا'' کے استاد تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کا کربلا میں بڑا وسیع علمی حلقہ تھا۔ وہ کربلا میں ہی رہائش پذیر تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کتاب ''مقامع'' کے مصنف آقا محمد علی اور دوسرے آقا محمد اسماعیل ہیں۔

مرحوم بہبہانی کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ایک روز انہوں نے اپنی بہو (آقا محمد اسماعیل کی بیوی) کو لباس فاخرہ پہنے ہوئے دیکھا تو اپنے بیٹے سے اعتراض کے طور پر کہا کہ تم اپنی بیوی کیلئے ایسا لباس کیوں خریدتے ہو؟ ان کے بیٹے نے بہت اچھا جواب دیا اور کہا: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِینَۃَ اللّٰہِ الّتی اَخرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ'' (سورۃ اعراف: آیت ۳۲)

انہوں نے فرمایا: بیٹے! میں یہ نہیں کہتا کہ یہ چیزیں حرام ہیں۔ بلاشبہ یہ حلال ہیں۔ میں نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ میں ان لوگوں کا مرجع تقلید اور پیشوا ہوں جن میں امیر بھی ہیں اور غریب بھی۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو ایسا قیمتی لباس بلکہ اس سے بھی بڑھیا لباس پہن سکتے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جو ایسا لباس پہننے کی استطاعت نہیں رکھتے اور ٹاٹ کا بنا ہوا لباس پہنتے ہیں۔ ہم جو لباس خود پہنتے ہیں وہ تمام لوگوں کو مہیا نہیں کرسکتے اور انہیں یہ سطح زندگی فراہم نہیں کرسکتے۔ لیکن ہم ایک کام کرسکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کریں۔

Marfat.com

ان کی نگاہیں ہم پر لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب ایک غریب کی بیوی اس سے عمدہ لباس کا مطالبہ کرتی ہے تو غریب کے دل کو ہم سے ایک ڈھارس ہوتی ہے اور وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ ہم امیروں کی طرح زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ آقا وحید کے گھر والوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ دیکھ لو آقا وحید کی بیوی یا بہو ویسا ہی لباس پہنتی ہیں جیسا تم پہنتی ہو۔

بیٹا! یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی کہ ہم بھی دولت مندوں کی طرح زندگی گزارنے لگیں اور غریبوں کی تسکین قلب اور روحانی ہمدردی کا یہ واحد ذریعہ بھی ختم ہو جائے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہمیں چاہیے کہ زاہدانہ طرز زندگی اختیار کریں کیونکہ ہمارا زہد غریبوں کے ساتھ ہمدردی ہے۔ جس روز دوسرے لوگ بھی عمدہ لباس پہننے کے قابل ہو جائیں گے اس روز ہم بھی وہ لباس پہننا شروع کر دیں گے۔ (حق و باطل ص ۱۵۰۔۱۵۱)

امام علیؑ کا طرز فکر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فارس کے ایک عالم تہران تشریف لائے۔ ہوٹل میں ان کی رقم چوری ہوگئی۔ وہ تہران میں کسی کو نہیں جانتے تھے اور حیران تھے کہ کیا کریں۔ اچانک ان کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ امیر المؤمنینؑ کا والی مصر مالک اشترؒ کے نام طرز جہاں بانی سے متعلق فرمان کسی عمدہ کاغذ پر خوشخط لکھ کر اس وقت کے وزیراعظم کو پیش کریں تاکہ اسے بھی ہدایت کریں اور خود بھی رقم حاصل کر کے پریشانی سے نجات پائیں۔

ان عالم بزرگوار نے بڑی جانفشانی سے مولا کا فرمان لکھا اور وزیراعظم سے ملاقات کا وقت لے کر ان سے ملنے گئے۔

وزیراعظم نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: مالک اشتر کے نام امیر المؤمنینؑ کا فرمان ہے۔

وزیراعظم نے قدرے تامل کیا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ یہ بزرگوار کچھ دیر

Marfat.com

تک بیٹھے رہے اور پھر جانے کیلئے اٹھے لیکن وزیراعظم نے کہا: ''نہیں، آپ تشریف رکھیں۔''

یہ بزرگوار پھر بیٹھ گئے۔ لوگ آتے رہے اور جاتے رہے۔ آخر وہ دوبارہ جانے کے لئے اٹھے لیکن وزیراعظم نے پھر روک لیا اور کہا کہ جناب، آپ تشریف رکھیں۔ جب نوکروں کے علاوہ سب لوگ چلے گئے تو انہوں نے پھر جانا چاہا لیکن وزیراعظم نے کہا کہ آپ بیٹھے رہیں مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ پھر اس نے خادم سے کہا کہ دروازہ بند کردو اور کسی کو اندر مت آنے دو۔ بعد ازاں ان عالم کو اپنے قریب بلایا اور جب وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گئے تو کہا: آپ نے یہ کیوں لکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: چونکہ آپ وزیراعظم ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ آپ کی کچھ خدمت بجالاؤں اور اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوسکتی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں امیرالمؤمنینؑ کا فرمان پیش کروں۔ یہ فرمان حکومت کا دستور اور اسلامی معیار ہے۔

وزیراعظم نے کہا: آپ ذرا قریب آئیں اور پھر دبے لفظوں میں ان سے پوچھا: کیا خود علیؑ نے بھی اس پر عمل کیا تھا یا نہیں؟

انہوں نے جواب دیا: ہاں! عمل کیا تھا۔

وزیراعظم نے کہا: جب انہوں نے خود عمل کیا تو انہیں شکست کے علاوہ کیا حاصل ہوا کہ اب آپ یہ میرے پاس لائے ہیں تاکہ میں اس پر عمل کروں؟

اس عالم نے کہا: آپ نے یہ بات مجھ سے لوگوں کے سامنے کیوں نہیں کہی اور کیوں اس بات کا انتظار کیا کہ سب چلے جائیں حتیٰ کہ نوکروں کو بھی نکال دیا اور مجھے نزدیک بلا کر دھیمی آواز میں پوچھا۔ آپ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟ آپ ان لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ آپ لوگوں کی کس چیز سے ڈرتے ہیں؟ کیا علیؑ کے علاوہ کوئی ہے جس نے لوگوں کے خیالات کو متاثر کیا ہو؟ اس وقت کہاں ہے امیرشام جس نے آپ کی طرح عمل کیا؟ آپ خود مجبور ہیں کہ امیرشام پر لعنت بھیجیں۔ لہذا علیؑ نے شکست نہیں کھائی۔ آج بھی علیؑ کے طرز فکر کی حمایت کرنے والے موجود ہیں۔ آج بھی حق فتح مند ہے۔ یہ ایک مثال تھی لیکن اس سے حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ (حق و باطل ص ۵۹-۶۰)

دھوئیں والی مشین کی منطق

ہمارے ایک دوست نے جو بڑے نکتہ سنج آدمی ہیں ایک بہت اچھی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ وہ اصطلاح ''دھوئیں والی مشین کی منطق'' ہے۔ جب ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ ''دھوئیں والی مشین کی منطق'' سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے بتایا کہ میں نے کافی عرصہ پہلے ایک چیز دیکھی تھی اور اپنے اس مشاہدے کی روشنی میں معاشرے کو دھوئیں والی مشین کی منطق کی رو سے پہچانتا ہوں۔

جب میں بچہ تھا تو ہمارا گھر حضرت شاہ عبدالعظیم میں تھا۔ اس وقت ریل گاڑی اس طرح نہ چلتی تھی بلکہ فقط تہران اور شاہ عبدالعظیم کے درمیان چلتی تھی۔ میں دیکھتا تھا کہ جب ریل گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہوتی تھی تو بچے اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور اسے دیکھتے تھے اور زبان حال سے کہہ رہے ہوتے تھے کہ دیکھو کتنی عجیب چیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دلوں میں اس ریل گاڑی کے لئے ایک عجیب احترام کے قائل ہیں۔ جب تک گاڑی کھڑی رہتی تھی وہ اسے بڑی تعریفی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے چلنے کا وقت ہو جاتا تھا اور وہ روانہ ہو جاتی تھی۔ جونہی گاڑی حرکت کرتی تھی بچے پتھر اٹھاتے تھے اور اسے پتھر مارنے لگتے تھے۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اگر گاڑی کو پتھر مارنے چاہئیں تو کیا وجہ ہے کہ جب تک وہ کھڑی رہتی ہے کوئی اسے ایک چھوٹا سا ڈھیلا بھی نہیں مارتا اور اگر یہ قابل تعریف ہے تو تعریف کا بہترین وقت وہ ہے جب وہ حرکت کرتی ہے۔ میرے لئے یہ چیز ایک معما بنی رہی حتیٰ کہ میں بڑا ہوگیا اور عملی زندگی میں داخل ہوگیا۔ تب میں نے یہ چیز نوٹ کی کہ ہم ایرانیوں کی زندگی کا عام دستور یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص یا کوئی چیز حالت سکوت میں ہوتی ہے تو اس کی تعظیم وتکریم کی جاتی ہے لیکن جونہی وہ حرکت کرتی ہے اور کوئی قدم اٹھاتی ہے تو نہ فقط یہ کہ کوئی اس کی مدد نہیں کرتا بلکہ اسے پتھر مارے جاتے ہیں۔ یہ ایک جامد اور مردہ معاشرے کی علامت ہے۔ اس کے برعکس ایک زندہ اور متحرک معاشرہ فقط ان لوگوں کا احترام کرتا ہے جو کلام کرتے ہوں، متحرک ہوں اور باخبر ہوں نہ کہ خاموش، ساکن اور بے خبر۔

پس یہ زندگی اور موت کی علامات ہیں اور زندگی کی بہت سی دوسری علامات میں سب سے زیادہ واضح اور نمایاں ہیں۔ (حق باطل ص۸۴تا۸۶)

مرجئ اور شیعہ

احمد امین مصر کے ایک جانے پہچانے ادیب ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''ضحیٰ الاسلام'' میں ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ احمد امین اگرچہ خود شیعوں سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن یہ واقعہ بیان کرتے وقت وہ ایک شخص کا نام لیتے ہیں جو کہتا ہے کہ ایک شیعہ اور ایک مرجئ، تشیع اور ارجاء کے عقیدے پر آپس میں بحث کر رہے تھے۔

مرجئ کہتا تھا کہ مرجۂ کے اصول زیادہ صحیح ہیں اور شیعہ کہتا تھا کہ شیعوں کے اصول زیادہ صحیح ہیں۔ مرجئ کہتا تھا کہ عمل کوئی چیز نہیں اصل چیز ایمان ہے اور شیعہ کہتا تھا کہ ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ دریں اثناء ایک گویا وہاں آ پہنچا (چونکہ اس گویے کا ذکر اغانی میں آیا ہے اس مناسبت سے میں کہتا ہوں کہ وہ گویا تھا)۔ وہ گویا بھی ہوشیار آدمی تھا اور جاہل نہیں تھا۔ وہ کہنے لگے کہ اس سے پوچھتے ہیں کہ شیعہ حق پر ہیں یا مرجئ۔

اس شخص نے بڑی اچھی بات کہی۔ کہنے لگا: ''اعلای شیعئ و اسفلی مرجئ'' یعنی میرا اوپر کا دھڑ شیعہ ہے اور نیچے کا دھڑ مرجئ ہے۔ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں عقیدے کے لحاظ سے شیعہ ہوں لیکن عمل کے لحاظ سے مرجئ ہوں۔ یعنی میں شیعوں کے عقیدے کو درست مانتا ہوں لیکن عملی طور پر مرجئ ہوں۔ کیا اب یہ بات ہمیں قبول کر لینی چاہئے کہ اس وقت ہم ایک ایسی قوم ہیں جو سوچ کے لحاظ سے بھی مرجئ ہے اور عمل کے لحاظ سے بھی مرجئ۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے بیان کیا جانا چاہئے کہ دین کے بارے میں ہماری سوچ نیم مردہ یا مردہ ہو گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مرجئ انداز فکر کے ساتھ جو عمل کا خاتمہ کر دیتا ہے ہمارا کیا بنے گا؟ اس انداز فکر کے ساتھ کیا دنیا باقی رہے گی۔ کیا آخرت باقی رہے گی؟ کیا عزت باقی رہے گی؟ کیا خوش بختی باقی رہے گی؟ کیا ''اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ'' باقی رہے گا؟ ہرگز نہیں۔

(دہ گفتار ص ۱۲۳۔۱۲۴)

Marfat.com

رسول اکرمؐ کی ایک حدیث

اس وقت ایک حدیث میرے ذہن میں آئی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ سترہ اٹھارہ سال قبل جب میں نے یہ حدیث پڑھی تھی تو مین اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ میں نے اس چیز کو محسوس کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کی حیات مبارکہ میں ایسے حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں جو کسی دوسرے کی سوانح حیات میں نظر نہیں آتے۔ جب انسان غور کرتا ہے کہ ایک ''امی لقب'' نے ایک ایسے ماحول میں اتنے شاندار نقوش ثبت کئے تو وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے اور اسے آنحضرتؐ کے غیر معمولی انسان ہونے کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ میں نے یہ حدیث ''داستان راستاں'' میں بھی نقل کی ہے۔ حدیث یہ ہے:

ایک مرتبہ رسول اکرمؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک سفر پر جا رہے تھے (یہ نقل نہیں کیا گیا کہ کون سے سفر پر جا رہے تھے)۔ ظہر کے وقت آپ نے اہل قافلہ کو اترنے کا حکم دیا۔ سب اپنی سواریوں سے نیچے اتر آئے۔ آنحضرتؐ بھی اتر آئے اور ایک طرف چلنے لگے۔ اصحاب نے خیال کیا کہ آپ ضرور قضائے حاجت کے لئے ادھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ سبھی اصحاب پیادہ پا ہوگئے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ اپنے اونٹ سے کچھ دور جا کر واپس مڑے۔ اصحاب نے گمان کیا کہ شاید آپ نے اس جگہ کو پڑاؤ ڈالنے کے لئے مناسب نہیں سمجھا اور یہ حکم دینے کے لئے واپس آئے ہیں کہ ہم آگے جا کر کسی دوسری جگہ پر اتریں گے۔ آنحضرتؐ اپنی سواری کے جانور کی طرف مڑے اور کسی سے کوئی بات کئے بغیر اپنے اونٹ کے پاس پہنچ گئے۔ پھر اصحاب نے دیکھا کہ آپ نے اس تھیلے میں ہاتھ ڈالا جو اونٹ کی پیٹھ پر لدا ہوا تھا اور اس میں سے عقال یعنی اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی رسی نکالی اور اس سے اونٹ کے گھٹنے باندھے اور پھر اسی پہلے راستے پر چل دیئے۔ اصحاب سمجھ گئے کہ آنحضرتؐ اتنی دور سے اونٹ کے گھٹنے باندھنے کے لئے لوٹ کر آئے تھے۔ کتنا چھوٹا سا کام تھا۔

اصحاب نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ اتنے سے کام کے لئے اتنی دور سے واپس آئے، آپ نے ہمیں حکم کیوں نہ دیا۔

Marfat.com

یہ وہ اصحاب تھے جو آنحضرتؐ کے جاں نثار تھے اور اگر آپ حکم دیتے کہ سمندر یا آگ میں کود پڑو، تو وہ کود پڑتے۔ وہ حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں تلواروں کا سامنا کرتے تھے اور آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنا ان کے لئے باعث افتخار تھا۔

انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ نے دور سے کیوں نہ یہ حکم دے دیا تاکہ ہم یہ کام کر دیتے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "لَا یَسْتَعِنْ اَحَدُکُمْ مِنْ غَیْرِہٖ وَلَوْ بِغَرْقَۃٍ مِنْ سِوَاکٍ" اپنے کسی چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے چاہے ایک مسواک طلب کرنا ہی کیوں نہ ہو دوسروں سے ہرگز مدد نہ مانگو۔

یعنی جہاں تک ممکن ہو اپنا کام خود کرنا چاہئے اور دوسروں کو اپنے کام کے لئے تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ (حق و باطل ص۱۲۲ تا ۱۲۴)

قلمی نسخہ

مجھے یاد ہے کہ میرے استاد گرامی مرحوم آقا میرزا مہدی آشتیانی اعلی اللہ مقامہ نے ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ وہ واقعی ایک بلند پایہ دانشور اور عظیم فلسفی تھے۔ وہ تقریباً ۲۵ سال قبل قم تشریف لائے تھے اور درس دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے بتایا کہ:

میں ایک کتب فروش کے پاس گیا اور اس سے ایک کتاب مانگی۔ کتب فروش نے مجھے ریاضی کی ایک ایسی کتاب کا قلمی نسخہ دکھایا جس سے میں واقف نہیں تھا۔

کتب فروش مجھ سے کہنے لگا: میرزا صاحب! شاید کتاب آپ کے لئے کارآمد ہو۔ آپ یہ مجھ سے خرید لیں۔ میں نے پوچھا: اس کی کیا قیمت ہے؟ اس نے کہا: دس تومان۔

Marfat.com

اس زمانے میں دس تومان ایک بڑی رقم تھی اور میرے پاس اس وقت اتنی رقم نہیں تھی کہ ادا کرسکوں لیکن جب میں نے کتاب دیکھی تو مجمل طور پر سمجھ گیا کہ یہ ان کتابوں میں سے ہے جو اسلامی ریاضی دانوں نے لکھی ہے اور ممکن ہے کہ یہ کافی قیمتی ہو۔

میں نے کتب فروش سے کہا: قیمت میں کچھ کمی کرو تو میں کتاب خرید لوں گا لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ کتاب ابھی تک بک شیلف میں رکھی ہوئی تھی اور ہم بھاؤ تاؤ کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک یورپین دکان میں داخل ہوا اور اس کی نگاہ کتاب پر پڑی۔

اس نے پوچھا: اس کتاب کی قیمت کیا ہے؟

کتب فروش نے کہا: دس تومان۔

اس نے جیب سے فوراً دس تومان نکالے اور کتاب لے کر چلا گیا۔

بعد میں ہمیں پتا چلا کہ یہ کتاب ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو منتقل ہوتی رہی اور تہران میں ہی نسخہ شناسوں نے اسکی اتنی زیادہ قیمت لگائی ہے کہ اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

معلوم ہوا کہ اول تو کتاب اپنے مندرجات کے لحاظ سے بے حد نفیس تھی اور دوسری بات یہ کہ اس کا یہی ایک نسخہ تھا جو یورپ کی لائبریریوں کے لئے لے جایا گیا تھا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ یورپی آدمی یورپ کی ایک لائبریری کی جانب سے اس کام پر مامور تھا کہ یہ کتاب اور شاید ایسی ہی بعض دوسری کتابیں سرزمین مشرق کی لائبریریوں سے تلاش کرے اور اپنے ساتھ لے جائے۔

یہ ہے فرق ایک باہمت اور لائق قوم میں جو دوسروں کے علمی سرمائے کی قیمت کو سمجھتی ہے اور پھر ان کی کتابیں جمع کرتی ہے اور اپنی لائبریریوں کی زینت بناتی ہے اور ایک ایسی قوم میں جو اتنا شاندار ماضی رکھنے کے باوجود نالائقی کی اس حد تک جا پہنچی ہے کہ اسے اتنا بھی پتا نہیں کہ ایسے قیمتی سرمائے اس کے پاس موجود ہیں اور پھر ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کرے۔

(امداد ہای غیبی درزندگی بشر ص ۱۶۳-۱۶۴)

یمن

یمن ان علاقوں میں سے ہے جہاں کے لوگ کسی لشکرکشی کے بغیر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے اسلام لانے کی وجہ رسول اکرمؐ کا وہ خط تھا جو آپ نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو اسلام قبول کرنے کے لئے لکھا تھا۔

ایسے ہی خطوط کئی ایک دوسرے فرمانرواؤں کو بھی لکھے گئے تھے۔ ان میں سے بعض نے کوئی جواب نہ دیا اور بعض نے مؤدبانہ جواب دیئے اور نہ صرف آنحضرتؐ کے ایلچیوں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے بلکہ آنحضرتؐ کے لئے تحفے بھی بھیجے۔

خسرو پرویز وہ واحد شخص تھا جس نے گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ اس نے آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک پھاڑ دیا اور پھر اپنے ایک نمائندے کے ہاتھ یمن کے بادشاہ کے نام ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ یہ کون شخص ہے جو جزیرۃ العرب میں نمودار ہوا ہے؟ اس نے مجھے خط لکھنے کی جرأت کی ہے اور اسلام کی دعوت دی ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھا ہے۔ تم فوراً ایک آدمی بھیجو جو اس شخص کے بارے میں تحقیقات کرے اور اسے دست بستہ یمن لائے اور پھر تم اسے میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اسے سزا دوں۔

یمن کے بادشاہ نے خسرو پرویز کے نمائندے کے ساتھ ایک اور آدمی کو اپنے نمائندے کے طور پر رسول اکرمؐ کی خدمت میں مدینہ بھیجا اور کہلا بھیجا کہ خسرو پرویز نے اس مضمون کا خط لکھا ہے۔ آپ کیا جواب دیتے ہیں؟

رسول اکرمؐ نے انہیں کچھ عرصہ انتظار کرنے کو کہا اور فرمایا: جب تک میں تمہیں جواب نہ دوں تم یہیں رہو۔

کافی دن گزر گئے تو وہ نمائندے دوبارہ آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: بعد میں آنا تاکہ میں تمہیں جواب دوں۔ پھر وہ تیسری مرتبہ آئے۔ یوں آنحضرتؐ نے انہیں چالیس دن تک روکے رکھا۔ بالآخر وہ ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ ہمیں بتائیں کہ

Marfat.com

آپ ہمارے آقا پرویز کو کیا جواب دیتے ہیں؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس کا جواب یہ ہے کہ پچھلی رات ہمارے "آقا" نے تمہارے آقا خسرو پرویز کا پیٹ اس کے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں پھاڑ دیا اور اس کا کام تمام ہو گیا ہے تم لوگ چلے جاؤ کیونکہ صورتحال بدل گئی ہے۔[1]

جب وہ واپس پہنچے اس وقت تک یہ خبر یمن کے بادشاہ تک نہیں پہنچی تھی۔ جب انہوں نے اسے یہ خبر پہنچائی تو اس نے کہا: سبحان اللہ! اگر یہ اطلاع درست ہے تو یہ چیز اس شخص کی نبوت کی علامت ہے۔

چند روز گزرنے کے بعد شیرویہ کا نمائندہ آیا اور اس کا پیغام لایا کہ خسرو پرویز قتل ہو گیا ہے اور اب میں اس مملکت کا بادشاہ ہوں۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس نے عربستان میں نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا ہے تو تم اس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرو۔ (سیرۃ نبوی ص ۱۱۸۔۱۱۹)

منجم کی پیشگوئی

نہج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت امیرالمومنینؑ نے خوارج کے خلاف جنگ نہروان کے لئے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو اشعث بن قیس جو اس وقت آپ کے ساتھیوں میں سے تھا تیزی سے آگے آیا اور کہنے لگا: یا امیرالمؤمنینؑ! صبر کیجئے، جلدی نہ کیجئے کیونکہ میرا ایک رشتہ دار آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

آپ نے اسے حاضر ہونے کی اجازت دی۔ وہ آیا اور اس نے عرض کیا: یا امیرالمؤمنینؑ! میں منجم ہوں اور سعد و نحس ایام کو پہچاننے کا ماہر ہوں۔ مجھے اپنے حساب سے یہ

۱۔ طبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۰۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۵۹۔ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۸۱۔ بحار الانوار، ج ۲، ص ۳۸۹۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۶۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۹۶۔ سیرۃ حلبی، ج ۳، ص ۲۷۸۔

Marfat.com

پتا چلا ہے کہ اگر آپ اس وقت کوچ کریں گے اور جنگ کے لئے جائیں گے تو یقیناً شکست کھائیں گے۔ آپ اور آپ کے اکثر اصحاب مارے جائیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: جو شخص تمہاری تصدیق کرے وہ رسول اکرمؐ کو جھٹلاتا ہے۔ تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو؟

پھر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: بسم اللہ پڑھو اور خدا پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے اس منجم کی رائے کے باوجود فوراً کوچ کرو اور روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اس جنگ میں حضرت امیرالمومنینؑ نے جتنی زبردست فتح حاصل کی اتنی کسی اور جنگ میں حاصل نہیں کی۔ (سیرت نبوی ص ۳۶)

جعلی حدیث

امیر شام کی حکومت میں ابوہریرہ مکے کے والی مقرر ہوئے تھے۔ ان دنوں عکہ سے پیاز کا ایک بیوپاری مکہ آیا لیکن اسے پیاز کے خریدار دستیاب نہ ہوسکے جس کی وجہ سے پیاز خراب ہو رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ اب کیا کروں؟ آخر وہ والیٔ مکہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: اے ابوہریرہ! آپ ایک ثواب کا کام کرسکتے ہیں؟ ابوہریرہ نے پوچھا: کیسا ثواب کا کام؟ اس نے کہا: میں ایک مسلمان ہوں، مجھے بتایا گیا تھا کہ مکہ میں پیاز پیدا نہیں ہوتی اور نایاب ہے اور مکہ والوں کو پیاز کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میرے پاس جو سرمایہ تھا میں نے اس سے پیاز خرید لی لیکن یہاں مکے میں میری پیاز کوئی نہیں خرید رہا اور یہ خراب ہو رہی ہے۔ آپ ایک مسلمان کا مال ضائع ہونے سے بچاسکتے ہیں۔

ابوہریرہ نے کہا: بہت خوب! تم نماز جمعہ کے وقت وہ پیاز فلاں جگہ لے آؤ۔

چنانچہ جمعہ کے دن جب اہل مکہ نماز کے لئے جمع ہو گئے تو ابوہریرہ نے کہا: اَیُّهَا النَّاسُ سَمِعْتُ مِنْ حَبِیْبِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ اَکَلَ بَصَلَ عَکَّةٍ فِیْ مَکَّةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ.

Marfat.com

اے لوگو! میں نے اپنے حبیب رسول خداؐ سے سنا ہے کہ جو شخص عکہ کا پیاز مکہ میں کھائے اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

یہ سن کر لوگ پیاز پر ٹوٹ پڑے اور ایک گھنٹے کے اندر اندر اس شخص کی ساری پیاز بک گئی۔ ابوہریرہ بھی دل ہی دل میں خوش تھے کہ انہوں نے ایک مسلمان کو نقصان سے بچالیا ہے۔ (سیرت نبوی ص ۵۷-۵۸)

خدا کی رزاقیت

یکی طفل ، دندان بر آوردہ بود
پدر سر بہ فکرت فرو بردہ بود
کہ من نان و برگ از کجا آرامش
مروت نباشد کہ بگذارمش
چو بیچارہ گفت ایں سخن نزد جفت
نگر تا زن او را چہ مردانہ گفت
مخور ہول ابلیس تاجان دہد
ہر آن کس کہ دندان دہد نان دہد
توانا است آخر خداوند روز
کہ روزی رساند تو چندین مسوز
نگارندۂ کودک اندر شکم
نویسندۂ عمر و روزی است ہم

ایک بچے نے دانت نکالے تو اس کا باپ فکر مند ہوگیا کہ میں اس کے لئے سبزی روٹی کہاں سے لاؤں گا اور اسے یونہی چھوڑ دینا بھی مروت کے منافی ہے۔

Marfat.com

جب اس بے چارے نے یہ بات اپنی بیوی سے کہی تو آپ دیکھیں کہ اس عورت نے اسے کتنے حوصلے سے جواب دیا۔

اس نے کہا: شیطان کا فریب نہ کھاؤ کہ کہیں تمہاری جان ہی نکال دے۔ خدا کی رزاقیت سے مایوس مت ہو۔ جو خدا دانت دیتا ہے وہ روٹی بھی دیتا ہے۔

تم غم مت کھاؤ۔ ہمارا خدا جو ہر روز ہر ایک کو روزی دیتا ہے وہ طاقت والا ہے۔

جو خدا شکم مادر میں بچے کی شکل وصورت بناتا ہے وہ اس کی عمر اور روزی بھی لکھ دیتا ہے۔ (بیست گفتار ص ۶۶)

سربلندی

ایک بادشاہ کا دشمن کافی عرصے تک چھپا رہا لیکن آخرکار بادشاہ نے اسے ڈھونڈ نکالا اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ وہ ایک مدت تک سولی پر لٹکا رہا۔ جس شخص کو سولی پر لٹکایا گیا تھا ایک شاعر اس کا ارادت مند تھا۔ اس شاعر نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ کہا اور لوگوں میں پھیلا دیا۔ پہلے تو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کام کس نے کیا ہے لیکن بعد میں شاعر کا پتا چل گیا۔ اس قصیدے کا ایک شعر یہ تھا:

عَلُوٌ فِی الْحَیَاۃِ وَفِی الْمَمَاتِ
لِعُمْرِیْ ذَاکَ اِحْدَی الْمُحْکَمَاتِ

یعنی وہ زندگی میں بھی اور موت میں بھی سربلند رہا کیونکہ وہ سولی کے اوپر مرا۔

بعد میں جس بادشاہ نے اس شخص کو سولی پر لٹکایا تھا کہا: میں اس بات کے لئے تیار تھا کہ مجھے سولی پر لٹکا دیا جاتا اور یہ شعر میرے لئے کہا جاتا۔ (سیرت نبوی ص ۳۲۔۳۳)

Marfat.com

حدیث طیر

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں:

انصاران مدینہ میں سے کوئی ایک شخص ہر روز رسول اکرمؐ کے کام انجام دیا کرتا تھا۔ ایک روز میری باری تھی۔

اُمِّ ایمن ایک بھنا ہوا پرندہ آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں اور کہا: یارسول اللہؐ! میں نے یہ پرندہ خود پکڑا ہے اور آپ کے لئے پکایا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے پروردگار! اپنے محبوب ترین بندے کو بھیج تا کہ وہ یہ پرندہ کھانے میں میرے ساتھ شریک ہو۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: دروازہ کھولو۔

میں نے دل میں کہا کہ کاش یہ کوئی انصار کا آدمی ہو، لیکن میں نے دیکھا کہ سامنے علیؑ کھڑے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ رسول اکرمؐ کسی کام میں مصروف ہیں اور واپس آ کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: دروازہ کھولو۔ میں نے دوبارہ دعا کی کہ یہ انصار کا کوئی آدمی ہو لیکن جب دروازہ کھولا تو پھر علیؑ کو کھڑا پایا۔ میں نے ان سے کہا کہ رسول اکرمؐ کسی کام میں مصروف ہیں اور واپس آ کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ ایک بار پھر دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: انس! جاؤ دروازہ کھولو اور جو شخص آیا ہے اسے گھر کے اندر لے آؤ۔ تم پہلے شخص نہیں ہو جسے اپنی قوم سے محبت ہے۔ وہ انصار میں سے نہیں ہے۔

میں گیا اور علیؑ کو گھر میں لے آیا اور انہوں نے رسول اکرمؐ کے ساتھ پرندے کا بھنا ہوا گوشت کھایا۔ (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام ص ۹۷-۹۸)

خطرناک دشمن

عارفین کے نزدیک ''نفس'' انسان کا ایک اندرونی دشمن ہے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

تو با دشمن نفس ہم خانہ ای

چہ دربند پیکار، بیگانہ ای

''تم اپنے دشمن نفس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہو، بیگانے کے ساتھ جنگ میں کیوں الجھے ہوئے ہو۔''

یہی مفہوم آنحضرتؐ کے مقدس کلام سے بھی ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اَعْدیٰ عَدُوِکَ نفسکَ الَّتِیْ بَیْنَ جنَابَیْکَ.'' یعنی تمہارا خطرناک ترین دشمن خود تمہارا نفس ہے جو تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان واقع ہے۔

شیخ سعدیؒ گلستان میں کہتے ہیں کہ ایک عارف سے حدیث رسولؐ ''اَعْدیٰ عَدُوِکَ نَفْسُکَ'' کے معنی پوچھے گئے تو اس نے یوں جواب دیا:

اس کی وجہ یہ ہے کہ سوائے نفس کے تم جس دشمن سے نیکی کا سلوک کرو اور جو کچھ وہ چاہے اسے دے دو تو وہ تمہارا دوست بن جاتا ہے۔ لیکن تم نفس کی جتنی خواہشیں پوری کرو گے اتنا ہی وہ تمہارا زیادہ دشمن ہو جائے گا۔

جاننا یا نہ جاننا

جب ابوریحان مرض الموت میں مبتلا تھے اور جان کنی کی حالت میں تھے تو ایک فقیہ جو ان کے ہمسائے تھے وہ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ اس وقت ابوریحان کے ہوش و حواس بجا تھے۔ جب ان کی نظر مرد فقیہ پر پڑی تو ابوریحان نے ان سے وراثت یا کسی اور چیز کے بارے میں ایک فقہی مسئلہ پوچھا۔

Marfat.com

فقیہ کو تعجب ہوا اور انہوں نے معترضانہ انداز میں کہا کہ اس وقت جب کہ آپ جان بہ لب ہیں مجھ سے مسئلہ دریافت کر رہے ہیں؟

ابوریحان نے جواب میں کہا: میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ کیا یہ بہتر ہے کہ مجھے ایک چیز کے بارے میں علم رکھتے ہوئے موت آئے یا جہالت مین مرجانا بہتر ہے۔

فقیہ نے کہا: بہتر یہ ہے کہ آپ علم رکھتے ہوں اور موت آئے۔

ابوریحان نے کہا: میں آپ سے یہ مسئلہ اسی وجہ سے پوچھ رہا ہوں۔

فقیہ کہتے ہیں کہ جب میں گھر واپس پہنچا اور زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پڑوس سے آواز آئی کہ ابوریحان انتقال کر گئے ہیں۔ میں نے ان کے بچوں کی گریہ وزاری کی آواز سنی۔

ایسے شخص کو بڑا آدمی کہتے ہیں جو علم کی راہ میں عظیم عزم کا مالک ہو۔

بوسعید اور بوعلی سینا

یہ ایک مشہور قصہ ہے جس کا ذکر کتابوں میں بھی آیا ہے۔

بوعلی سینا کا زمانہ چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی کے اوائل کا زمانہ ہے۔ ان کی وفات ۴۲۸ھ ہجری میں واقع ہوئی۔

بوعلی سینا جو ایک عظیم فلسفی اور سالک تھے، بلند پایہ عارف ابوسعید ابوالخیر کے ہم عصر بھی تھے۔

بوعلی سینا اپنی جائے پیدائش یعنی ماوراء النہر میں بلخ اور بخارا کے شہروں میں رہائش پذیر تھے لیکن بعد میں سلطان محمود کے ڈر سے وہاں سے بھاگ نکلے کیونکہ سلطان انہیں اپنے دربار میں لے جانا چاہتا تھا اور وہ وہاں جانا نہیں چاہتے تھے۔

بوعلی سینا نیشاپور آئے اور ابوسعید ابوالخیر سے ملاقات کی۔ لکھا ہے کہ وہ تین دن اور تین رات خلوت میں باتیں کرتے رہے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے علاوہ باہر نہیں آئے۔

Marfat.com

بعد میں جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور بوعلی سینا وہاں سے جانے لگے تو لوگوں نے بوعلی سینا سے پوچھا کہ آپ نے ابوسعید کو کیسا پایا؟

انہوں نے جواب دیا: ''جو کچھ میں جانتا ہوں وہ دیکھتے ہیں۔''

اسی طرح جب ابوسعید سے پوچھا گیا کہ آپ نے بوعلی کو کیسا پایا؟

انہوں نے جواب دیا: ''جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ اندھا بھی دیکھتا ہے اور میں جہاں کہیں بھی گیا وہ اندھا عصا ٹیکتا ہوا میرے پیچھے آ پہنچا۔''

(انسان کامل ص۱۰۳۔۱۰۴)

امام علیؑ کا مرتبہ

حضرت امیرالمومنینؑ دس سال کی عمر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر تربیت تھے۔ آپ ہر جگہ آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے حتیٰ کہ بعض مواقع پر غار حرا میں بھی آپ آنحضرتؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔

جب رسول اکرمؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ کی دنیا ہی بدل گئی تو جو آواز آنحضرتؐ نے ''عالم ملکوت'' سے سنی وہ حضرت امیرالمومنینؑ نے بھی سنی۔

امیرالمومنینؑ خود بیان فرماتے ہیں: ''وَلَقَدْ سَمِعْتُ رَنَّةَ شَيْطَانٍ حِيْنَ نَزَلَ الْوَحِيُ عَلَيْهِ— صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ— فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الرَّنَّةُ؟ فَقَالَ: هٰذَا الشَّيْطَانُ قَدْ اَلِيَسَ مِنْ عِبَادَتِهِ. اِنَّکَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ، وَتَرٰى مَا اَرىٰ، اِلَّا اَنَّکَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ.'' (نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۱۹۲ صفحہ ۳۰۱)

میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جب پہلی وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کے رونے کی آواز سنی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جو کچھ میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو لیکن یہ کہ تم نبی نہیں ہو۔ (انسان کامل ص۱۰۹)

Marfat.com

علیؑ اور یہودی گداگر

حضرت امیرالمؤمنینؑ نے ایک ذمی کو (جو بوڑھا اور نابینا تھا) دیکھا اور پوچھا: یہ شخص بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟

آپؑ کو بتایا گیا کہ یہ یہودی ہے۔ جب تک کام کرسکتا تھا کرتا رہا اور اب جب معذور ہوگیا ہے تو بھیک مانگنے لگا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: بڑی عجیب بات ہے۔ جب تک کام کرسکتا تھا کرتا رہا اور اب جب کام نہیں کرسکتا تو بھیک مانگتا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ بیت المال سے کچھ رقم اس کے لئے مقرر کردی جائے۔ یہ درحقیقت ایک قسم کی پنشن ہے۔ (تعلیم و تربیت اسلامی ص ۱۷۱)

شیعوں کا مرجع

شیخ انصاری علیہ الرحمہ جو تمام شیعوں کے مرجع تھے جب فوت ہوئے اس وقت بھی ان کی مالی حالت میں اس وقت کے مقابلے میں کوئی فرق نہ تھا جب وہ دزفول کے ایک نادار طالبعلم کی حیثیت سے نجف آئے تھے۔ جب بھی ان کے گھر کو دیکھتے تو پتا چلتا کہ انتہائی تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایک شخص نے ان سے کہا: آقا! آپ کمال کرتے ہیں۔ حقوق شرعیہ کی اتنی رقم آپ کے ہاتھ آتی ہے اور آپ ان میں سے کچھ بھی خرچ نہیں کرتے۔

آپ نے فرمایا: میں نے کیا کمال کیا ہے؟

اس شخص نے عرض کیا: کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کمال ہوسکتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ''میرا کام زیادہ سے زیادہ کاشان کے گدھے والوں کا ہے جو اصفہان جاتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں۔ کاشان کے گدھے والوں کو پیسے دیئے جاتے ہیں کہ

Marfat.com

وہ اصفہان جائیں اور سامان خرید کر کاشان لائیں۔ کیا آپ نے انہیں کبھی لوگوں کے مال میں خیانت کرتے دیکھا ہے؟ وہ اس مال کے امین ہیں اور اسے استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتے اور یہ بات سمجھنا اتنا مشکل نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" (سیرت نبوی ص ۲۹۔۳۰)

غیر مسلم سے محبت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کسی کے ساتھ ایک سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی غیر معمولی تکلیف میں مبتلا ہے۔ آپ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چلو دیکھیں کہ اس شخص کو کیا تکلیف ہے؟

اس شخص کی شکل و شباہت اور مخصوص لباس سے لگتا تھا کہ وہ غیر مسلم ہے۔ کمزوری کے باعث اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر امام علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھوکا پیاسا ہے اور بیابان میں تنہا رہ گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ اسے کھانا اور پانی مہیا کیا جائے۔ یوں اس کی جان بچ گئی۔

جو شخص امامؑ کے ساتھ تھا اس نے پوچھا: کیا ہم کافر سے بھی محبت کر سکتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں! ایسی محبت جو کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کا سبب نہ ہو۔ (تعلیم و تربیت اسلامی ص ۲۲۷۔۲۲۸)

نوشیروان "ظالم"

نوشیروان (جسے غلطی سے عادل مشہور کر دیا گیا ہے) کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ اس کی فوج کے ایک افسر کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ نوشیروان اس عورت پر دست درازی

Marfat.com

کی نیت سے اس افسر کی عدم موجودگی میں اس کے گھر گیا۔ بیوی نے شوہر کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ بے چارے شوہر نے سوچا کہ بیوی تو ہاتھ سے گئی، اس سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اب اس کی اپنی جان بھی خطرے میں ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔

جب نوشیروان کو پتا چلا کہ اس افسر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے تو اس نے افسر سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تمہارے پاس ایک بڑا خوبصورت باغ تھا لیکن آج کل تم نے وہ چھوڑ دیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس نے جواب دیا: میں نے اس باغ میں شیر کے پاؤں کے نشان دیکھے تو مجھے خوف ہوا کہ وہ مجھے پھاڑ کھائے گا۔

نوشیروان ہنسا اور کہنے لگا: آئندہ وہ شیر اس باغ میں نہیں جائے گا۔

(مسئلہ حجاب ص ۳۰)

آگ سے زیادہ گرم پیالے

حوزۂ علمیہ قم کے بانی مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی اعلی اللہ مقامہ نے سوچا کہ کچھ طالب علموں کو غیرملکی زبانوں اور بعض بنیادی علوم سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ نہ صرف جدید علوم کے مراکز بلکہ دوسرے ممالک میں جاکر اسلام کی تبلیغ کریں۔

جب یہ خبر پھیلی تو تہران سے عوام کا ایک ہجوم قم پہنچ گیا اور انہوں نے حضرت آیت اللہ کو الٹی میٹم دیا کہ کفار کی زبان نہ سکھائی جائے اور یہ کہ اگر صورت حال یہی رہی تو ہم یہ کردیں گے اور وہ کردیں گے۔

ان مرحوم نے جب دیکھا کہ اس کام کے جاری رکھنے سے حوزۂ علمیہ بند ہوجائے گا اور سارا کام ہی بگڑ جائے گا تو انہوں نے وقتی طور پر اپنا یہ عظیم منصوبہ ملتوی کردیا۔

(دہ گفتار ص ۲۶۳)

زہد اور رہبانیت

ایک روز تین عورتوں نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں آکر اپنے شوہروں کی شکایت کی۔

ایک نے کہا: میرا شوہر گوشت نہیں کھاتا۔

دوسری نے کہا: میرا شوہر خوشبو سے پرہیز کرتا ہے۔

تیسری کہنے لگی: میرا شوہر اکثر مجھ سے ترک تعلق کرتا ہے۔

رسول اکرمؐ غصے کے عالم میں جبکہ آپ کی چادر زمین پر خط دیتی جارہی تھی فوراً اپنے گھر سے مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر رونق افروز ہوکر فرمایا:

کیا وجہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے ایک گروہ نے گوشت، خوشبو اور عورتوں کو ترک کردیا ہے؟ بلاشبہ میں خود گوشت بھی کھاتا ہوں، خوشبو بھی استعمال کرتا ہوں اور بیویوں سے بھی قربت اختیار کرتا ہوں۔ جو شخص میرے طورطریقوں سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(مسئلہ حجاب ص ۲۵)

شیعی روحانیت

شیعی روحانیت نے روز اول سے صاحبان اقتدار سے بے نیازی کا رویہ برقرار رکھا ہوا ہے۔ سلاطین اور عمال حکومت ہمیشہ مجبور رہے ہیں کہ ان کی چوکھٹ پر بوسہ دیں اور ان کے حضور سر تسلیم خم کریں۔

میں جس زمانے میں قم میں مقیم تھا اور مرحوم آیت اللہ بروجردی اعلی اللہ مقامہ کی مرجعیت کا ابتدائی دور تھا تو تہران کے ایک مشہور اور دیندار تاجر نے اپنی شرعی ادائیگیوں کے سلسلے میں ایک بڑی رقم حوالے کی شکل میں ایک کاغذ کی سلپ پر لکھی اور قم آنے والے ایک

Marfat.com

شخص کے ذریعے آقا کی خدمت میں بھیج دی۔ جب کاغذ کی یہ سلپ حضرت آیت اللہ کے ہاتھ میں دی گئی تو انہوں نے وہ پرے پھینک دی اور فرمایا: ''آئندہ ایسی رقومات ہمارے لئے نہ بھیجیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہم پر احسان کر رہے ہیں۔ روحانیت اس سے کہیں زیادہ معزز، شریف اور محترم ہے کہ اس کی یوں توہین کی جائے۔'' یہ شیعہ پیشوا ہی ہے جو اس قدر بے نیازی کا اظہار کرتا ہے۔ بعد میں وہ تاجر معذرت کرنے کے لئے قم آیا اور رو کر اس قدر عاجزی اور التماس کرنے لگا کہ آپ نے اس کا عذر قبول کرلیا۔ (پیرامون انقلاب اسلامی ص۱۸۶)

یہ اس کی کم عقلی ہے

یہ ایک افسانہ ہے جو ضرب المثل بن گیا ہے اور بہت عام اور مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نجومی نے اپنا علم اپنے بیٹے کو سکھایا۔ نجومی بادشاہ کے دربار میں بہت زیادہ تنخواہ پاتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس کے بعد اس کا بیٹا اس عہدے پر فائز ہو۔

جس روز اس نے اپنے بیٹے کو شاہی دربار میں پیش کیا تو بادشاہ نے اس کا امتحان لینا چاہا۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی اتار کر مٹھی میں بند کرلی اور پوچھا کہ بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟

جوان نجومی نے کہا وہ چیز گول ہے۔ بادشاہ نے کہا درست ہے۔ اس نے کہا اس کے بیچ میں سوراخ ہے۔ بادشاہ نے کہا درست ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ ہے کیا چیز؟

اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہا: جناب وہ چکی کا پاٹ ہے۔

بادشاہ بے حد خفا ہوا اور اس نے اسکے باپ سے کہا: آخر تم نے اسے کیا علم سکھایا ہے؟

اس نے جواب دیا: حضور! میں نے اسے علم سکھانے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ یہ اس کی کم عقلی ہے۔ (تعلیم وتربیت اسلامی ص۵)

Marfat.com

اچھا گھر

مشہور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک دن اپنے ایک دوست یا شیعہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس کا مکان بہت چھوٹا اور بوسیدہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام جانتے تھے کہ اس شخص کی حیثیت اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کے پاس ایک بہتر گھر ہو۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: تم اس گھر میں کیوں رہ رہے ہو؟ سَعَادَةُ الْمَرْءِ سِعَةُ دَارِهٖ۔

اس نے جواب دیا: فرزند رسولؑ! یہ میرا آبائی گھر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ یہاں سے چلا جاؤں۔ میرے دادا یہیں رہتے تھے اور میرا باپ بھی یہیں رہتا تھا اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس گھر کو چھوڑوں۔

امامؑ نے فرمایا: اگر تمہارا باپ ناسمجھ تھا تو کیا تم بھی ناسمجھ رہنا چاہتے ہو۔ مانا کہ تمہارے باپ کو شعور نہ تھا تو کیا ضروری ہے کہ تم بھی بے شعور رہو؟ جاؤ اپنے لئے ایک اچھے گھر کا انتظام کرو۔ (تعلیم و تربیت اسلامی ص۲۶)

مثالی رہنما

ایک روز ایک عرب بدّو ایک حاجت لے کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں آیا۔ جب وہ آپ کے سامنے آیا تو جو باتیں اس نے سن رکھی تھیں ان کی بنا پر اس پر آپ کا رعب طاری ہوگیا اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

یہ دیکھ کر رسول اکرمؐ پریشان ہوگئے اور فرمایا: کیا مجھے دیکھ کر تمہاری زبان میں لکنت پیدا ہوگئی ہے؟ پھر آپ اس سے بغل گیر ہوگئے اور فرمانے لگے کہ گھبراؤ نہیں، تم ڈر کیوں رہے ہو، میں جابر فرمانرواؤں میں سے نہیں ہوں، میں تو اس عورت کا بیٹا ہوں جو

اپنے ہاتھوں سے بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتی تھی۔ میں تو تمہارے بھائی کی طرح ہوں۔تمہاری جو حاجت ہو بلا جھجک بیان کرو۔ (سیرت نبوی ص ۲۹)

انجام پر نگاہ رکھنا

ایک شخص رسول اکرمؐ سے درخواست گزار ہوا کہ آپ اسے کوئی نصیحت فرمائیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر میں تمہیں کوئی نصیحت کروں تو کیا تم اس پر عمل کرو گے؟

اس نے کہا: ضرور۔

آپ نے دوبارہ فرمایا: اگر میں کوئی نصیحت کروں تو کیا تم واقعی اس پر عمل کرو گے؟

اس نے کہا: جی ہاں ضرور۔

رسول اکرمؐ نے ایک مرتبہ پھر یہی الفاظ دہرائے۔ آنحضرتؐ کا تیسری مرتبہ یہ بات پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ جانتے تھے کہ جو کچھ آپ فرمانا چاہتے ہیں اس کے لئے اس شخص کو پوری طرح آمادہ کرلیں۔ جب آپ نے اس سے تین مرتبہ اقرار لے لیا اور اسے آمادہ کرلیا تو فرمایا:

اِذَا هَمَمْتَ بِاَمْرٍ فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهٗ. یعنی تم جس کام کا ارادہ کرو اس کے انجام پر نظر رکھو۔

یہی وہ چیز ہے جسے اسلامی ادب میں ''عاقبت اندیشی'' کہا گیا ہے۔ (تعلیم و تربیت اسلامی ص ۲۳۔۲۴)

رحم اور مہربانی

زمانۂ جاہلیت کے روساء میں سے ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے اپنے ایک فرزند کو اپنے زانو پر بٹھا کر پیار کر رہے تھے۔ اچانک اس

Marfat.com

شخص نے آنحضرتؐ سے کہا: میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے اپنی تمام عمر میں ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چوما (یہ جرمن فلاسفر فریڈرک نیچہ کی فکر ہے کہ چومنے کے معنی رحم کھانا ہے اور رحم کھانا کمزوری کی علامت ہے۔ ایسا کام ایک طاقتور انسان کو زیب نہیں دیتا)۔

اس روایت میں آیا ہے کہ یہ سن کر رسول اکرمؐ اس قدر خفا ہوئے کہ آپ کا چہرۂ مبارک سرخی سے تمتما اٹھا۔ آپ نے فرمایا: "مَنْ لاَ یَرْحَمْ لاَ یُرْحَمْ" یعنی جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرے گا۔

پھر آپ نے فرمایا: اگر خدا نے رحم تمہارے دل سے نکال دیا ہے تو میں کیا کروں۔

(انسان کامل ص ۱۶۸)

ایثار کی بہترین مثال

جنگ موتہ کے واقعات میں رسول اکرمؐ کے اصحاب کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ بڑا حیرت انگیز ہے اور اس چیز کو صحیح معنوں میں ایثار کہا جاسکتا ہے۔

جنگ موتہ میں کچھ صحابہ زخمی ہوگئے۔ چونکہ ایک زخمی انسان کے بدن سے خون بہہ جاتا ہے اسی لئے اسے خون کی ضرورت ہوتی ہے اور فطری طور پر پیاس اس پر غالب آجاتی ہے اور اسے پانی کی سخت حاجت محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ زخمی ہونا اور زیادہ خون بہہ جانا بذات خود پیاس لگنے کا موجب ہوتا ہے۔

ایک صحابی پانی کا برتن اٹھائے زخمی مسلمانوں کے درمیان گھوم پھر کر پیاسوں کو پانی پلا رہے تھے۔

وہ ایک زخمی کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ پیاسے ہیں۔ انہوں نے ان کو پانی پلانا چاہا لیکن انہوں نے ایک اور زخمی کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ پیاسے ہیں۔

جب وہ دوسرے زخمی کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک اور زخمی کی طرف اشارہ کیا

Marfat.com

کہ وہ مجھ سے زیادہ پیاسے ہیں، پہلے انہیں پانی پلاؤ۔ جب وہ تیسرے زخمی کے پاس پہنچے تو وہ شہید ہو چکے تھے۔

پس وہ واپس مڑے اور دوسرے صحابی کے پاس پہنچے لیکن وہ بھی شہید ہو چکے تھے اور جب وہ پہلے صحابی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بھی راہی جنت ہو چکے ہیں۔

اسے کہتے ہیں ایثار اور قربانی یعنی سخت ضرورت کے وقت بھی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا۔ (انسان کامل ص ۱۷۲)

عافیت کی قدر

شیخ سعدیؔ گلستان کے پہلے باب میں ایک داستان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ایک آقا اپنے غلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا۔ غلام نے پہلے کبھی سمندر نہیں دیکھا تھا چنانچہ وہ خوفزدہ ہو گیا اور چیخنے چلانے لگا۔ اس کے شور مچانے پر کشتی میں سوار دوسرے لوگوں کو بڑی کوفت ہوئی۔

وہاں ایک عقلمند شخص بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس چیز کا علاج جانتا ہوں۔ اس نے مشورہ دیا کہ غلام کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔ جب غلام نے اپنے آپ کو سمندر کی پرشور اور بے رحم لہروں کے درمیان موت سے ہمکنار دیکھا تو اس نے کشتی تک پہنچنے اور غرق ہونے سے بچنے کی بے انتہا کوشش کی۔ کچھ بے سود کوششوں کے بعد جب وہ ڈوبنے لگا تو دانا شخص نے کہا کہ اب اسے بچا لیا جائے۔ اس کے بعد غلام خاموشی سے بیٹھ گیا اور پھر کوئی آواز نہ نکالی۔

عقلمند شخص سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا راز تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ کشتی کی قدر و عافیت پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ وہ سمندر میں گرتا۔ (عدل الٰہی ص ۱۸۹)

Marfat.com

منطق کی پیروی

رسول اکرمؐ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ضمناً ایک داستان پر مشتمل ہے۔ اس داستان میں عملی طور پر عقل و شعور کی پیروی اور جذبات کی پیروی کے درمیان فرق کا پتا چلتا ہے۔

ایک اعرابی رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔

آنحضرتؐ نے اس کے جواب میں ایک چھوٹا سا جملہ ارشاد فرمایا: "لَا تَغْضَبْ" یعنی طیش میں مت آؤ۔

اس شخص نے اس نصیحت کو پلے باندھ لیا اور اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گیا۔ جب وہ اپنے قبیلے پہنچا تو اتفاقاً اس کے قبیلے اور ایک دوسرے قبیلے کے درمیان کسی جھگڑے کے سبب دشمنی پیدا ہو چکی تھی۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء تھے اور جنگ لڑنے پر آمادہ تھے۔

وہ شخص بھی اپنی پرانی عادت اور قومی تعصب کی بنا پر مشتعل ہو گیا اور اپنی قوم کی حمایت میں ہتھیار بدن پر سجا کر اپنی قوم کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ اسی دوران اسے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ اسے طیش میں نہیں آنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اپنے غصے پر قابو پایا اور سوچ میں پڑ گیا۔ ایک جھٹکے کے نتیجے میں اس کی عقل بیدار ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ آخر انسانوں کے دو گروہوں نے بلاوجہ کیوں ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت لیں۔ لہذا وہ دشمنوں کی صف کے قریب پہنچا اور اعلان کیا کہ اگر وہ کچھ تاوان لینا منظور کریں تو میں اپنی جیب سے ادا کرنے کو تیار ہوں۔

دوسرے قبیلے والوں نے بھی جب اس کا یہ حوصلہ دیکھا تو وہ اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئے اور دشمنی ختم ہو گئی۔ جو آگ احساسات کے جوش میں آنے سے بھڑک اٹھی تھی وہ عقل اور منطق کے پانی کے ذریعے بجھ گئی۔ (بیست گفتار ص ۲۴۳-۲۴۴)

Marfat.com

مہمانوں کی قاتل مسجد

اگرچہ سید جمال الدین افغانی کا زمانہ آج سے سو سال پہلے کا اور مسلمانوں کے انتہائی انحطاط کا زمانہ تھا لیکن جب وہ یورپ گئے تو انہوں نے سوچا کہ مشرق کے لوگوں کو بیدار کرنا چاہئے، ان کا تشخص ابھارنا چاہئے اور ان کے مقابلے میں اہل مغرب کی تحقیر کرنی چاہئے۔ چنانچہ سید صاحب نے خود اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے مجلہ ''عروۃ الوثقیٰ'' میں جسے وہ پیرس سے شائع کرتے تھے ''مہمانوں کی قاتل مسجد''[1] کی داستان بیان کی ہے۔ یہ بڑی عمدہ داستان ہے۔ یہ داستان مثنوی کی شکل میں لکھی گئی ہے اور اس کا خلاصہ یوں ہے:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پرانے زمانے میں مہمان خانے اور ہوٹل وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی بستی میں جاتا تھا اور وہاں اس کا کوئی دوست یا آشنا نہیں ہوتا تھا تو وہ عموماً مسجد میں چلا جاتا تھا اور وہیں ٹھہرا کرتا تھا۔ ''مہمانوں کی قاتل مسجد'' کی وجہ شہرت یہ تھی کہ جو شخص رات کو اس میں سوتا صبح کے وقت مسجد سے اس کا جنازہ نکلتا اور اس کی وجہ کسی کو معلوم نہ تھی۔ (عروۃ الوثقیٰ صفحہ ۲۲۳۔۲۲۴)

ایک روز ایک اجنبی اس شہر میں آیا۔ چونکہ اس کے پاس ٹھہرنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی لہذا وہ سونے کے لئے مسجد میں چلا گیا۔ لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اس مسجد میں قیام نہ کرو کیونکہ جو شخص رات کو اس مسجد میں سوتا ہے وہ زندہ نہیں رہتا۔

مسافر جو ایک شجاع اور دلیر شخص تھا کہنے لگا: میں زندگی سے بیزار ہوں اور موت سے بھی نہیں ڈرتا لہذا میں اسی مسجد میں رہوں گا جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

بہرحال وہ شخص رات کو مسجد میں سویا۔ آدھی رات کے وقت ہر طرف سے ڈراؤنی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ آوازیں اتنی خوفناک تھیں کہ شیر کا پتہ پانی ہوتا تھا۔

وہ آدمی یہ آوازیں سن کر اپنی جگہ سے اٹھا اور بہ آواز بلند کہنے لگا: تم جو کوئی بھی

۱۔ بلاشبہ سید جمال الدین افغانی نے اپنی داستان میں مسجد کا نام نہیں لیا بلکہ اسے معبد کہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ انہوں نے یہ قصہ یورپ میں شائع کیا تھا اس لئے مسجد کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

Marfat.com

ہو سامنے آؤ۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ آؤ اور جو کچھ تمہارا جی چاہے کرلو۔

اس آدمی کے یہ کہنے پر اچانک ایک ہولناک آواز بلند ہوئی اور مسجد کی دیواریں گر پڑیں اور اس کے پوشیدہ خزانے ظاہر ہو گئے۔

سید صاحب یہ تمہید بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں: برطانیہ عظمیٰ ایک ایسی ہی بڑی عبادت گاہ کی مانند ہے کہ راستہ بھٹکے ہوئے لوگ جب سیاسی تاریکی سے خوفزدہ ہوتے ہیں تو اس کے اندر پناہ لیتے ہیں اور پھر وحشت ناک اوہام انہیں گھیر لیتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ایک روز ایک ایسا آدمی جو زندگی سے ناامید ہو چکا ہوگا لیکن پختہ عزم کا مالک ہوگا اس عبادت گاہ کے اندر جائے گا اور بے خوف ہو کر اچانک ایک نعرہ بلند کرے گا۔ پھر دیواریں گر جائیں گی اور یہ عظیم سحر ٹوٹ جائے گا۔ (پیرامون انقلاب اسلامی ص۴۶-۴۷)

بہمنیار اور بوعلی سینا

بوعلی سینا اپنے حواس اور قوت متخیلہ کے لحاظ سے ایک غیر معمولی انسان تھے۔ ان کی نگاہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دور تک کام کرتی تھی اور ان کی سماعت بھی غیر معمولی تھی۔

یہاں تک کہ رفتہ رفتہ لوگوں نے ان کے متعلق افسانے گھڑ لئے تھے مثلاً لوگ یہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ وہ اصفہان میں تھے اور انہوں نے کاشان کے ظروف سازوں کے تیشہ چلانے کی آواز سنی۔

ان کا شاگرد بہمنیار ان سے کہا کرتا تھا کہ استاد! آپ ایک ایسے شخص ہیں کہ اگر پیغمبری کا دعویٰ کریں تو لوگ اسے قبول کرلیں گے اور خلوص دل سے آپ پر ایمان لے آئینگے۔

بوعلی سینا اس سے کہتے کہ یہ تم کیسی عجیب باتیں کرتے ہو؟ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

بہمنیار کہتا: نہیں میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یقیناً درست ہے۔

بوعلی سینا نے سوچا کہ اسے عملی طور پر بتائیں کہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ درست نہیں ہے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں وہ دونوں ہم سفر تھے۔ ان دنوں برف بہت زیادہ پڑ رہی تھی۔ طلوع فجر کے وقت جب مؤذن اذان دے رہا تھا اور بوعلی سینا جاگ رہے تھے تو انہوں نے بہمنیار کو آواز دی۔

بہمنیار نے جواب دیا: جی فرمایئے۔

بوعلی سینا نے کہا: اٹھو!

بہمنیار نے کہا: کیا کام ہے؟

بوعلی سینا نے کہا: مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ مجھے پانی لا دو۔

بہمنیار نے بوعلی سینا سے حجت کرنا شروع کر دی اور کہا: استاد! آپ خود طبیب ہیں اور اس بات کو بہتر جانتے ہیں کہ جب معدے میں گرمی ہو اور انسان ٹھنڈا پانی پیئے تو معدہ سرد ہو جاتا ہے اور انسان بیمار ہو جاتا ہے۔

بوعلی سینا نے کہا: میں طبیب ہوں اور تم میرے شاگرد ہو۔ مجھے پیاس لگی ہے لہذا تم جاؤ اور میرے لئے پانی لاؤ۔

بہمنیار نے دوبارہ دلیلیں دینا، نصیحت کرنا اور عذر پیش کرنا شروع کیا اور کہا: یہ درست ہے کہ آپ استاد ہیں لیکن میں آپ کی بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر میں آپ کی بھلائی کا خیال رکھوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں آپ کا حکم مانوں۔

جب بوعلی سینا نے بہمنیار پر یہ بات اچھی طرح ثابت کر دی کہ اس وقت ان کے لئے بستر سے اٹھنا مشکل ہے تو انہوں نے کہا: مجھے پیاس نہیں لگی، میں چاہتا تھا کہ تمہارا امتحان لوں۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے مجھے کہا تھا کہ میں پیغمبری کا دعویٰ کیوں نہیں کرتا؟ اگر میں پیغمبری کا دعویٰ کروں تو لوگ اس چیز کو قبول کر لیں گے۔ تم میرے شاگرد ہو اور کئی سال سے مجھ سے پڑھ رہے ہو۔ میں نے تم سے پانی لانے کو کہا لیکن تم نہیں لائے اور مجھ سے بحث کرنے لگے جبکہ یہ مؤذن رسول اکرمؐ کی وفات کے کئی سو سال بعد اپنے گرم بستر سے اٹھ کر اذان دینے کے لئے چبوترے پر جاتا ہے تاکہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی آواز دنیا تک پہنچائے۔ وہ پیغمبر ہیں نہ کہ میں جو کہ بوعلی سینا ہوں۔

(سیرت نبوی ص ۱۰۹-۱۱۰)

Marfat.com

توہم پرستی

خراسان میں ایک بات مشہور ہے جو میں نے ایران کے بعض دوسرے شہروں میں بھی دیکھی ہے۔ ہمارے استاد بزرگوار مرحوم مرزا علی آقا شیرازی نے اس کی حقیقت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ یہ بات کیوں اور کہاں سے شروع ہوئی۔ ہمارے ہاں فریمان میں یہ بات عموماً کہی جاتی تھی کہ اگر کوئی شخص سفر پر روانہ ہو اور دوران سفر اس کا پہلا ملاقاتی کوئی سید ہو تو اس سفر میں نحوست ہوتی ہے۔ اگر انسان وہ سفر کرے تو زندہ واپس نہیں آتا لیکن اگر اس کی ملاقات کسی اجنبی سے ہو تو وہ سفر مبارک ہوتا ہے۔

مرحوم میرزا علی آقا شیرازی فرماتے تھے کہ اس سوچ کا ایک سبب ہے۔ وہ سبب یہ ہے کہ بنی عباس کے دور حکومت میں جب سادات قتل کیے جانے لگے تو جہاں کہیں سادات ملتے تھے انہیں مار ڈالا جاتا تھا۔ اگر وہ کسی گھر سے مل جاتے تھے تو صرف صاحب خانہ کو ہی نہیں بلکہ اس کے سارے خاندان کو تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ اس ظلم کے نتیجے میں لوگ رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے کہ سید نحس قدم ہے۔ لیکن قدرتی طور پر منحوس نہیں بلکہ سیاسی معنوں میں منحوس ہے۔ یعنی حضرت امیرالمومنینؑ کا کوئی فرزند اگر کسی کے گھر میں موجود ہو تو وہ گھر برباد ہو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں میں تبدیلی آتی گئی اور وہ اس سیاسی نحوست کو قدرتی نحوست سمجھنے لگے۔

ایک سفر کے دوران خود میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ فریمان سے میرا یہ دوسرا یا تیسرا سفر تھا۔ میں قم جانا چاہتا تھا۔ گھر سے نکل کر میں فریمان تک جانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوا۔ چونکہ میرا گھر فریمان سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اس لئے میں فریمان تک گھوڑے پر جا رہا تھا تاکہ وہاں سے بس میں سوار ہو سکوں۔ میرے کچھ دوست بھی مجھے الوداع کہنے آئے ہوئے تھے۔ میں نے گھر میں والدہ مرحومہ، دیگر خواتین اور اپنی بہنوں کو خدا حافظ کہا۔ میری یہ عین خواہش تھی کہ جلدی واپس آؤں۔ جونہی میں گھوڑے پر سوار ہوا میں نے اچانک دیکھا کہ سامنے سے ایک سید چلا آ رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ خدا کرے کہ عورتوں کو اس بات کا پتا نہ چلے کیونکہ اگر انہیں معلوم ہو گیا تو وہ مجھے جانے نہیں دیں گی۔ میں رک گیا۔

Marfat.com

سید آگے آیا۔ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا آپ سیدھے قم جائیں گے یا راستے سے لوٹ آئیں گے اور دوبارہ یہاں سے جائیں گے؟

اس نے کہا: جناب انشاء اللہ اب آپ لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے۔

میں نے جواب دیا: نہیں! انشاء اللہ اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔

میں نے سوچا کہ اگر یہ بات عورتوں کے کانوں تک پہنچ گئی کہ میری سید سے ملاقات ہوئی ہے اور پھر اس نے یہ بھی کہا کہ انشاء اللہ آپ لوٹ کر نہیں آئیں گے، تو وہ جیتے جی میری زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھیں گی حالانکہ میں گیا بھی اور واپس بھی آ گیا اور مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔

ایک مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی فکر ان توہمات میں الجھائے رکھے۔ آخر خدا پر توکل کرنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ ہم توکل اور توسل کا نام بھی لیتے ہیں اور کالی بلی سے بھی ڈرتے ہیں۔

جو شخص توکل، توسل اور ولایت کا ذکر کرتا ہو اسے ان توہمات کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے۔ (سیرت نبوی ص ۳۸۔۳۹)

مسلمان اور عیسائی ہمسایہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک مسلمان بہت عبادت گزار تھا۔ اس کے پڑوس میں ایک عیسائی رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ عیسائی اسلام کی طرف مائل ہوا اور اس مسلمان شخص کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے قبول اسلام سے اگلے روز اس نے دیکھا کہ کوئی شخص اس کے گھر کے دروازے پر آیا ہے۔ اس نے پوچھا: کون ہے؟

آنے والے نے جواب دیا: میں تمہارا مسلمان پڑوسی ہوں۔

اس نے پوچھا: کیا کام ہے؟

مسلمان پڑوسی نے جواب دیا: میں تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں تاکہ ہم دونوں مل

Marfat.com

کر مسجد میں جائیں۔

چنانچہ وہ مسجد میں گئے اور نماز صبح پڑھنے کے بعد سورج نکلنے تک دعاؤں میں مصروف رہے۔ پھر ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں وہاں پڑھیں۔ اس کے بعد مسلمان پڑوسی نے اس سے کہا کہ کل کے روزے کی نیت کرلو۔ اگلے روز صبح وہ دوبارہ اس کے گھر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

اس نے پوچھا: کون ہے؟

مسلمان نے جواب دیا: تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔

اس نے پوچھا: کیوں آئے ہو؟

مسلمان نے جواب دیا: چلو نماز کے لئے مسجد چلیں۔

عیسائی نے جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا کہا: نہیں! یہ دین بیکار آدمیوں کے لئے ٹھیک ہے۔ میں اس سے باز آیا۔

پھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس شخص کی طرح نہ بنو جس نے ایک آدمی کو مسلمان بنایا اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے اسے مرتد اور کافر بنا دیا۔

(سیرت نبوی ص ۱۲۱-۱۲۲)

''طالبانی'' فہم اسلام

کہتے ہیں کہ مرحوم آقا نجفی اصفہانی کے دور مرجعیت میں ایک روز کچھ افراد — جو بظاہر ''طالبان علم'' تھے درآنحالیکہ وہ طالب علم نہیں تھے کیونکہ حقیقی طالب علم ہمیشہ ایسی سرگرمیوں سے دور رہتے ہیں — اس حالت میں آقائے نجفی کے گھر پر پہنچے کہ ان کی سانس پھولی ہوئی تھی اور وہ ایک ٹوٹی ہوئی دف اور ایک ٹوٹی ہوئی ڈھولک اٹھائے ہوئے تھے۔

آقائے نجفی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ یہ کیا چیزیں ہیں جو تم اٹھائے ہوئے ہو؟

Marfat.com

انہوں نے جواب دیا: ہم مدرسہ میں تھے کہ ہمیں اطلاع ملی کہ مدرسہ سے کچھ دور ایک گھر میں شادی کی تقریب ہے۔ وہاں دف اور ڈھولک بجائی جارہی ہیں۔ ہم مدرسے کی چھت پر سے ہوکر اس سے ملے ہوئے گھروں کی چھتوں پر سے گزرتے ہوئے اس گھر مین پہنچے اور اندر داخل ہوکر لوگوں کو مارا پیٹا اور ان کی دف اور ڈھولک توڑ پھوڑ دیں۔ ان طالب علموں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا: میں خود دلہن کے پاس پہنچا اور اسے ایک زوردار تھپڑ مارا۔

مرحوم آقا نجفی نے (خفا ہوکر) فرمایا: کیا نہی عن المنکر وہی کچھ ہے جو تم نے کیا ہے؟ نہیں بلکہ نہی عن المنکر کے نام سے تم نے کئی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ شادی کی تقریب تھی۔

دوسری یہ کہ تمہیں جاسوسی کا کوئی حق نہ تھا۔

تیسری یہ کہ تمہیں لوگوں کے گھروں کی چھتوں پر سے جانے کا کیا حق تھا؟

اور چوتھی یہ کہ تمہیں جاکر مار پیٹ کرنے کی اجازت کس نے دی؟

(دہ گفتار ص ۶۲_۶۳)

امام علیؑ اور عدالت

امام علیؑ کی عادلانہ زندگی کے بعد نام علیؑ اور لفظ عدل مترادف اور ہم معنی ہو گئے۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: علیؑ نے سابقہ تمام نقوش محو کر دیئے اور آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ لوگ ان کی سیرت اور رفتار و کردار کو معیار قرار دے کر اپنے دور کے خلفاء پر تنقید کرنے لگے۔

ایک سال جب امیر شام حج پر گیا تو اس نے اس عورت کے بارے میں دریافت کیا جو جناب امیرؑ کی طرفدار اور امیر شام کی دشمن تھی۔ اسے بتایا گیا کہ وہ اب تک زندہ ہے۔ اس نے اسے بلوا بھیجا اور کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں اس لئے بلوایا ہے کہ تم سے

Marfat.com

پوچھوں کہ علیؑ سے کیوں محبت رکھتی ہو اور میری دشمن کیوں ہو۔

اس نے کہا کہ یہ سوال نہ ہی پوچھو تو بہتر ہوگا۔

امیر شام نے کہا کہ نہیں تمہیں اس سوال کا جواب ضرور دینا پڑے گا۔

اس عورت نے کہا: اس لئے کہ وہ عادل اور مساوات کے علمبردار تھے۔ تم نے بلاوجہ ان کے خلاف جنگ لڑی۔ میں علیؑ کو اس لئے دوست رکھتی ہوں کہ وہ غریبوں اور محروموں کو دوست رکھتے تھے اور تمہاری دشمن اس لئے ہوں کہ تم نے ناحق خونریزی کی اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالا۔ تم ظالمانہ فیصلے کرتے ہو اور اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کرتے ہو۔ یہ سن کر امیر شام کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان بدکلامی تک نوبت جا پہنچی۔ لیکن بعد میں امیر شام نے حسب عادت اپنے غصے پر قابو پالیا۔ بالآخر اس نے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے پوچھا: کیا تم نے علیؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں! دیکھا ہے۔

امیر شام نے کہا: تم نے انہیں کیسا پایا؟

اس نے جواب دیا: خدا کی قسم میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا ہے کہ جس "ریاست" نے تمہیں فریفتہ اور غافل کر رکھا ہے اس نے انہیں غافل نہیں کیا تھا۔

امیر شام نے پوچھا: کیا تم نے علیؑ کی آواز سنی ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں! سنی ہے۔ ان کی دلآویز گفتگو قلب کو جلا بخشتی تھی اور قلب کی سیاہی کو اس طرح ختم کر دیتی تھی جیسے روغن زیتون زنگ کو ختم کر دیتا ہے۔

امیر شام نے پوچھا: کیا تمہیں کسی چیز کی حاجت ہے؟

اس نے پوچھا: کیا میں جو کچھ مانگوں گی دو گے؟

امیر شام نے کہا: ہاں! دوں گا۔

اس نے کہا: مجھے سرخ بالوں والے سو اونٹ دے دو۔

امیر شام نے پوچھا: اگر میں تمہیں یہ اونٹ دے دوں تو کیا میں تمہاری نظر میں علیؑ کی مانند ہو جاؤں گا؟

Marfat.com

اس نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔

امیر شام نے حکم دیا کہ اس کی خواہش پوری کی جائے۔

پھر اس نے کہا: اگر علیؑ زندہ ہوتے تو تمہیں ان میں سے ایک اونٹ بھی نہ دیتے۔

اس عورت نے جواب دیا: خدا کی قسم وہ مجھے ان کا ایک بال بھی نہ دیتے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ (بیست گفتار ص ۶۷_۶۸)

جھوٹی اطلاع

جب محمد خان قاچار کرمان میں تھا تو اس نے وہاں ہولناک قتل عام کروایا۔ بہت سے لوگوں کو اندھا کر دیا۔ نہریں لاشوں سے پٹ گئیں اور بہت تباہی پھیلی۔

ایک روز ایک سپاہی نے جا کر مخبری کی کہ جہاں پناہ فلاں سپاہی آپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اس بارے میں تحقیقات کی جائیں۔ جب تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ اطلاع جھوٹی ہے۔ چونکہ اس سپاہی اور ایک اور سپاہی کے درمیان ایک لڑکی کے بارے میں رقابت تھی اور دوسرے سپاہی نے اس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ لہذا انتقام لینے کی غرض سے اس سپاہی نے جھوٹی مخبری کی تھی۔

محمد خان قاچار نے اپنے بھتیجے فتح علی شاہ کو جو اس وقت اس کا ولی عہد بھی تھا (کیونکہ خود محمد خان قاچار مخنث اور بے اولاد تھا) مخاطب کر کے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کیا کرنا چاہئے؟

فتح علی شاہ نے کہا: معاملہ صاف ہے۔ اس سپاہی نے جھوٹی خبر دی ہے لہذا اسے سزا ملنی چاہئے۔

محمد خان نے کہا: جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ عدالت کے نقطہ نظر سے تو درست ہے لیکن سیاست کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔

Marfat.com

فتح علی شاہ نے پوچھا: وہ کیسے؟

محمد خان نے کہا: عدالت کی رو سے تو یہ قصوروار ہے اور اسے سزا ملنی چاہئے اور گواہ بھی پیش کیے گئے ہیں کہ ایسا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ لیکن چند دنوں سے ان لوگوں یعنی ملزم، الزام لگانے والے اور گواہوں کے ذہنوں میں میرے قتل کیے جانے کا تصور پیدا ہوگیا ہے۔ جن لوگوں کے ذہنوں میں چند روز تک میرے قتل کیے جانے کا خیال جاگزیں رہا ہے وہ ایک روز مجھے قتل کرنے کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں۔ یہ بات قرین مصلحت نہیں کہ جن لوگوں کے ذہنوں میں چند روز تک میرے قتل کا تصور رہا ہو وہ زندہ رہیں۔

لہذا اس نے حکم دیا کہ ان سب کو (یعنی ملزم، الزام دینے والے اور گواہوں کو) اس جرم میں کہ چند روز تک انہوں نے اس چیز کا تصور اپنے ذہن میں رکھا بیک وقت قتل کردیا جائے۔ (سیرت نبوی ص۴۹۔۵۰)

سکندر اعظم اور دیوژن

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے ایران فتح کرلیا اور اسے بہت سی فتوحات حاصل ہوگئیں تو سبھی اس کے دربار میں حاضر ہوکر تہنیتی سلام بجالائے۔ اس زمانے میں مشہور دانشور دیوژن جسے مسلمان دیوژانک کہنے لگے رہتا تھا۔ دیوان شمس میں مولانا رومؒ کے ان مشہور اشعار میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔

ایک دن شیخ چراغ ہاتھوں میں لئے گھوم رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: شیخ جی! آپ دن

۱۔ مشرق کی قدیم تاریخ میں دو ''سکندر'' گزرے ہیں۔ ایک تو مقدونیہ (یونان) کا مشہور و معروف فاتح ہے جبکہ دوسرا سکندر بادشاہ اس سے پہلے گزرا ہے اور دونوں ہی ''ذوالقرنین'' کے لقب سے مشہور ہیں۔

Marfat.com

میں چراغ اٹھائے کیا کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں ایک چیز تلاش کر رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا: آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟ اس نے بتایا کہ دراصل میں ایک آدمی کی تلاش میں ہوں۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر کزدیو و دد ملولم و انسانم آرزو است
گفتند یافت می نشود ، گشتہ ایم ما گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزو است

بہرحال سبھی سکندر سے ملنے گئے لیکن دیوژن نہ گیا اور اس نے سکندر کی کوئی پروا نہ کی۔ آخر سکندر سے رہا نہ گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں خود دیوژن سے مل کر آتا ہوں۔

چونکہ دیوژن کا کوئی گھر نہیں تھا اس لئے سکندر، دیوژن سے ملنے جنگل چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ دیوژن غسلِ آفتاب کر رہا ہے۔

سکندر بڑھتا چلا گیا اور جوں جوں لوگ دیوژن کے قریب ہوتے گئے گھوڑوں کے ٹاپوں اور گھنٹیوں کی آوازِ جرس بلند ہوتی گئیں۔ دیوژن نے ایک لمحے کے لئے اٹھ کر دیکھا لیکن کوئی توجہ نہ دی اور دوبارہ لیٹ گیا حتیٰ کہ سکندر اس کے پاس آ پہنچا اور اپنے گھوڑے کے ساتھ وہیں کھڑا ہوگیا۔ دیوژن اٹھ بیٹھا۔ سکندر نے اس کے ساتھ چند باتیں کیں جن کا دیوژن نے بڑا دلآویز جواب دیا۔

سکندر نے شاہانہ نخوت سے کہا: مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

دیوژن نے کہا: حضور والا! میں آپ سے ایک چیز چاہتا ہوں۔

سکندر نے بے تابی سے پوچھا: وہ کیا ہے؟

دیوژن نے قلندرانہ شان بے نیازی سے کہا: حضور! میرے سر سے اپنا سایہ ہٹالیں۔ میں یہاں بڑے آرام سے دھوپ میں لیٹا ہوا تھا آپ نے آ کر سایہ ڈالا اور دھوپ روک لی۔

سکندر جب اپنی فوج کے ہمراہ لوٹا تو سرداروں نے آپس میں کہا: عجیب گھٹیا انسان تھا۔ ''دنیا'' چل کر اس کے پاس آئی تھی اور اس کا جو جی چاہتا ''مالِ دنیا'' سے مانگ لیتا لیکن اس نے اسے ٹھکرا دیا؟

یہ سن کر سکندر اپنے آپ کو دیوژن کے مقابلے میں بہت چھوٹا محسوس کرنے لگا اور اس نے ایک یادگار جملہ کہا جو تاریخ میں باقی رہ گیا ہے۔

اس نے کہا: اگر میں سکندر نہ ہوتا تو دیوژن ہونا پسند کرتا۔

تاہم سکندر اعظم ہوتے ہوئے بھی وہ دیوژن ہونا پسند کرتا تھا اور اس کا یہ کہنا کہ ''اگر میں سکندر نہ ہوتا'' اس لئے تھا تا کہ اس کی خواہش کا اظہار باقی رہے۔

(سیرت نبوی ص۵۳تا۵۵)

شہادت کی آرزو

سفینۃ البحار میں خثیمہ یا خیثمہ نامی ایک شخص کی داستان نقل کی گئی ہے۔ داستان میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حصول شہادت کے لئے ایک باپ اور بیٹے کے درمیان تکرار ہوگئی۔ لکھا ہے کہ جنگ بدر[1] کے دوران یہ باپ بیٹا آپس میں بحث کرنے لگے۔

بیٹا کہتا تھا: میں جہاد کے لئے جارہا ہوں۔ آپ گھر پر رہیں۔

لیکن باپ کہتا تھا: نہیں! تم گھر پر رہو میں جہاد کے لئے جارہا ہوں۔

بیٹا کہتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ جہاد کیلئے جاؤں اور شہید ہوجاؤں۔ باپ کہتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں جہاد کے لئے جاؤں اور مارا جاؤں۔ آخر انہوں نے قرعہ ڈالا جو بیٹے کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوا اور شہید ہوگیا۔

کچھ مدت گزرنے کے بعد باپ نے بیٹے کو خواب میں دیکھا کہ انتہائی خوشحال ہے اور بڑے اونچے درجات پر فائز ہے۔ اس نے باپ سے کہا: اباجان! اِنَّہٗ قَدْ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا. میرے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ بالکل سچا تھا، اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے۔

بوڑھا باپ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! اگرچہ میں

۱۔ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جنگ بدر کے علاوہ کوئی اور جنگ تھی۔

Marfat.com

بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں لیکن مجھے شہادت کی بڑی آرزو ہے۔

یارسول اللہؐ! میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے دعا کے لئے درخواست کروں کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے۔

رسول اکرمؐ نے دعا کی: اے پروردگار! اپنے اس مومن بندے کو شہادت کی سعادت عنایت فرما۔

ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ جنگ اُحد وقوع پذیر ہوئی اور وہ شخص احد میں شہید ہوگیا۔ (قیام وانقلاب مہدی (عج) ص ۹۶۔۹۷)

سفیان ثوری اور حضرت امام جعفر صادقؑ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں مسلمانوں میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوگیا تھا جس کے پیروکار سیرت رسولؐ سے ترک دنیا کا نتیجہ اخذ کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ مسلمان کی ہمیشہ اور ہر زمانے میں یہ کوشش ہونی چاہئے کہ دنیاوی نعمتوں سے پرہیز کرے۔ انہوں نے اپنے اس طرز عمل کو زہد کا نام دے رکھا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو صوفی کہتے تھے۔ انہیں اشخاص میں سے ایک سفیان ثوری ہے جو امام صادق علیہ السلام کا ہمعصر ہے اور ان کا شمار اہلسنت کے فقہاء میں ہوتا ہے۔ فقہی کتابوں میں ان کے بہت سے اقوال اور آراء نقل کی گئی ہیں۔ یہ اکثر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال وجواب کیا کرتے تھے۔

کتاب کافی میں لکھا ہے کہ ایک دن سفیان، امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ آپؑ ایک سفید، نرم اور خوبصورت لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اس نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: اے فرزند رسولؐ! آپ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ آپ دنیا سے دل لگائیں۔

امامؑ نے فرمایا: ممکن ہے کہ تمہارے دل میں یہ خیال رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ

Marfat.com

کے طرز زندگی کی بنا پر پیدا ہوا ہو۔ ان کی وضع قطع تمہاری نظر میں مجسم ہوگئی ہے اور تم نے یہ سمجھ لیا کہ زندگی گزارنے کا یہ انداز بھی دوسرے احکامات کی مانند خدا کی طرف سے ایک حکم ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ قیامت تک اسی طرح زندگی گزارتے رہیں۔ لیکن تمہیں جاننا چاہئے کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ رسول اکرمؐ ایک ایسے زمانے میں اور ایسے مقام پر زندگی بسر کر رہے تھے جہاں ناداری اور تنگدستی کا دور دورہ تھا۔ عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں تھیں۔ لیکن اگر کسی زمانے میں وسائل اور لوازمات زندگی فراہم ہو جائیں تو پھر اس طرز زندگی کے لئے کوئی دلیل باقی نہیں رہتی بلکہ دوسروں کے مقابلے میں مسلمان اور صالح افراد خدا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

مذہب ایک افیون ہے

تقریباً ڈیڑھ سال پہلے جب خروشیف روس کا صدر تھا میں نے ''اطلاعات'' اور ''کیہان'' دونوں اخباروں میں ایک خبر پڑھی جسے اپنی تقریر میں جو اتفاقاً مجھے انہی دنوں تہران میں کرنی تھی نقل کیا تاکہ آپ لوگ پڑھیں اور ان لوگوں پر تعجب کریں۔

اس وقت الجزائر میں ''بن بلا'' برسر اقتدار تھے۔ بن بلا نے کہا تھا کہ جب خروشیف الجزائر کے دورے پر آئے تو میں نے ان سے کہا کہ اسلام شمالی افریقہ میں ایک عظیم محرک اور انقلابی قوت کا کردار ادا کرسکتا ہے۔

خروشیف نے اس بات کی تصدیق اور تائید کی اور کہا: ہاں! اسی طرح ایک اور اشتراکی مفکر نے بھی جو شاید فرانس یا اٹلی سے الجزائر آیا تھا یہ حقیقت قبول کی تھی کہ اسلام شمالی افریقہ میں معاشرے کو متحرک کرنے اور بادشاہت کے خلاف لڑنے کا ایک مؤثر ہتھیار ہوسکتا ہے۔

میں نے اس خبر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی تقریر میں حاضرین سے کہا تھا کہ یہ وہی

Marfat.com

لوگ ہیں جو پچاس سال پہلے تک مذہب کو قوموں کے لئے ایک افیون کہا کرتے تھے اور مذہب کو حاکم طبقے کی محکوم طبقے کے خلاف ذہنی اختراع کا نام دیتے تھے۔

لیکن اب جب انہوں نے اسلام کو نزدیک سے دیکھا اور بن بلا جیسے انقلابی مسلمان نے ان کے سامنے اسلام کی تشریح بیان کی تو وہ تصدیق کرتے ہیں کہ اسلام تاریخ کا محرک بھی ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ایجاد مذہب کے مبداء اور منشاء کے بارے میں مذکورہ بالا مفروضہ بھی منسوخ ہوکر ناپید ہوگیا۔ (امداد ہای غیبی درزندگی بشر ص۳)

الٰہی معیار

ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے مکہ میں ایک نہر جاری کی تھی جس سے خانۂ خدا کی زیارت کرنے والے لوگ اس زمانے سے لے کر آج تک استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ کام بظاہر بے حد نیک ہے کہ زبیدہ کی کوشش سے طائف اور مکہ کے درمیان واقع پتھریلے علاقے سے گزرتی ہوئی یہ نہر مکہ کی خشک و بنجر سرزمین تک جاری ہوئی اور اب تقریباً بارہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں کہ پیاسے حاجی اس کا پانی استعمال کررہے ہیں۔

بظاہر یہ کام بہت عظیم ہے لیکن آسمانی نقطہ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے؟ کیا فرشتے بھی ہماری طرح حساب کرتے ہیں؟ کیا ہماری طرح ان کی آنکھیں بھی کسی چیز کا ظاہری حجم دیکھ کر خیرہ ہوجاتی ہیں؟

نہیں! وہ ایک اور طرح حساب کرتے ہیں۔ وہ الٰہی پیمانے کے ساتھ کام کے دوسرے پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ اس چیز کی جانچ پڑتال کرتے ہیں کہ زبیدہ اس کام پر خرچ کرنے کے لئے پیسہ کہاں سے لائی؟ زبیدہ ہارون جیسے جابر اور ظالم شخص کی ملکہ تھی جسے مسلمانوں کے بیت المال پر پورا پورا اختیار حاصل تھا۔ وہ اسے جیسے چاہتا تھا خرچ کرتا تھا۔

زبیدہ کے پاس اپنی کوئی دولت نہ تھی جسے وہ کسی کار خیر پر خرچ کرتی۔ اس نے لوگوں کا مال لوگوں پر خرچ کیا۔ اس کی ہم رتبہ عورتوں اور اس کے درمیان فرق صرف یہ تھا کہ دوسری عورتیں لوگوں کا مال اپنی عیش و عشرت پر خرچ کرتی تھیں اور اس نے اس مال کا کچھ حصہ رفاہ عامہ کے ایک کام پر خرچ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام انجام دینے سے زبیدہ کا مقصد کیا تھا؟ کیا وہ چاہتی تھی کہ اس کا نام تاریخ میں باقی رہے یا وہ واقعی خدا کی خوشنودی چاہتی تھی؟ اس بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ کسی نے زبیدہ کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تم نے جو نہر جاری کی تھی خدا نے اس کا کیا اجر دیا؟

اس نے جواب دیا: خدا نے اس کا تمام ثواب پیسے کے اصلی مالکوں کو دے دیا۔
(عدل الٰہی ص ۲۳۰)

تحریک کربلا کی پیامبر زینبؑ

سیدہ زینب کبریٰؑ کو قیدی بنے بائیس روز گزر چکے تھے۔ اتنا عرصہ مسلسل دکھ تکلیف برداشت کرنے کے بعد انہیں دربار یزید میں لایا گیا۔ یزید کا ''کاخ خضرا'' جو اس کے باپ نے شام میں بنوایا تھا اتنا شاندار تھا کہ جو کوئی اس کی بناوٹ سجاوٹ اور شان و شوکت دیکھتا تھا دنگ رہ جاتا تھا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ لوگوں کو پہلے سات دالانوں میں سے گزرنا پڑتا تھا پھر وہ اس آخری دالان میں پہنچتے تھے جس میں یزید ایک مُزین اور مُرصّع تخت پر بیٹھتا تھا۔ تمام امراء، رؤساء اور سفراء بھی سونے اور چاندی کی بنی ہوئی کرسیوں پر وہاں بیٹھتے تھے۔ اس صورتحال میں ان قیدیوں کو پیش کیا گیا۔

Marfat.com

اس موقع پر دکھ کی ماری شہزادی — زینبؑ کی روح میں ایسا ولولہ پیدا ہوا جس نے حاضرین کے دلوں میں بھی ولولہ پیدا کردیا۔ یزید جو اپنی فصاحت و بلاغت کے لئے مشہور تھا گنگ ہو کر رہ گیا۔ یزید اشعار گنگنا رہا تھا اور جو ظاہری کامیابی اسے نصیب ہوئی تھی اس پر فخر کر رہا تھا۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے یزید!

تو سمجھتا ہے کہ آج تو نے ہمیں قیدی بنا لیا ہے

اور زمین ہم پر تنگ کردی ہے

اور ہم تیرے نوکروں کے رحم و کرم پر ہیں

تو یہ پروردگار کی طرف سے تیرے لئے ایک نعمت اور تحفہ ہے

خدا کی قسم تو اس وقت میری نظر میں بے حد پست، حقیر اور گھٹیا ہے

اور میری نظر میں تیری کوئی حیثیت نہیں۔''

سیدہ زینب کبریٰؑ نے دربار یزید میں ایسی شعلۂ آواز تقریر کی کہ یزید کے ہوش اڑ گئے اور اس ظالم اور ملعون کا پورا وجود غصے کی آگ میں جلنے لگا۔ (حماسۂ حسینی ص ۱۵۴ تا ۱۵۶)

قربت کا سبب

مولانا رومؒ نے مثنوی کی دوسری جلد میں ایک بڑی دلچسپ داستان بیان کی ہے:

آن حکیمی گفت دیدم ہم تکی

در بیابان زاغ را با لک لکی

در عجب ماندم ، بجستم حالشان

تا چہ قدر مشترک یابم نشان

Marfat.com

چون شدم نزدیک و من حیران و دنگ

خود بدیدم ہر دو ان بودند لنگ

ایک دانشور کہتا ہے کہ میں نے جنگل میں ایک کوے اور ایک سارس کو دیکھا کہ ان دونوں میں گہری دوستی ہے۔ وہ ساتھ ساتھ اڑتے ہیں اور ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں۔ چونکہ ان دونوں پرندوں میں شکل و شباہت اور رنگ کے لحاظ سے کوئی قدر مشترک نہ تھی اس لئے مجھے حیرت ہوئی۔

مشہور ہے کہ:

ہم جنس بہ ہم جنس کند پرواز

کبوتر بہ کبوتر باز بہ باز

پس میں ان کے نزدیک گیا کہ دیکھوں کہ کیا ماجرا ہے۔ ان کے نزدیک جاکر دیکھا پتا چلا کہ دونوں لنگڑے ہیں۔ ان دو مختلف النوع پرندوں کے لنگڑے پن نے ان میں باہمی محبت پیدا کر دی تھی۔ انسان بھی بلاوجہ کبھی ایک دوسرے کے رفیق اور دوست نہیں بنتے اور اسی طرح بلاوجہ ایک دوسرے کے دشمن بھی نہیں بنتے۔ (جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام ص ۸۔۹)

کہو ہاں، کہو نہ

عظیم اسلامی انقلاب سے پہلے ہم بدترین قسم کی غلامی سے دوچار تھے۔ ہم نہ صرف اقتصادی معاملات میں اہل مغرب کے محتاج تھے بلکہ ہمارے اکثر معاملات میں بھی ان کا عمل دخل ہوتا تھا۔

بدقسمتی سے اس معاملے میں تیسری دنیا کے ممالک کا مقدر کم و بیش یکساں ہی ہے۔ یہ واقعہ جو ہم مرحوم آیت اللہ امینی کی زبانی آپ کے لئے نقل کر رہے ہیں اس حقیقت کا شاہد ہے۔ آقای امینی، نوری سعید کے زمانے کی عراق کی قومی اسمبلی کے ایک رکن کا ذکر کر رہے

Marfat.com

تھے۔ وہ رکن شیعہ تھا اور مرحوم امینی کے عزیزوں میں سے تھا۔

ایک مرتبہ وہ رکن اسمبلی ان سے ملنے آیا ہوا تھا۔ مرحوم امینی نے اس سے پوچھا کہ تم اراکین اسمبلی نے یہ علم لدنی کہاں سے سیکھ لیا ہے؟ ہمیں اپنے علمی امور میں ہر مسئلے میں رائے دینے کے لئے مطالعے اور گہرے غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن کیا بات ہے کہ جب بھی کوئی اہم سیاسی بل اسمبلی میں پیش ہوتا ہے تم اسے دو تین گھنٹوں میں منظور کر لیتے ہو یا مسترد کر دیتے ہو؟

رکن اسمبلی نے ہنس کر جواب دیا کہ یہ بڑی سیدھی سی بات ہے۔ جب ہم صبح کے وقت اسمبلی میں جاتے ہیں تو ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ آج کس مسئلہ پر بحث ہوگی۔ اجلاس سے قبل نوری سعید کا ایک نمائندہ اسمبلی میں آتا ہے اور چند اراکین کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمہیں ''ہاں'' کہنا ہے اور کچھ اراکین کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمہیں ''نہ'' کہنا ہے۔

یوں پتا چل جاتا ہے کہ کن لوگوں کو بل کی موافقت میں تقریر کرنی ہے اور کن لوگوں کو اس کی مخالفت کرنی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں بل کے مندرجات کا علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ اسمبلی میں پیش کیا جاتا ہے اور اس وقت ہم ''حکم'' کے مطابق بل کی موافقت یا مخالفت میں ووٹ دیتے ہیں۔ (پیرامون انقلاب اسلامی ص ۱۸۶)

قمر در عقرب

امام صادق علیہ السلام کے صحابی زرارہؓ کے بھائی عبدالملک بن اعین ایک بزرگ راوی اور عالم شخص تھے۔ انہوں نے علم نجوم پڑھ رکھا تھا اس لئے اس کے مطابق عمل بھی کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ انہوں نے اپنے لئے ایک مصیبت مول لی ہے۔

مثلاً جب صبح کے وقت گھر سے نکلتے تو دیکھتے کہ قمر در عقرب ہے اور اگر باہر جائیں گے تو ایسا ہو جائے گا۔ دوسرے روز کوئی دوسرا ستارہ نکل آتا تو کہتے کہ اب ویسا ہو جائے گا۔

Marfat.com

رفتہ رفتہ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

چنانچہ وہ امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ! میں نجوم میں ''مبتلا'' ہوگیا ہوں۔ بلاشبہ ان کی مراد نجوم احکامی (Astrology) سے تھی جس کا تعلق سعد اور نحس ایام سے اور اس خیال سے ہے کہ ستارے انسانی افعال پر اثرانداز ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ نجوم کی یہ قسم اسلامی نقطہ نگاہ سے قابل اعتبار نہیں۔[1] نجوم کی دوسری قسم نجوم ریاضی (Astronomy) ہے۔ اس کے ذریعے سورج گرہن اور چاند گرہن وغیرہ کا حساب لگایا جاتا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے مزید عرض کیا کہ میرے پاس نجوم کی جو کتابیں ہیں میں ان میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔ میں ان کتابوں سے رجوع کئے بغیر کسی کام کے بارے میں فیصلہ نہیں کرسکتا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ تم ان کتابوں پر عمل کرتے ہو؟

عبدالملک نے جواب دیا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اسی وقت اپنے گھر جاؤ اور ان سب کتابوں کو جلادو اور آئندہ کبھی ایسی باتوں پر عمل نہ کرنا۔

(سیرت نبوی ص ۳۶۔۳۷)

پروردگار کا کثرت ظہور

اہل معرفت اور اہل عرفان کہتے ہیں کہ خدا ''کثرت ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہے۔'' یعنی اس کے ظاہر اور مخفی ہونے کی کیفیات یکساں ہیں۔ وہ اس لئے مخفی ہے کہ اس کے لئے کوئی غیاب اور غروب نہیں اور کوئی چیز اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ قرآن میں ہے کہ وَكُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ — مگر ہمارے یہاں اخبار و رسائل اور جنتریوں میں یہ سب کچھ چھپتا رہتا ہے۔ (ناشر)

Marfat.com

يَا مَنْ هُوَ اِخْتَفٰی لِفَرْطِ نُوْرِهٖ   اَلظَّاهِرُ الْبَاطِنُ فِیْ ظُهُوْرِهٖ
تجلی تیری ذات کا سو بہ سو ہے   جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

فارسی ادب میں مچھلی اور پانی کے مابین ایک مکالمہ تمثیلی انداز میں بیان ہوا ہے جو بڑا دلکش ہے۔ شاعر کا نام ہمیں معلوم نہیں۔ نظم کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

ایک مچھلی سمندر میں تیرتی پھرتی تھی جس کی سوچ میری طرح سطحی تھی۔ نہ کبھی اسے شکاری سے کوئی خطرہ پیدا ہوا تھا اور نہ ہی اس نے جال کے شکنجے کی تکلیف اٹھائی تھی۔ نہ اسے پیاس نے کبھی ستایا تھا نہ کبھی سورج نے اسے پریشان کیا تھا۔

ایک روز وہ یہ سوچ کر بے چین ہوگئی کہ لوگ کہتے ہیں ''پانی''۔ لیکن پانی ہے کیا؟ آخر وہ جانفزا اکسیر کیا ہے جو پرندوں اور مچھلیوں کی زندگی ہے؟ اے پروردگار! اگر وہ گوہر اس دنیا کا سرمایہ ہے تو وہ میری آنکھ سے پوشیدہ کیوں ہے؟

رات دن پانی کے سوا اس کے سامنے کچھ نہ تھا۔ وہ بڑے مزے سے پانی میں تیرتی رہتی تھی اور پانی کی ہی اسے کوئی خبر نہ تھی۔

شاید وہ نعمت کا ''شکر'' ادا کرنے سے غافل ہوگئی کہ پانی کی ایک اونچی لہر نے اسے سمندر میں سے اٹھا کر ساحل پر پھینک دیا۔

اس ماہی بے آب پر خورشید جہاں تاب چمکا تو اس کے بدن میں آگ سی لگ گئی۔

پیاس کی وجہ سے اس کی زبان باہر آگئی اور اسے پانی یاد آیا۔

جب وہ دور سے سمندر کا شور سنتی تو زمین پر تڑپتی اور کہتی: اب مجھے پتا چلا ہے کہ وہ جانفزا اکسیر کیا ہے کیونکہ اس کے بغیر مجھے پل بھر زندہ رہنے کی امید نہیں ہے۔

افسوس مجھے آج اسکی حقیقت معلوم ہوئی جبکہ میرا ہاتھ اسکے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

جی ہاں! ایک مچھلی جو ساری عمر پانی میں رہی ہے اور جس نے اپنے دائیں، بائیں، اوپر، نیچے اپنی ابتداء وانتہا اور اپنے راستے میں پانی کے علاوہ کسی چیز کو نہیں دیکھا وہ جس چیز کو نہیں سمجھ پا رہی اور پسند نہیں کر رہی اور اس کے وجود میں شک کر رہی ہے

Marfat.com

اور اس کی قدر و قیمت کو نہیں پہچان رہی وہ پانی ہی ہے۔ لیکن جونہی لحظہ بھر کے لئے وہ پانی سے باہر نکلتی ہے اور اس دنیا میں وارد ہوتی ہے جو پانی کی ضد ہے تو اسے پانی کے وجود اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

(امداد ہای غیبی در زندگی بشر ص ۷۵-۷۶)

حواس کا محدود ہونا

حواس کی حدود کے بارے میں اہل یورپ کا نظریہ سامنے آنے سے کئی سو سال پہلے مولانا رومؒ نے حواس کے محدود ہونے کے بارے میں ایک بڑی عمدہ تمثیل بیان کی ہے جو بیحد قابل غور ہے۔ یہ تمثیل یوں ہے:

کچھ ہندوستانی ایک ہاتھی کو ایسے علاقے میں لے گئے جہاں کے لوگوں نے پہلے کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ ہاتھی والوں نے جب اپنا ہاتھی ایک تاریک مکان میں کھڑا کر دیا تو اس علاقے کے لوگ ایک ایک کر کے ہاتھی کا ''دیدار'' کرنے اس مکان میں داخل ہوئے۔ اندھیرے میں وہ ہاتھی پر ہاتھ پھیرنے لگے اور پھر باہر آ کر اپنی قوتِ لامسہ کی بنیاد پر ہاتھی کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ لوگوں کے پوچھنے پر جس شخص نے اس کی سونڈ پر ہاتھ پھیرا تھا بتایا کہ وہ پرنالے کی طرح ہے۔ جس نے اس کا کان چُھوا تھا وہ بولا کہ ہاتھی بعینہ پنکھے جیسا ہے۔ جس شخص نے ہاتھی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تھا اس نے کہا کہ ہاتھی ایک تخت کی مانند ہے۔ جس نے ہاتھی کا پاؤں چُھوا تھا وہ چہکا کہ ہاتھی ایک ستون کی مانند ہے۔

یوں ہر ایک کی رسائی ہاتھی کے ایک حصے تک ہوئی اور جہاں جس کا ہاتھ پہنچا اس نے سمجھا کہ یہی پورا ہاتھی ہے۔

اس طرح ہر ایک نے ایک ہی چیز کے بارے میں دوسرے سے مختلف بات کہی۔ جس سے مولانا رومؒ یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

Marfat.com

چشم حس ہچون کف دست است بس
نیست کف را بر ہمہ آن دسترس
در کف ہر کس اگر شمعی بدی
اختلاف از گفتشان بیرون شدی!

انسانی حواس ہاتھ کی ہتھیلی کی مانند ہیں اور ہتھیلی کی دسترس کل تک نہیں ہوسکتی۔ اگر ہر ایک کے ہاتھ میں ایک شمع ہوتی تو ان میں اختلاف نہ ہوتا۔ (امداد ہای غیبی در زندگی بشر ص ۷۷ تا ۷۹)

ابوہارون کا مرثیہ

مرحوم محدث قمی نے "نفثۃ الصدور" میں ابوہارون کو حضرت امام جعفر صادقؑ کے ہمعصروں میں لکھا ہے۔ وہ نابینا تھے مگر بلند پایہ شاعر تھے اور بعض اوقات امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ بھی کہتے تھے۔

ابوہارون کہتے ہیں کہ ایک روز میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امامؑ نے فرمایا: اے ابوہارون! تم نے ہمارے جد بزرگوار کا جو مرثیہ کہا ہے ہمیں سناؤ۔

میں نے کہا: بسر و چشم یا بن رسول اللہؐ!

امام علیہ السلام نے فرمایا: عورتوں سے کہو کہ وہ بھی پردے کے پیچھے آ کر بیٹھ جائیں اور مرثیہ سنیں۔

چنانچہ مستورات بھی پردے کے پیچھے آ کر بیٹھ گئیں۔ ابوہارون نے اپنا تازہ کلام پڑھنا شروع کیا۔ اگرچہ وہ کلام پانچ اشعار سے زیادہ نہیں ہے لیکن اسے سن کر امامؑ کے گھر میں کہرام برپا ہوگیا۔ امام صادق علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور آپ کے مبارک شانے ہلنے لگے۔ آپ کے گھر والوں کا گریہ بلند ہوا تو آپ نے فرمایا: بس رک جاؤ ابوہارون۔

میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جتنے مرثیے کہے گئے ہیں مجھے اس مرثیے کی نظیر دکھائی

Marfat.com

نہیں دیتی یا کم دکھائی دیتی ہے۔ میں نے یہ اشعار اپنی طالب علمی کے ابتدائی دور میں جبکہ مشہد میں تھا اور قم نہیں آیا تھا محدث قمی کی کتاب "نفثة الصدور" سے حفظ کر لئے تھے:

اُمْرُرْ عَلٰی جَدَثِ الْحُسَیْنْ
فَقُلْ لِاَ عُظْمِہِ الزَّکِیَّۃِ
اَاَعْظُماً لا زلت مِنْ
وُطْفِاءِ ساکِبَۃِ رَوِیَّۃِ
وَاِذا مَرَرْتَ بِقَبْرِہٖ
فَاَطِلْ بِہِ وَقِفَ الْمَطِیَّۃِ
وَاَبْکِ الْمُطَھَّرَ لِلْمُطَھَّرِ
وَالْمُطَھَّرَۃِ النَّقِیَّۃِ
کَبُکَاءِ مَعْوِلَۃِ اَتَتْ
یَوْماً لِوَاحِدِھَا الْمَنِیَّۃِ

فرماتے ہیں:

اے رہروان کربلا! اے موج بادصبا! جب کربلا پہنچو تو حسینؑ کی قبر مطہر پر ہم عاشقوں کا پیغام پہنچا دینا۔

اے بادصبا! امام حسین علیہ السلام کی مقدس ہڈیوں سے ہمارا یہ پیغام کہنا کہ اے ہڈیو! تم ہمیشہ حسینؑ کے چاہنے والے عزاداروں کے آنسوؤں سے سیراب رہو۔ وہ آہ و فغاں کرتے رہیں گے اور تمہیں سیراب کرتے رہیں گے کیونکہ تم پر پانی بند کر دیا گیا تھا اور حسینؑ تشنہ لب شہید کر دیئے گئے تھے اس لئے یہ عزادار ہمیشہ تم پر اپنے آنسو نثار کرتے رہیں گے۔

اے بادصبا! جب تو ان کے جسم مطہر کو چھو کر گزرے تو اسی پر اکتفا نہ کرنا بلکہ وہاں اپنی سواری روک لینا اور جتنا ہو سکے وہاں ٹھہرنا اور مصائب حسینؑ سے خود کو معطر کرنا اور اس عورت کی طرح بین کرنا جس طرح ایک ماں اپنے اکلوتے بیٹے کی موت پر نوحہ کناں ہوتی ہے۔ (سیرت نبوی ص ۹۷۔۹۸)

Marfat.com

...اور پھر امیر شام رو دیا

عدی بن حاتم حضرت امیرالمؤمنینؑ کے اصحاب اور عاشقوں میں سے تھے۔ وہ رسول اکرمؐ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں اسلام لائے اور پکے مسلمان بن گئے۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے دور خلافت میں وہ آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان کے تین بیٹے جن کے نام طریف، طرفہ اور طارف تھے آپ کی رکاب میں شہید ہوئے۔ امام علیؑ کی شہادت کے بعد ایک روز اتفاق سے عدی کی ملاقات امیر شام سے ہوگئی۔

امیر شام نے اس غرض سے کہ عدیؓ کے دل میں ان کے بیٹوں کا غم تازہ کر کے انہیں حضرت امیرالمومنینؑ کے بارے میں اپنی خواہش کے مطابق گفتگو کرنے پر آمادہ کرے ان سے کہا: ''اَینَ الطُّرُفَات؟'' یعنی تمہارے بیٹوں طرفہ، طریف، اور طارف کا کیا بنا؟

عدی نے بڑی متانت اور ٹھنڈے دل سے جواب دیا: ''قُتِلوُا بصفینَ بینَ یَدَی عَلِیِّ بُن اَبیطالب'' یعنی وہ صفین میں علیؑ کے آگے آگے شہید ہوگئے۔ انہوں نے اپنی رضا مندی اور فخر کے اظہار کے طور پر ''علیؑ کے آگے آگے'' کے الفاظ کا بالخصوص اضافہ کیا۔

امیر شام نے کہا: ''مَا اَنصَفَکَ ابنُ اَبِی طَالِبِ اِذْ قَدَّمَ بنِیکَ وَ اَخَرَ بنِیه'' یعنی علیؑ نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ انہوں نے تمہارے بیٹوں کو تو محاذ پر آگے بھیج دیا تاکہ وہ مارے جائیں اور اپنے بیٹوں کو پیچھے رکھا تاکہ وہ زندہ رہیں۔

عدی نے جواب دیا: ''بَلْ اَنَا مَا اَنصَفتُ عَلِیًّا اِذْ قُتِلَ وَبَقِیتُ'' نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ میں نے علیؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ وہ تو شہید ہوگئے لیکن میں زندہ رہا۔

امیر شام نے دیکھا کہ اس کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو رہا چنانچہ اس نے پینترا بدلا اور کہا: ''صِفْ لِی عَلِیًّا'' یعنی میرے سامنے علیؑ کے اوصاف بیان کرو۔

عدی نے کہا: مجھے معاف رکھو۔

امیر شام نے کہا: یہ ناممکن ہے۔

Marfat.com

اس پر عدی نے کہا:

كَانَ وَاللّٰهِ بَعِيْدَ الْمَدٰى، شَدِيْدَ الْقُوٰى، يَقُوْلُ عَدْلاً وَيَحْكُمُ فَصْلاً، تَنْفَجِرُ الْحِكْمَةُ مِنْ جَوَانِبِهِ وَالْعِلْمِ مِنْ نَوَاحِيْهِ، يَسْتَوْحِشُ مِنَ الدُّنْيَا وَزَهْرَتِهَا وَ يَسْتَانِسُ بِاللَّيْلِ وَ وَحْشَتِهِ، وَكَانَ وَاللّٰهِ غَزِيْرَ الدَّمْعَةِ، طَوِيْلَ الْفِكْرَةِ، يُحَاسِبُ نَفْسَهُ اِذَا خَلاَ، وَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَامَضٰى وَكَانَ فِيْنَا كَاَحَدِنَا: يُجِيْبُنَا اِذَا سَئَلْنَاهُ وَ يَدْنِيْنَا اِذَا اَتَيْنَاهُ، وَ نَحْنُ مَعَ تَقْرِيْبِهِ لَنَا وَ قُرْبِهِ مِنَّا لاَ نُكَلِّمُهُ لِهَيْبَتِهِ، وَلاَ نَرْفَعُ اَعْيُنَنَا اِلَيْهِ لِعَظَمَتِهِ، فَاِذَا تَبَسَّمَ فَعَنْ مِثْلِ اللُّؤْلُؤِ الْمَنْظُوْمِ، يُعَظِّمُ اَهْلَ الدِّيْنِ وَ يَتَحَبَّبُ اِلَى الْمَسَاكِيْنِ، لاَ يَخَافُ الْقَوِيُّ مِنْ ظُلْمِهِ، وَلاَ يَيْاَسُ الضَّعِيْفُ مِنْ عَدْلِهِ، فَاُقْسِمُ لَقَدْ رَاَيْتُهُ لَيْلَةً وَقَدْ مُثِّلَ فِيْ مِحْرَابِهِ وَاَرْخَى اللَّيْلُ سِرْبَالَهُ وَ دُمُوْعُهُ تَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهِ وَهُوَ يَتَمَلْمَلُ تَمَلْمُلَ السَّلِيْمِ وَ يُبْكِيْ بُكَاءَ الْحَزِيْنِ، فَكَاَنِّيَ الْآنَ اَسْمَعُهُ وَهُوَ يَقُوْلُ: يَا دُنْيَا اِلَيَّ تَعَرَّضْتِ اَمْ اِلَيَّ اَقْبَلْتِ؟

قَالَ: فَوَكَفَتْ عَيْنَا مُعَاوِيَةَ وَ جَعَلَ يَنْشُفُهُمَا بِكُمِّهِ.

ثُمَّ قَالَ: رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاالْحَسَنِ كَانَ كَذٰلِكَ فَكَيْفَ صَبْرُكَ عَنْهُ؟ قَالَ: كَصَبْرِ مَنْ ذُبِحَ وَلَدُهَا فِيْ حِجْرِهَا فَهِيَ لاَ تَرْقَا دَمْعَتُهَا وَلاَ تَسْكُنُ عَبْرَتُهَا.

خدا کی قسم! علیؑ بہت دور اندیش اور شجاع تھے۔ ان کا کلام مبنی بر عدل اور فیصلہ دوٹوک ہوتا تھا۔ ان کے اندر سے علم وحکمت کا سرچشمہ پھوٹتا تھا۔ وہ دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ نہیں تھے۔ رات کی تاریکی اور تنہائی سے مانوس تھے۔ بہت گریہ کرنے والے اور بہت سوچ بچار کرنے والے تھے۔ خلوت میں اپنے نفس کا خوب محاسبہ کرتے اور گزرے وقت پر ندامت کے آنسو بہاتے تھے۔ معمولی لباس پہنتے اور سادہ طرز زندگی کو پسند کرتے تھے۔ جب ہمارے درمیان ہوتے تو ہم ہی جیسے ہوتے تھے، اگر ہم ان سے کوئی چیز مانگتے تو ہمیں مہیا کر دیتے تھے۔ اگر ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہمیں اپنے پاس بٹھاتے تھے، ہم سے ہٹ کر نہیں بیٹھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بارے میں کوئی پابندی عائد نہیں کر رکھی تھی لیکن ان کا

Marfat.com

جلال ہی اتنا تھا کہ ہمیں ان کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور ان کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ہم آنکھ اٹھا کر ان کی طرف دیکھ نہیں سکتے تھے۔ جب وہ مسکراتے تھے تو ان کے دانت موتیوں کی لڑی کی طرح نظر آتے تھے۔ وہ دیانتدار اور پرہیزگار لوگوں کا احترام کرتے تھے اور بے کسوں پر مہربانی فرماتے تھے۔ طاقتور کو ان کی جانب سے ظلم کا کوئی خوف نہ ہوتا تھا اور کمزور ان کے انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔

خدا کی قسم! ایک رات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ علیؑ محراب عبادت میں کھڑے تھے۔ رات کا اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔ وہ ایک مارگزیدہ کی طرح تڑپ رہے تھے اور مصیبت زدہ لوگوں کی طرح بلک رہے تھے۔ اب بھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں ان کی آواز سن رہا ہوں اور وہ فرما رہے ہیں: اے دنیا! کیا تو نے میری طرف رخ کیا ہے اور مجھے پریشان کرنے آئی ہے؟ جا! کسی اور کو فریب دے، علیؑ پر تیرا جادو چلنے والا نہیں، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اور رجوع کا کوئی سوال نہیں، تو بے لذت اور بے وقعت ہے۔ افسوس! زاد راہ تھوڑا، سفر طویل اور ہم سفر کوئی نہیں ہے۔

جب عدی کی گفتگو یہاں تک پہنچی تو امیر شام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے "فَجَعَلَ يَنْشَفُهَا بِكُمِّهِ" اور اس نے اپنی آستین سے آنسو پونچھنے شروع کر دیئے پھر کہنے لگا: خدا علیؑ پر رحمت کرے وہ ایسے ہی تھے جیسا تم نے کہا۔ اب بتاؤ ان کی جدائی میں تمہارا کیا حال ہے؟

عدی نے جواب دیا: میں اس عورت کی مانند ہوں جس کے بیٹے کا سر اس کی گود میں کاٹ دیا گیا ہو۔

امیر شام نے کہا: کیا تم انہیں بھولتے نہیں؟

حبِ علیؑ سے سرشار عدی نے جواب دیا: کیا گردش زمانہ مجھے اجازت دیتا ہے کہ انہیں بھول جاؤں؟ (بیست گفتار ص ۶۸ تا ۷۱)

Marfat.com

امام علیؑ کی سرفروشی

جنگ خندق کے موقع پر کفار قریش کے دس ہزار سپاہیوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسرے قبائل بھی ان کی مدد کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے اقتصادی اور اجتماعی حالات ناگفتہ بہ تھے اور بظاہر ان کے لئے امید کی کوئی کرن باقی نہیں تھی۔

مسلمانوں نے شہر کے اردگرد ایک خندق کھود رکھی تھی۔ عمرو بن عبدود اور اس کے کچھ ساتھیوں نے خندق کے گرد چکر لگایا اور انہیں ایک جگہ ایسی مل گئی جہاں سے انہوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق عبور کر لی۔ وہ لوگ آگے بڑھ کر مسلمانوں کے بالمقابل کھڑے ہو گئے اور "هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" کا نعرہ لگایا۔ تاہم کسی مسلمان نے ان کے مقابلے پر جانے کی جرأت نہ کی کیونکہ انہیں اس بات میں کوئی شک نہ تھا کہ جو بھی آگے بڑھے گا مارا جائے گا۔

حضرت علیؑ کی عمر اس وقت بیس سال سے کچھ اوپر تھی۔ انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر رسول اکرمؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔

آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب پر اتمام حجت کی خاطر فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔

عمرو بن عبدود اپنا گھوڑا میدان میں ادھر ادھر دوڑا رہا تھا اور "هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" کا نعرہ لگا رہا تھا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو اس شخص کے مقابلے پر جائے؟....لیکن کوئی نہ اٹھا۔

حضرت علیؑ دوبارہ اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے اجازت دیجئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔ تیسری بار اور پھر شاید چوتھی بار ایسا ہی ہوا۔

اس اثناء میں عمرو بن عبدود نے ایک شعر پڑھا جس سے مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا اور ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے کہا: "وَلَقَدْ بَحَحْتُ مِنَ النِّدَاءِ بِجَمْعِكُمْ هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ وَ وَقَفْتُ اِذْ وَقَفَ الْمُشْيُ مَوْقِفَ قِرْنِ الْمُعَاجِزِ" یعنی میرا گلا "هل من مبارز" پکارتے پکارتے بیٹھ گیا ہے، کیا تم میں ایک بھی مرد نہیں؟ اے مسلمانو! تم تو دعویٰ کرتے ہو کہ جو تم میں

Marfat.com

سے قتل ہو جائیں وہ بہشت میں جاتے ہیں اور جو ہم میں سے قتل ہو جائیں وہ دوزخ میں جاتے ہیں۔ لہذا تم میں سے ایک شخص کو یہاں آنا چاہئے جو یا مجھے قتل کردے تاکہ میں دوزخ میں جاؤں اور یا خود قتل ہو جائے تاکہ وہ بہشت میں جائے۔

حضرت علیؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا: "لَا تَعْجَلَنَّ فَقَدْ اَتَاكَ مُجِيبُ صَوْتِكَ غَيْرُ عَاجِزٍ".

عمر بن خطاب نے مسلمانوں کی عذر خواہی کے طور پر کہا: یارسول اللہؐ! اگر کوئی نہیں اٹھتا تو وہ حق بجانب ہے کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جو ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ جو کوئی اس کے مقابلے پر جاتا ہے مارا جاتا ہے۔ (سیرۃ حلبی۔ جلد۲۔ صفحہ ۳۳۵ اور ۳۴۵، مستدرک حاکم۔ جلد۳ صفحہ ۳۲، الامتاع۔ صفحہ ۲۴۰)

نوبت یہاں تک پہنچی کہ بالآخر رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو میدان میں بھیجتے ہوئے فرمایا: "بَرَزَ الْاِسْلَامُ كُلُّهُ اِلَى الْكُفْرِ كُلِّهِ"، یعنی مکمل اسلام مکمل کفر کے مقابلے پر جا رہا ہے۔ بالآخر شیر خدا میدان میں گئے، غضب کا رن پڑا اور آپ نے عمرو بن عبدود کا سر قلم کردیا اور اسلام کو مشکل سے نکال لیا۔ (سیرت نبوی ص ۱۳۲۔۱۳۳)

خدا کے قول کا مصداق

مرحوم حاج میرزا علی آقا اعلی اللہ مقامہ کو رسول اکرمؐ اور آپ کے پاک خاندان صلوات اللہ علیہم سے بڑا گہرا اور شدید لگاؤ تھا۔ یہ بزرگوار فقیہ (اجتہاد کی حد تک)، دانشور، عارف، طبیب اور ادیب تھے۔ بعض علوم مثلاً قدیم طب اور ادبیات میں ان کا شمار صف اول کے علماء میں ہوتا تھا۔ وہ بوعلی کی کتاب "قانون" کا درس دیتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حضرت سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام کے آستانۂ عالیہ کے خدمت گزاروں میں بھی شامل

Marfat.com

تھے۔ وہ منبر پر بیٹھ کر وعظ دیا کرتے تھے اور مصائب بیان کرتے تھے۔ بہت کم ایسے لوگ تھے جو ان کا وعظ سنتے ہوں اور ان میں تبدیلی پیدا نہ ہوتی ہو۔ جب وہ وعظ ونصیحت کرتے اور خدا اور آخرت کو یاد کرتے تو خود ان پر ایک روحانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ خدا اور رسولؐ اور خاندان عصمت و طہارت کی محبت انہیں پورے طور پر اپنی جانب کھینچتی تھی۔ خدا کا ذکر کرتے ہوئے ان کی حالت دگرگوں ہوجاتی تھی۔ وہ خدا کے اس قول کے مصداق تھے: "اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَاللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ آیَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ" (سورۂ انفال آیت ۲)

جب وہ رسول اکرمؐ یا امیرالمؤمنینؑ کا نام لیتے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ایک سال حضرت آیت اللہ بروجردی اعلیٰ اللہ مقامہ نے انہیں اپنے گھر میں عشرۂ محرم کی مجالس پڑھنے کی دعوت دی۔ ان کی مجلس کا خاص انداز ہوتا تھا۔ وہ عموماً نہج البلاغہ سے ہٹ کر گفتگو نہیں کرتے تھے۔ وہ آیت اللہ کے گھر میں مجلس پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے اور حاضرین کو جن میں بیشتر اہل علم اور طلبا ہوتے تھے بے حد متاثر کیا۔ یہاں تک کہ ان کی مجلس کی ابتدا سے انتہا تک بہتے ہوئے آنسوؤں اور ہلتے ہوئے کندھوں کے سوا کوئی چیز دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ (عدل الٰہی ص ۲۵۱)

ایک زاہد مجاہد

مولانا رومؒ نے ایک داستان لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ایک زاہد تھا جو عبادات اور دوسرے نیک اعمال انجام دیتا تھا۔ صرف جہاد کی سعادت سے محروم تھا۔ اس نے کچھ مجاہدوں سے کہا کہ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو تو مجھے بھی اطلاع دینا۔ ایک روز وہ خیمہ گاڑ کر بیٹھا ہوا تھا کہ اسے خبر دی گئی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ جو لوگ دشمن

Marfat.com

سے نبرد آزما ہونے اور جنگ کے لئے مستعد و تیار تھے وہ فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر سرپٹ میدان کی طرف دوڑ پڑے۔ جتنی دیر میں زاہد نے ذکر خدا سے فارغ کر اپنی زرہ اور تلوار تلاش کی اتنی دیر میں جنگ ختم ہوگئی اور سپاہی واپس آ گئے۔

زاہد نے پوچھا: کیا ہوا؟

انہوں نے جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ ہم گئے اور دشمن کے کچھ آدمی قتل کئے اور کچھ ہمارے ساتھی بھی مارے گئے۔

زاہد نے کہا: اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟

انہوں نے کہا: کچھ نہیں۔ جنگ تو ختم ہوگئی۔

بالآخر کسی کو زاہد پر ترس آ گیا اور اس نے ایک قیدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس طرف دیکھیں! یہ انہیں بدبخت دشمنوں میں سے ہے۔ اس نے پکڑے جانے سے پہلے کئی سواروں کو قتل کیا ہے۔ اس بنا پر یہ واجب القتل ہے۔ چنانچہ اسے قتل کر دینا چاہئے۔ اب آپ اسے لے جائیں اور اس کی گردن اڑا دیں۔

قیدی کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ زاہد اسے لے گیا تا کہ اس کی گردن مار دے۔

کافی وقت گزر گیا لیکن زاہد لوٹ کر نہ آیا۔ جب لوگ تلاش میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ زاہد زمین پر گرا ہوا ہے اور قیدی باوجود اس کے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، اس پر سوار ہے اور اس کا گلا چبا ڈالنا چاہتا ہے اور قریب ہے کہ وہ اس کی شہ رگ کاٹ دے۔

لوگوں نے قیدی کو قتل کر دیا اور زاہد کو خیمے میں لے آئے اور اس کے چہرے پر پانی چھڑکا حتیٰ کہ اسے ہوش آ گیا۔

جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہوئی تو اس نے کہا: مجھے کچھ خبر نہیں جب ہم یہاں سے گئے تو اس نے مجھے گھورا، میرے قریب ہوا اور زور سے چیخا۔ پھر مجھے کچھ علم نہیں کہ کیا ہوا۔ (تعلیم و تربیت اسلامی ص۱۶۲۔۱۶۳)

Marfat.com

فلک اطلس تک بلند منبر

ابن جوزی اپنے زمانے کے ایک مشہور خطیب تھے۔ ایک روز وہ ایک تین سیڑھیوں والے منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو وعظ کر رہے تھے۔ ایک عورت جو منبر کے قریب بیٹھی تھی اٹھی اور اس نے ایک مسئلہ پوچھا۔

ابن جوزی نے جواب دیا: میں نہیں جانتا۔

عورت نے کہا: اگر تم نہیں جانتے تو اس تین سیڑھیوں والے منبر پر دوسرے لوگوں سے اونچے کیوں بیٹھے ہو۔

ابن جوزی نے کہا: میں جو دوسروں سے تین سیڑھیوں کے برابر اونچا بیٹھا ہوں یہ ان معلومات کے سبب ہے جو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ میں اپنی معلومات کے حساب سے اونچا ہوا ہوں۔ اگر میں ان چیزوں کے حساب سے اونچا ہونا چاہتا جو میں نہیں جانتا تو لازم تھا کہ میں ایک ایسا منبر تیار کرواتا جو فلک الافلاک تک بلند ہوتا۔ (سیرت نبوی ص ۱۱۴۔۱۱۵)

خودسازی

استاد مرحوم حاج شیخ عبدالکریم حائری رضوان اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حاج میرزا محمد تقی شیرازی رضوان اللہ علیہ (جو عظیم مراجع میں سے تھے) کبھی بھی کسی سے ذاتی کام کے لئے نہیں کہتے تھے۔

ایک مرتبہ جب آپ بیمار تھے تو آپ کے گھر والوں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا جو بچوں نے آپ کے پاس لاکر رکھ دیا۔ آپ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ جب دو تین گھنٹے گزر گئے تو کسی نے آکر دیکھا کہ کھانا ٹھنڈا ہو گیا ہے اور آپ نے نہیں کھایا۔

Marfat.com

وجہ یہ ہوئی کہ کھانا کھانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ کسی بچے کو آواز دے کر کہیں کہ ہمارا یہ کام کردو اور آپ کو شبہ ہوا کہ آیا ایسا کرنا آپ کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(سیرت نبوی)

ایک خارجی اور ذہین دیہاتی

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک خارجی کسی گاؤں میں گیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک دیہاتی سے ہوئی۔ وہ اس دیہاتی سے جو سوال کرتا دیہاتی اس کا بڑا معقول اور مناسب جواب دیتا۔ خارجی نے پوچھا: تم نے یہ سب باتیں کہاں سے سیکھیں؟

دیہاتی نے جواب دیا: ہم چونکہ لکھ پڑھ نہیں سکتے اس لئے غور وفکر کرتے ہیں۔

(تعلیم وتربیت اسلامی ص۵)

میں نہیں جانتا کہ میں نہیں جانتا

مرحوم شیخ انصاری رضوان اللہ علیہ ایک ایسے بزرگ تھے جو علم اور تقویٰ میں نابغہ روزگار تھے۔ آج بھی علماء اور فقہاء ان کے کلام کی باریکیوں پر دسترس حاصل ہو جانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

جب آپ تشریف لاتے تھے تو لوگ آپ سے بعض چیزوں کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ اگر آپ کسی سوال کا جواب نہیں جانتے تھے تو جان بوجھ کر بہ آواز بلند کہتے تھے:

Marfat.com

میں نہیں جانتا، میں نہیں جانتا۔ آپ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ شاگرد سمجھ لیں کہ اگر وہ کوئی چیز نہ جانتے ہوں تو انہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آنی چاہئے کہ میں نہیں جانتا۔

(سیرت نبوی ص ۱۱۵)

جھوٹے مرثیے

امام مظلومؑ کی مجلس ہو رہی تھی۔ عزاداروں کے ساتھ ایک بڑے عالم بھی تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں ایک سید جھوٹے مرثیے سنا رہا تھا۔

ان جلیل القدر عالم نے جو مجتہد بھی تھے اس سے کہا: یہ سب کیا ہے جو تم پڑھ رہے ہو؟

اس سید نے جواب دیا: آپ اپنی فقہ اور اصول کی فکر کریں میں اپنے جد کے بارے میں خود اختیار رکھتا ہوں کہ جو چاہوں کہوں۔ (سیرت نبوی ص ۷۲)

عوامی رگ

مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری اعلی اللہ مقامہ اپنی آخری عمر میں بڑھاپے کی بنا پر کمزور ہو گئے تھے۔ اگرچہ ان کے لئے روزہ رکھنا مشکل تھا لیکن پھر بھی رکھتے تھے۔

لوگوں نے ان سے کہا: آپ روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ آپ نے تو خود ''رسالے'' میں لکھا ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت پر روزہ واجب نہیں ہے۔ کیا آپ کا فتویٰ تبدیل ہو گیا ہے یا آپ ابھی اپنے آپ کو بوڑھا نہیں سمجھتے؟

انہوں نے فرمایا: میرا فتویٰ تبدیل نہیں ہوا اور میں اپنے آپ کو بوڑھا بھی سمجھتا ہوں۔

Marfat.com

لوگوں نے عرض کیا، پھر آپ افطار کیوں نہیں کرتے؟

انہوں نے فرمایا: میری عوامی رگ (عوامی سوچ کا انداز) اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ (سیرت نبوی)

بلند ہمتی

چہار مقالہ عروضی میں امیر خجندیؒ کے بارے میں ایک مشہور داستان نقل کی گئی ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم جو ایک گدھا چلانے والے تھے اس امارت اور ریاست تک کیسے پہنچ گئے؟

اس نے جواب دیا: ان دو شعروں کی وجہ سے جو میں نے حنظلہ بادغیسی کے دیوان میں پڑھے۔ وہ دو شعر یہ ہیں:

مہتری گر بہ کام شیر در است
شو خطر کن ز کام شیر بجوی
یا بزرگی و عز و نعمت و جاہ
یا چو مردانت مرگ رو یا روی

اگر بڑائی شیر کے منہ میں ہے تو جاؤ اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اس کے منہ سے حاصل کرو یا تو بڑائی، عزت، نعمت اور رتبہ حاصل کرو اور یا پھر مردوں کی طرح موت کا سامنا کرو۔

جس وقت میں نے یہ شعر پڑھے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو مجھے عزت، نعمت اور رتبہ حاصل کرنا چاہئے اور یا مرجانا چاہئے۔ میرے اس شوق نے اتنی شدت اختیار کی کہ میں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اس کوشش میں صرف کردیں حتیٰ کہ اس مقام پر پہنچ گیا۔ (پیرامون انقلاب اسلامی ۱۰۷)

Marfat.com

اپنے آپ سے دشمنی

ایک قابل احترام، روشن خیال اور دیندار شخص نے جن کا شمار بڑے فاضل طلباء میں ہوتا تھا، پہلی مرتبہ عمامہ ترک کر کے ٹوپی اوڑھی اور اپنے ساتھیوں کے ایک اجتماع میں شریک ہوئے تو ان کے تمام دوستوں نے ان پر اعتراض کیا اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ ان لوگوں نے انہیں اس قدر پریشان کیا کہ اگرچہ وہ طبعاً ایک حلیم طبع شخص ہیں لیکن انہوں نے پلٹ کر ان حضرات سے ایک بڑی معقول بات کہی۔

انہوں نے کہا: میرے دوستو! میں آپ حضرات سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ اپنے دشمنوں کے دوست اور اپنے دوستوں کے دشمن ہیں۔ میں آپ کے سامنے اس بات کی وضاحت کرتا ہوں۔ میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک فرد ہوں۔ آپ ہی کی طرح سوچتا ہوں اور آپ ہی کی طرح خدا، رسولؐ، قرآن اور ائمہؑ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے آپ ہی کی طرح تعلیم پائی ہے اور آپ ہی کی طرح میری تربیت ہوئی ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان ہزاروں چیزیں مشترک ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگرچہ یہ گناہ نہیں ہے لیکن آپ کے بقول میں نے ایک گناہ کیا ہے کہ ضرورت کے تحت اپنا لباس تبدیل کرلیا ہے اور کام کاج کرنے لگا ہوں۔ چلیں میں فرض کئے لیتا ہوں کہ میں گناہ کا مرتکب ہوا ہوں۔ اس بنا پر آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کر کے مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ قطع تعلق کرلوں۔ چونکہ انسان میل جول کے بغیر نہیں رہ سکتا اس لئے میں مجبور ہوں گا کہ آئندہ آپ کے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ دوستی قائم کرلوں۔ چونکہ آپ لوگ زبردستی مجھے اپنے آپ سے دور رکھنا چاہتے ہیں لہذا آپ اپنے دوست یعنی میرے دشمن ہیں اور اپنے دشمنوں کے دوست۔

پھر انہوں نے ایک مثال دی اور کہا کہ فرض کریں ایک شخص نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی بظاہر احکامات اسلامی پر عمل نہیں کیا، اس میں کوئی اسلامی علامت نہیں پائی جاتی، وہ قرآن اور اسلام پر بھی اعتقاد نہیں رکھتا، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ظالم، فاسق اور شرابی ہے۔ پھر اچانک ایک روز آپ دیکھتے ہیں کہ وہی شخص خلاف توقع حضرت امام رضاؑ کے

روضۂ مبارک کی زیارت کے لئے آیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی سبھی کہنے لگتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ اس مرتبہ جب آپ اسے ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ہزار خصلتوں میں سے ۹۹۹ آپ کے اور آپ کے دین کے خلاف ہیں لیکن چونکہ آپ کی توقعات کے برعکس وہ امامؑ کی زیارت کے لئے آگیا ہے اس لئے آپ کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کی ہزار خصلتوں میں سے ۹۹۹ خصلتیں مسلمانوں جیسی ہیں اور آپ کے قول کے مطابق ایک خصلت ان کے برعکس ہے تو آپ کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان نہیں رہا اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ پس آپ اپنے دشمنوں کے دوست ہیں یعنی ان کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کے دشمن ہیں یعنی درحقیقت خود اپنے دشمن ہیں۔ (حماسہ حسینی جلد دوم ص ۱۰۱۔۱۰۲)

ذہنی آزادی

بلاشبہ انسان کو اس حیات مستعار میں بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جتنی عمدہ ہوں اتنا ہی اچھا ہے۔ اسے لباس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جتنا اچھا ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ اسے رہنے کے لئے گھر کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جتنا کشادہ اور آرام دہ ہو اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے بیوی بچوں اور زندگی کی دیگر آسائشوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ انسان روپے پیسے اور سازوسامان کی خواہش بھی رکھتا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ اپنے آپ کو ایک ایسے دوراہے پر پاتا ہے جہاں وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے اس موقع پر اپنی شرافت، عزت اور مرتبے کی حفاظت کرنا چاہئے خواہ اس کی خاطر اسے تنگدستی سے دوچار ہونا پڑے، روکھی سوکھی کھانی پڑے، پھٹا پرانا لباس پہننا پڑے، تنگ اور معمولی گھر میں رہنا پڑے لیکن

وہ اپنی عزت نفس کو ہر حال میں ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے۔ لیکن اگر انسان اس ذلت کو قبول کرلے اور خود سپردگی پر راضی ہوجائے تو اسے مادی نعمتیں مل سکتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پھر بھی بہت سے لوگ اس ذلت کو قبول کرنے پر کسی حال میں تیار نہیں ہوتے چاہے اس کے بدلے انہیں کتنی ہی مادی نعمتیں حاصل ہو جائیں۔ البتہ کچھ لوگ یہ ذلت قبول کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ضمیر کی گہرائیوں میں ایک گونہ ذلت محسوس کرتے ہیں۔

شیخ سعدیؔ گلستان میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ:

دو بھائی تھے، ایک دولت مند اور دوسرا درویش۔ دولت مند بھائی وزیر کے پاس ملازم تھا جبکہ درویش منش محنت مزدوری کر کے روزی کماتا تھا۔

دولت مند بھائی نے ایک روز اپنے درویش بھائی سے کہا:

بھائی! تم کوئی نوکری کیوں نہیں کرلیتے تاکہ اس محنت و مشقت سے نجات حاصل کرلو۔ تم بھی میری طرح وزیر کے پاس ملازم ہوجاؤ تاکہ لکڑیاں توڑنے کی محنت مشقت سے تمہاری جان چھوٹ جائے۔

درویش بھائی نے جواب دیا:

بھائی! تم محنت کیوں نہیں کرتے تاکہ نوکری کی ذلت سے نجات پاؤ۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں نوکری کیوں نہیں کرتا تاکہ محنت مشقت سے بچ جاؤں۔ جبکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم محنت کیوں نہیں کرتے کہ تمہیں نوکری کی ذلت سے چھٹکارا ملے؟

شیخ سعدیؔ اس تمام مال و دولت اور قوت کے باوجود جو غلامی سے حاصل ہوتی ہے، ''غلامی'' کو ذلت قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے انسان کی آزادی سلب ہوجاتی ہے اور اسے دوسروں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

راستے بند، نظر بند، ارادے پابند
کس طرح لوگوں کو اب منزل مقصود ملے

Marfat.com

پھر شیخ سعدیؔ کہتے ہیں کہ:

عقلمندوں کا کہنا ہے کہ خود محنت کر کے روٹی کمانا سنہری پیٹی باندھ کر آقا کی خدمت میں کھڑا رہنے سے بہتر ہے۔

شیخ سعدیؔ فرماتے ہیں:

بہ دست آہن تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بر سینہ پیش امیر

''گرم لوہے کو ہاتھ سے موڑنا آقا کے سامنے سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا رہنے سے بہتر ہے۔'' (گفتارہای معنوی ص۲۹)

ضمیر کا بوجھ

امیر شام کے سرداروں میں سے ایک بشر بن ارتاس تھا۔ یہ بہت سنگدل اور عجیب و غریب شخص تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ کو پریشان کرنے کے لئے امیر شام نے جو مختلف حربے اختیار کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ ''بشر'' یا ''سفیان قامدی'' اور ان جیسے مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے شخص کو فوج کا سردار بنا کر بھیج دیتا اور اس سے کہتا کہ علیؑ کی حکومت کی سرحدوں میں داخل ہو جاؤ اور یہ نہ دیکھو کہ بے گناہ کون ہے اور گناہگار کون ہے — وہی کردار جو آج کل اسرائیل اسلامی ممالک میں ادا کر رہا ہے — انہیں بے بس کر دو، شب خون مارو، آگ لگاؤ، گنہگار اور بے گناہ دونوں کو قتل کر دو، چھوٹے اور بڑے کا لحاظ نہ کرو، ان کا مال لوٹ لو چنانچہ وہ یہ سب کچھ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ امیر شام نے اسی بشر بن ارتاس کو بھیجا۔ وہ ادھر ادھر گھومنے کے بعد یمن جا پہنچا اور وہاں بے حد مظالم ڈھائے۔ ان میں سے ایک ظلم یہ تھا کہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کے

Marfat.com

چچازاد بھائی اور یمن کے والی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے دو کم سن بچے اس کے ہاتھ آگئے اور اس نے ان کی گردنیں اڑا دیں۔

چونکہ جرم بہت سنگین تھا اس لئے اس سنگدل شخص کا ضمیر بیدار ہوگیا اور اسے ملامت کرنے لگا۔

جب وہ سوتا تو حالت خواب میں اسے وہی منظر دکھائی دیتا۔ راستہ چلتے ہوئے یہ دونوں بے گناہ بچے اس کی نگاہوں کے سامنے مجسم ہو جاتے۔ اسی طرح اس کے دوسرے جرائم بھی اسے نظر آنے لگتے۔

رفتہ رفتہ اس کا دماغ چل گیا اور وہ دیوانہ ہوگیا۔ وہ ایک لکڑی کے گھوڑے پر سوار ہوکر لکڑی کی بنی ہوئی ایک تلوار ہاتھ میں لئے سڑکوں پر دوڑتا پھرتا اور گھوڑے کو چابک مارتا۔ بچے اس کے اردگرد جمع ہوجاتے اور اس پر آوازیں کستے۔ (گفتار ہای معنوی ص۱۱۳-۱۱۴)

Marfat.com

مردان خدا کی رات

روحانیت کے نقطہ نظر سے ایک بہت ہی بزرگ ہستی اور میرے استاد جن کا ذکر میں نے گزشتہ سال ماہ رمضان المبارک میں بھی کیا تھا مرحوم حاج میرزا علی آقای شیرازی اصفہانی رضوان اللہ علیہ تھے۔ وہ ان عظیم ترین روحانی اشخاص میں سے تھے جنہیں میں نے اپنی پوری زندگی میں دیکھا ہے۔

ایک رات جب وہ قم المقدسہ میں میرے مہمان تھے تو مجھے بھی ان کے ہمراہ قم کے ایک عالم کے گھر مدعو کیا گیا۔ وہاں بعض اہل ذوق اور شعرو ادب کے دلدادہ بھی موجود تھے۔ اس رات ادب اور شعر کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ تب مجھے پتا چلا کہ یہ بزرگوار شعر و ادب پر کتنا عبور رکھتے ہیں اور عربی اور فارسی کے کتنے بہترین اشعار سے واقف ہیں۔ دوسرے لوگوں

نے اشعار پڑھے جو بڑے عام تھے جبکہ ان بزرگوار نے شیخ سعدیؒ اور حافظ شیرازی کے اشعار پڑھے اور بتایا کہ یہ شعر اس شعر سے بہتر ہے۔ فلاں مضمون فلاں شاعر نے بہتر باندھا ہے اور فلاں مضمون فلاں شخص نے بہتر ادا کیا ہے۔ کسی نے اس طرح کہا ہے اور کسی نے اس طرح کہا ہے۔ اشعار اور پھر اس قسم کے اشعار پڑھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن رات کے وقت اشعار پڑھنا مکروہ ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جب ہم باہر آئے تو وہ کس طرح کانپ رہے تھے۔

وہ کہنے لگے: میں نے طے کیا ہوا تھا کہ رات کو شعر نہیں پڑھوں گا لیکن میں اپنے نفس پر مکمل قابو نہیں پا سکا۔

وہ ایک ایسے شخص کی طرح جس نے بہت بڑا گناہ کیا ہو بار بار "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ" پڑھ رہے تھے۔ خدا کی پناہ! ہم نے اگر شراب بھی پی ہوتی تو اتنے پریشان نہ ہوتے جتنے ایک مکروہ فعل انجام دینے پر وہ پریشان ہو رہے تھے۔

اس قسم کے لوگ چونکہ خدا کے محبوب ہوتے ہیں اس لئے خدا کی جانب سے انہیں ایک طرح کی تنبیہ کی جاتی ہے جس کا اندازہ ہم اور آپ نہیں لگا سکتے۔

وہ ہر رات طلوع فجر سے کم از کم دو گھنٹے پہلے بیدار ہو جاتے تھے۔ ان کی شب بیداری دیکھ کر شب زندہ داری کے معنی میری سمجھ میں آئے۔ ان کو دیکھ کر میں سمجھا کہ "شب مردان خدا روز جہاں افروز است" سے کیا مراد ہے؟ ان کی عبادت دیکھ کر میں سمجھا کہ عبادت اور خدا شناسی کے کیا معنی ہیں۔ ان کے استغفار اور جذب کی کیفیات کو دیکھ کر میں سمجھا کہ استغفار کا کیا مطلب ہے اور عشق خدا میں گم ہو جانے کے کیا معنی ہیں؟

اس رات وہ اس وقت بیدار ہوئے جب فجر کی اذان ہو رہی تھی، اس طرح خدا نے انہیں تنبیہ کی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو مجھے بھی جگایا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: یہ گزشتہ شب کے اشعار کا اثر تھا۔

اب جب ایک ایسے پختہ ایمان والی روح پر اگر اتنی معمولی ضرب بھی پڑے یعنی اس روح کے ادنیٰ مقامات سے روح کے اعلیٰ مقامات پر ایک معمولی سا حملہ ہو تو اس کے مقامات کی

Marfat.com

بلندی میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ روح میں ایک ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اسے متنبہ کیا جاتا ہے کہ دیکھو سزا سے نہیں بچ سکتے۔

جو شخص رات کو مسلسل شعر پڑھتا رہے اور دو گھنٹے شعر پڑھنے میں گزار دے وہ اس قابل نہیں کہ دو گھنٹے خدا سے مناجات کرے۔ (گفتار ہای معنوی ص۱۱۴ تا ۱۱۶)

حضرت امیر المومنینؑ کی نصیحت

ایک شخص مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المؤمنینؑ مجھے نصیحت فرمائیں۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اسے بہت سی نصیحتیں کیں لیکن میں یہاں صرف چار جملے پیش کروں گا جن میں سے آج دو کے معنی بتاؤں گا۔

آپ نے فرمایا: "لَا تَکُنْ مِمَّنْ یَرْجُوْ الآخِرَۃَ بِغَیْرِ الْعَمَلِ. وَیَرُدَّالتَّوْبَۃَ بِطُوْلِ الاَمَلِ. یَقُوْلُ فِی الدُّنْیَا بِقَوْلِ الزَّاھِدِیْنَ، وَیَعْمَلُ فِیْھَا عَمَلُ الرَّاغِبِیْنَ" یعنی تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو آخرت میں کامیابی کی امید رکھتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ عمل کے بغیر آخرت میں فلاح پا جائیں۔"

ہم سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے لئے حضرت امیرؑ کی محبت کافی ہے جبکہ ہماری محبت حقیقی محبت بھی نہیں ہے۔ اگر ہماری محبت حقیقی ہوتی تو ہم اس دعوے کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرتے۔ ہمارے خیال میں یہی ظاہری وابستگی کافی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ جناب امیرؑ کو ہماری ضرورت ہے اس لئے اگر کوئی شخص ان سے جھوٹ موٹ کا تعلق بھی رکھے تب بھی ٹھیک ہے کیونکہ اس وقت ہمیں کثرت تعداد کی ضرورت ہے۔ یعنی افراد کی کثرت کو ہم کافی سمجھتے ہیں۔ ہم گمان کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کی خاطر بغیر معرفت کے چند آنسو بہا لینا کافی ہے۔ لیکن جناب امیرؑ نے فرمایا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اگر علیؑ کی محبت تمہیں عمل کی جانب راغب کرے تو سمجھو کہ تمہاری محبت سچی ہے اور اگر حسینؑ پر آنسو بہانا تمہیں عمل کی

Marfat.com

طرف مائل کرے تو سمجھو کہ تم حسینؑ کی خاطر روئے ہو اور تمہارا رونا ایک صحیح عمل ہے ورنہ یہ شیطان کا بہکاوا ہے۔

نقش حق کو اب بھی او غافل! جلی کرتا نہیں اب بھی تقلید حسینؑ ابن علیؑ کرتا نہیں

دوسرا جملہ آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں: "وَیَرُدُّ التَّوْبَةَ بِطُوْلِ الْاَمَلِ"، یعنی اے شخص! تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو دل میں توبہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں لیکن اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ اتنی کیا جلدی ہے ابھی کافی وقت پڑا ہے۔

اے برادران ایمان! اگر ہمارے مولا یہاں تشریف لائیں اور میں اور آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور عرض کریں کہ اے امیرالمؤمنینؑ! ہمیں نصیحت فرمایئے تو وہ یہی فرمائیں گے۔ "لَا تَکُنْ مِمَّنْ یَّرْجُوْ الْآخِرَةَ بِغَیْرِ الْعَمَلِ. وَیَرُدُّ التَّوْبَةَ بِطُوْلِ الْاَمَلِ."

(گفتارہای معنوی ص۱۱۹-۱۲۰)

واحد جائے پناہ

مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو جناب عثمان بن مظعون بھی مہاجرین میں شامل تھے۔ عثمان بن مظعون وہ پہلے صحابی تھے جنہوں نے مدینہ میں وفات پائی۔ رسول اکرمؐ نے حکم دیا کہ انہیں بقیع میں دفن کیا جائے، اسی روز سے بقیع قبرستان قرار پایا۔ جناب عثمان بن مظعون بقیع کی مشرقی سمت میں مدفون ہیں۔

جناب عثمان بن مظعون بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ رسول اکرمؐ ان سے بے حد محبت کا اظہار فرماتے تھے اور سبھی لوگ اس بات سے واقف تھے۔ امیرالمؤمنینؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: "قَدْ کَانَ لِیْ فِیْ مَا مَضٰی اَخٌ فِی اللّٰهِ وَکَانَ ...." یعنی ماضی میں میرا ایک دینی بھائی تھا۔ وہ ایسا بھائی تھا جو سچائی کی راہ پر گامزن تھا اور جو چیز میری نظروں میں اس کا مرتبہ بڑھاتی تھی وہ یہ تھی کہ ساری دنیا اس کی نگاہ میں ہیچ تھی۔

Marfat.com

نہج البلاغہ کے شارحین کا کہنا ہے کہ امیرالمؤمنینؑ نے یہ الفاظ عثمان بن مظعون کے بارے میں کہے ہیں۔ امیرالمؤمنینؑ کے ایک بیٹے کا نام عثمان تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: میں اس کا نام اپنے بھائی عثمان بن مظعون کے نام پر رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ چاہتے تھے کہ اس طرح عثمان بن مظعون کی یاد آپ کے دل میں تازہ رہے۔ مہاجرین میں سے جب عثمان بن مظعون نے وفات پائی تو اس وقت وہ ایک انصاری کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ اس گھر میں ام ہلا بھی رہتی تھی جو شاید ان کے انصاری بھائی کی بیوی تھی اور ان کی خدمت کیا کرتی تھی۔

رسول اکرمؐ عثمان بن مظعون کے جنازے کی تشیع کی خاطر تشریف لائے اور ان کے جنازے کی رسوم ایسے انجام دیں جیسے خاص اصحاب کے سلسلے میں انجام دیا کرتے تھے۔

اچانک ام ہلا نے عثمان بن مظعون کے جنازے کی جانب منہ پھیرا اور کہا: "هَنِيْئًا لَکَ الْجَنَّة" یعنی تمہیں بہشت مبارک ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مخاطب کر کے سختی سے فرمایا: تم سے یہ وعدہ کس نے کیا؟

اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! یہ آپ کے صحابی ہیں۔ میں نے یہ بات اس محبت کی بنا پر کہی جو آپ کو ان سے تھی۔

آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی جو بہت پر معنی ہے: "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلاَ بِكُمْ." یعنی اے رسولؐ! کہہ دو کہ میں رسولوں میں سے کوئی نیا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (سورۂ احقاف آیت ۹)

سورۂ جن کی آخری آیات میں ارشاد ہوا کہ: "قُلْ اِنِّيْ لاَ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلاَ رَشَدًا. قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا." یعنی اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ تمہارے نفع اور نقصان پر میرا کوئی اختیار نہیں۔ خود خدا میری واحد جائے پناہ ہے۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص۲۲۰۔۲۲۱)

دشمن کے ساتھ مروت

جنگ صفین میں امیر شام کے لشکر میں کریب بن صباح نامی ایک شخص تھا۔ وہ میدان میں آیا اور اس نے مبارز طلب کیا۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے لشکر کا ایک بہادر سپاہی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اترا۔ تاہم زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کریب نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے اس صحابی کو قتل کردیا اور اس کی میت ایک طرف ڈال دی۔

پھر اس نے دوبارہ مبارز طلب کیا۔ ایک اور شخص اس کے مقابلے پر گیا لیکن اس نے اسے بھی قتل کردیا۔

پھر وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور دوسرے شخص کی میت پہلی میت پر ڈال دی۔ بعدازاں اس نے تیسری دفعہ اور پھر چوتھی دفعہ مبارز طلبی کی اور اسی ترتیب سے علی علیہ السلام کے چار اصحاب کو قتل کردیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس شخص کے بازوؤں اور انگلیوں میں اتنی قوت تھی کہ وہ سکے کو ہاتھ سے رگڑ کر اس کی تحریر مٹا دیتا تھا۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس شخص کی چستی، پھرتی، شجاعت اور قوت کا یہ عالم تھا کہ حضرت امیرالمومنینؑ کے جو اصحاب پہلی صف میں تھے وہ پیچھے چلے گئے تاکہ مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔

اس موقع پر حضرت امیرالمومنینؑ خود آگے بڑھے اور آپ نے ایک ہی وار میں اسے قتل کردیا اور اس کی لاش ایک طرف ڈال دی۔

پھر دوسرا شخص آیا، اسے بھی آپ نے قتل کردیا اور فوراً اس کی لاش پہلے پر ڈال دی۔ اسی طرح تیسرا اور پھر چوتھا شخص آیا اور مارا گیا۔ پھر کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی۔ اس موقع پر حضرت امیرالمومنینؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: "فَمَنْ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ." (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۴) پھر فرمایا: "اے اہل شام! اگر تم لوگ لڑائی شروع نہ کرتے تو ہم بھی شروع نہ کرتے چونکہ تم نے جنگ شروع کی اس لئے ہم نے بھی تمہارے ساتھ جنگ کی۔"

Marfat.com

حضرت امام حسینؑ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ آپ نے بھی عاشور کو یہی کہا کہ جنگ وہ لوگ شروع کریں جو بظاہر مسلمان ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: انہیں جنگ شروع کرنے دو ہم پہل ہرگز نہیں کریں گے۔

(حماسہ حسینی جلد اول ص۲۶۲۔۲۶۳)

لفظی تحریف

علماء میں سے ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ ان کی جوانی کے ایام میں ایک قصیدہ گو تہران سے مشہد آیا۔ وہ کئی روز تک مسجد گوہرشاد میں یا اس کے صحن میں کھڑے ہو کر قصیدے پڑھتا رہا۔ وہ دوسری چیزوں کے علاوہ حافظ سے منسوب یہ مشہور غزل پڑھتا تھا:

اے دل غلام شاہ جہان باش و شاہ باش
پیوستہ در حمایت لطف اللہ باش
قبر امام ہشتم و سلطان دین رضا
از جان ببوس و بردرآن بارگاہ باش

ان صاحب نے اس کو ٹوکا اور اس سے کہا: جناب آپ یہ شعر غلط کیوں پڑھ رہے ہیں؟ آپ کو اسے یوں پڑھنا چاہئے:

قبر امام ہشتم و سلطان دین رضا
از جان ببوس و بردرآن ، بارکاہ باش

یعنی جب آپ حرم میں پہنچیں تو جس طرح گھاس کا ایک گٹھا گدھے کی پیٹھ پر سے نیچے گرا دیا جاتا ہے اسی طرح اپنے آپ کو زمین پر گرا دیں۔ اس کے بعد بیچارا قصیدہ گو جب کبھی یہ شعر پڑھتا تو "بارگاہ" کی بجائے "بارکاہ" کہتا اور ساتھ ہی اپنے آپ کو زمین پر گرا دیتا۔ اسے کہتے ہیں تحریف۔ (حماسہ حسینی جلد اول ص۱۰)

مقصد نیک ہو تو غلط وسیلہ جائز ہے؟

مرحوم حاجی نوری نے اپنی کتاب لؤ لؤ والمرجان میں ایک نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی ''محبت'' میں رونے کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ جس طرح بھی رونے رلانے کا کام کیا جائے کرنا چاہیئے۔

موجودہ دور میں میکاولی کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ مقصد ''وسیلہ'' کو جائز کر دیتا ہے۔ اگر مقصد نیک ہو تو ''وسیلہ'' سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً جنگ اور ''محبت'' میں سب جائز ہے۔

بلاشبہ قتل حسینؑ ظلم کی انتہا تھی۔ آثارؑ و اخبار اہلبیتؑ کے مطابق حضرت سیدالشہداء کے غم میں رونا حصول ثواب کا ذریعہ ہے لیکن لوگوں کو کس ''وسیلہ'' سے رلایا جائے؟ اس کا جواب بعض لوگ یہ دیتے ہیں چونکہ مقصد نیک ہے لہذا اس کا وسیلہ خواہ کچھ بھی ہو صحیح ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا ایک اہانت آمیز تعزیہ نکالنا درست ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ کیا اس کے ذریعے آنسو جاری ہوتے ہیں؟ اگر آنسو جاری ہوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ خواہ ہم بگل بجائیں، ڈھول بجائیں، گناہ کے مرتکب ہوں، مرد کو عورت کا لباس پہنائیں، قاسمؑ کی شادی رچائیں، تحریف کریں، امام حسینؑ کی بارگاہ میں ان چیزوں کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ امام حسینؑ کی بارگاہ دوسروں کی بارگاہ سے مختلف ہے۔ یہاں جھوٹ بولنا معاف ہے، آپ تحریف کریں، سوانگ رچائیں، مرد کو عورت کا لباس پہنائیں، سب معاف ہے۔ آپ یہاں جو گناہ بھی کریں معاف ہے، چونکہ مقصد بے حد مقدس ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگوں نے اس بارے میں ایسے ایسے واقعات گھڑے ہیں اور تحریفیں کی ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

دس پندرہ سال پہلے جب میں اصفہان گیا تو بزرگ عالم حاج شیخ محمد حسن نجف آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ایک مرثیہ گو آیا ہوا تھا۔ اس نے جو مرثیہ پڑھا وہ میں نے پہلی مرتبہ سنا تھا۔ اتفاق سے وہ مرثیہ گو افیمی بھی تھا۔ اس نے مرثیہ پڑھا اور لوگوں کو بے انتہا رلایا۔ اس نے ایک بڑھیا کا قصہ بیان کیا جو متوکل کے زمانے میں امام حسینؑ کے حرم کی زیارت کو جانا چاہتی تھی لیکن اسے روک لیا گیا اور اس کے ہاتھ کاٹ

دیئے گئے۔ پھر مرثیہ گو نے معاملہ یہاں تک پہنچایا کہ اس عورت کو لے جا کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ اس حالت میں عورت نے فریاد کی: یا ابوالفضل العباسؑ! مدد کے لئے آیئے۔

جب وہ ڈوب رہی تھی تو ایک سوار آیا اور اس نے کہا: میرے گھوڑے کی رکاب تھام لو۔ اس عورت نے رکاب تھام لی اور کہا تم اپنا ہاتھ کیوں نہیں بڑھاتے ہو؟ سوار نے جواب دیا: میرے ہاتھ نہیں ہیں۔ اس پر لوگ بہت روئے۔ مرحوم حاج شیخ محمد حسن نے اس واقعے کی مختصر تاریخ یوں بیان کی:

ایک روز مدرسہ صدر میں (یہ واقعہ ان کے پہنچنے سے پہلے رونما ہوا اور انہوں نے معتبر اشخاص سے نقل کیا) ایک مجلس عزا تھی جو اصفہان کی عظیم ترین مجالس میں شمار ہوتی تھی۔ مرحوم حاج ملا اسماعیل خواجوی بھی جو اصفہان کے چوٹی کے علماء میں سے تھے اس مجلس میں شریک تھے۔ ایک مشہور واعظ نے کہا کہ میں آخری مقرر تھا۔ دوسرے مقررین آتے رہے اور لوگوں کو رلانے کے لئے اپنا ہنر دکھاتے رہے۔ جو مقرر آتا وہ تقریر کر کے بیٹھ جاتا تاکہ اپنے بعد آنے والے مقرر کا ہنر دیکھے۔ مجلس ظہر تک جاری رہی۔ جس شخص کے پاس جو ہنر تھا اس نے اس کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کو رلایا۔ میں نے سوچا کہ میں کیا کروں؟ میں نے فوری طور پر یہ قصہ گھڑا اور منبر پر بیان کر کے سب کو مات کر دیا۔ اسی روز میں عصر کے وقت میں ایک اور مجلس پڑھنے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ذاکر اول منبر پر گیا تھا وہی داستان بیان کر رہا تھا جو میں نے صبح گھڑی تھی۔ رفتہ رفتہ اس قصے نے کتابوں میں جگہ پائی اور مشہور ہو گیا۔ یہ وہم اور غلط خیال کہ امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ ایک الگ بارگاہ ہے اور لوگوں کو رلانے کے لئے ہر ممکن "وسیلہ" استعمال کرنا چاہئے۔ یہی سوچ کربلا جیسے عظیم واقعے میں گھڑنت اور تحریف کا ایک بہت بڑا سبب بن گئی۔

حاج شیخ عباس قمی کے استاد حاجی نوری ایک بڑی علمی شخصیت تھے اور وہ حاج شیخ عباس پر بھی فوقیت رکھتے تھے۔ حاج شیخ عباس اور دوسروں کے اعتراف مطابق وہ زبردست عالم اور متقی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس مسئلے کو یوں پیش کیا ہے کہ اگر یہ بات درست ہو کہ مقصد وسیلے کو جائز کر دیتا ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ "اَدْخَالَ السُّرُوْرِ فِیْ قَلْبِ

Marfat.com

اَلمُؤمِنُ عِبَادَۃٌ'' کے بمصداق اگر میں ایک مومن کو خوش کرنے کے لئے اس کے سامنے کسی کی غیبت کرتا ہوں کیونکہ غیبت اسے پسند ہے تو کیا یہ جائز ہوگا۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ میں گناہ کا مرتکب ہورہا ہوں تو میں کہوں گا کہ میرا مقصد تو نیک ہے۔ میں غیبت کر کے مومن بھائی کو خوش کرنا چاہتا ہوں بتایئے آپ کا کیا خیال ہے! (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۴۱ تا ۴۴)

تحریفات عاشورا

مرحوم حاج شیخ عباس قمی، مرحوم حاج شیخ علی اکبر نہاوندی اور مرحوم حاج شیخ محمد باقر بیرجندی کے استاد مرحوم میرزا حسین نوری (حاجی نوری) اعلی اللہ مقامہ ایک معروف شخصیت تھے۔ وہ ایک ایسے باذوق، پرجوش اور باایمان محدث تھے جو اپنے فن میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اگرچہ ان کی لکھی ہوئی بعض کتابیں ان کے شایان شان نہیں ہیں اور اس دور کے علماء نے ان کتابوں کی بناپر انہیں سرزنش بھی کی ہے لیکن عموماً ان کی کتابیں اچھی ہیں۔ بالخصوص ایک کتاب جو انہوں نے لؤ لؤ والمرجان کے نام سے منبر کے موضوع پر لکھی مختصر ہونے کے باوجود بے حد عمدہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اہل منبر کے فرائض منصبی کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ یہ پوری کتاب دو حصوں ''خلوص'' اور ''صدق'' پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ''خلوص'' نیت کے بارے میں ہے جو کہ ایک مقرر، خطیب، واعظ یا مرثیہ گو کے لئے شرائط میں سے ہے یعنی اس کی نیت خالص ہو چاہے، واعظ ہو یا مرثیہ گو اسے روپے پیسے کا لالچ نہ ہو۔ اس موضوع پر انہوں نے اتنی عمدہ اور سیر حاصل بحث کی ہے جو کہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔

دوسرا حصہ واعظ یا مرثیہ گو کی دوسری شرط ''صدق'' کے بارے میں ہے۔ یہاں انہوں نے سچ اور جھوٹ بولنے کے موضوع کی تشریح کی ہے اور جھوٹ کی مختلف اقسام پر ایسی بحث کی ہے کہ میرے خیال میں کسی اور کتاب میں جھوٹ اور اس کی اَقسام کے بارے میں اتنی

Marfat.com

سیر حاصل بحث نہیں کی گئی۔ اس کتاب کی نظیر شاید دنیا میں کہیں نہیں ملتی اور حاجی نوری نے اس کتاب میں حیرت انگیز علمی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مرحوم حاجی نوری نے اس کتاب میں جھوٹ کے کچھ ایسے نمونے پیش کئے ہیں جنہیں واقعہ کربلا سے منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ جو شکوہ میں کرتا ہوں وہ زیادہ تر یا سارے کا سارا وہی ہے جس کی شکایت مرحوم حاجی نوری نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی عزاداری ''ضرور'' ہونی چاہئے لیکن ہمارے دور میں امام مظلومؑ پر ایک نیا ظلم کیا جارہا ہے جو پہلے ادوار میں نہیں کیا گیا۔ وہ ظلم یہ ''جھوٹ'' ہیں جو واقعۂ کربلا کے بارے میں بولے جاتے ہیں اور کوئی ان کی روک تھام کرنے والا نہیں۔ بے شک امام حسینؑ کی مصیبت پر رونا چاہئے لیکن ان تلواروں اور نیزوں کے لئے نہیں جو اس روز ان کے پاک جسم پر چلائے گئے بلکہ ان جھوٹی باتوں کے لئے جو اس سانحہ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے ایک عالم نے مجھے خط لکھا اور ان جھوٹے مرثیوں کے بارے میں شکایت کی جو ہندوستان میں پڑھے جاتے ہیں اور درخواست کی کہ میں ایک کتاب لکھوں جس کے ذریعے ہندوستان میں جھوٹے مرثیوں کا سدباب ہوسکے۔ حاجی نوری لکھتے ہیں کہ ان ہندوستانی عالم کا خیال تھا کہ یہ اہل منبر جب ہندوستان پہنچتے ہیں تو جھوٹے قصے سناتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ گدلا پانی چشمے سے پھوٹتا ہے اور جھوٹے مرثیوں کے مراکز کربلا، نجف اور ایران ہیں۔

اب میں نمونے کے طور پر وہ تحریفات بیان کرتا ہوں جن میں سے بعض کا تعلق عاشورا سے پہلے کے واقعات سے ہے، بعض کا تعلق راستے میں پیش آنے والے واقعات سے ہے، بعض کا تعلق محرم کے ایام سے ہے اور بعض اسیری کے ایام سے متعلق ہیں۔ بعض واقعات سانحۂ کربلا کے بعد کے ائمہ سے مربوط ہیں لیکن زیادہ تر یوم عاشورا سے متعلق ہیں۔ اب میں ان میں سے ہر ایک تحریف کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ضروری ہے کہ ایک بات میں پہلے بتادوں اور وہ یہ کہ ان تمام تحریفات کے لئے لوگوں کو جواب دینا پڑے گا۔ آپ لوگ جو مجالس عزا میں شریک ہوتے ہیں اور قطعاً یہ نہیں

سوچتے کہ اس معاملے میں آپ بھی جوابدہ ہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ذاکروں سے پوچھا جائے گا لیکن درحقیقت آپ بھی جوابدہ ہیں۔ لوگوں کی دو بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ ایک یہ کہ نہی عن المنکر سب پر واجب ہے اور جب وہ سمجھ جائیں اور جان لیں کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کا بیشتر حصہ جھوٹ ہے تو انہیں اس مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہئے کیونکہ وہاں بیٹھنا حرام ہے اور انہیں اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ دوسری ذمہ داری اس فکر کا خاتمہ ہے جو بانیان مجلس اور سننے والوں کے دلوں میں مجلس کے گرم ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجلس زوردار ہو اور کربلا بن جائے۔ ذاکر بے چارا دیکھتا ہے کہ اگر وہ بالکل سچ بیان کرتا ہے تو مجلس گرم نہیں ہوگی اور پھر یہ لوگ اسے نہیں بلائیں گے۔ لہذا وہ مجبور ہو کر کچھ تھوڑا بہت اضافہ کر دیتا ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس سوچ کو اپنے ذہنوں سے نکال دیں اور اپنے طرزعمل سے ایسے ذاکروں کی حوصلہ شکنی کریں جو کہرام برپا کر دیتا ہے اور مجلس کو کربلا بنا دیتا ہے۔ کربلا بنانے کا کیا مطلب ہے؟ لوگوں کو چاہئے کہ حقائق پر مبنی مجالس سنیں تاکہ ان کی معرفت میں اضافہ ہو اور ان کی سطح فکر بلند ہو۔ ان کو جان لینا چاہئے کہ اگر کوئی ایک بات بھی ان کی روح میں اتر جائے یعنی روح سیدالشہداءؑ سے پیوستہ ہو جائے اور اس کے نتیجے میں صرف ایک آنسو ان کی آنکھ سے ٹپک جائے تو واقعی یہ لعل و گوہر ہے۔ لیکن وہ آنسو جو خود ساختہ واقعات سننے سے ٹپکیں وہ خواہ ایک سمندر کے برابر ہی کیوں نہ ہو ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک قصبے میں ایک بہت بڑے عالم رہتے تھے جن کے دل میں کسی حد تک دین کا درد پایا جاتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کذب بیانی پر اعتراض کرتے تھے جو منبر سے کی جاتی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ خرافات کیا ہیں جو تم منبروں پر بیٹھ کر بیان کرتے رہتے ہو؟

ایک مرتبہ ایک خطیب نے ان سے کہا کہ اگر ہم یہ باتیں بیان نہ کریں تو ہمارا کاروبار بند ہو جائے گا۔ ان صاحب نے جواب دیا کہ یہ باتیں جھوٹی ہیں اور بیان نہیں کی جانی چاہئیں۔ اتفاق سے کچھ عرصے بعد خود ان صاحب نے ایک مجلس عزا برپا کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی مسجد میں ہی مجلس کا اہتمام کیا اور اسی خطیب کو دعوت سخن دی۔ تاہم مجلس شروع ہونے سے پہلے انہوں نے خطیب سے کہا کہ میں ایک مثالی مجلس منعقد کرنا چاہتا ہوں جس میں کربلا کے صحیح

واقعات کے علاوہ کچھ نہ پڑھا جائے۔ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ معتبر کتابوں سے ہٹ کر کوئی بات نہ کریں یعنی یہ کہ آپ کو ''خرافات'' سے مکمل گریز کریں۔

خطیب کہنے لگا چونکہ مجلس کا اہتمام آپ کر رہے ہیں اس لئے جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔ پہلی رات بانی مجلس خود محراب میں روبقبلہ بیٹھے تھے اور منبر بھی محراب کے پاس ہی تھا۔ خطیب نے کچھ گفتگو کرنے کے بعد کربلا کے واقعات بیان کرنا شروع کئے اور اپنے آپ کو صرف صحیح واقعات تک محدود رکھا۔ لیکن اس نے جو کچھ کہا اس کی وجہ سے مجلس میں کوئی رقت پیدا نہ ہوئی۔ بانی مجلس نے دیکھا کہ عجیب صورتحال پیدا ہوگئی ہے۔ یہ مجلس تو ان کی اپنی ہے بعد میں لوگ کہیں گے کہ فاطمہؑ اشکوں کی تمنا لئے اٹھ گئیں اور عورتیں کہیں گی کہ ان صاحب کی نیت ہی صاف نہیں تھی مجلس میں رقت کیسے پیدا ہوتی۔ اگر ان کی نیت درست ہوتی تو اب تک کربلا بن جاتی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی عزت خطرے میں ہے لہذا سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔ چنانچہ انہوں نے دل میں کہا ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' اور آہستہ سے خطیب سے کہا کہ اس میں تھوڑی سی ''خرافات'' بھی شامل کردو۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۱۳ تا ۱۷)

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''عزاداری ہماری شہہ رگ ہے۔'' ہمیں ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ ؎

خوف ہے قربانیٔ اعظم نظر سے گر نہ جائے ابنِ حیدرؑ کے لہو پر، دیکھ، پانی پھر نہ جائے

اصحاب حسینؑ کی وفاداری

معتبر تواریخ میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ شب عاشور امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو خیمہ ''عِنۡدَ قَرۡبِ الۡمَاءِ''[1] کے اندر یا اس کے نزدیک جمع کیا اور ان کے سامنے مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا جسے میں یہاں نقل نہیں کرنا چاہتا۔ مختصراً اس خطبے میں امامؑ نے

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیمہ پانی کی مشکوں کیلئے مخصوص تھا اور روز اول سے پانی اس خیمے میں ذخیرہ کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

اپنے اصحاب باوفا سے فرمایا کہ تم سب آزاد ہو۔ میں تم پر سے اپنی بیعت اٹھا لیتا ہوں۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی جانے کا خواہشمند ہو اور اپنے آپ کو مجبور سمجھے۔ حتیٰ کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بیعت کی بناپر اس کا وہاں رہنا ضروری ہے۔ لہذا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے خاندان، بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور تم سب کو آزاد کرتا ہوں۔ ان لوگوں کو میرے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ رات اندھیری ہے لہذا تم اس تاریکی کا فائدہ اٹھاؤ اور چلے جاؤ۔ وہ لوگ تم سے قطعاً کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

پہلے آپ نے اپنے اصحاب کی تعریف کی اور فرمایا کہ میں تم سے بالکل راضی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کسی کو مجھ سے بہتر اصحاب ملے ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی کے اہلبیت میرے اہلبیت سے بہتر ہوں۔

مگر ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آقا! یہ کیونکر ممکن ہے؟ ہم رسول اکرمؐ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ کیا وفا مٹ چکی ہے؟ کیا انسانیت ختم ہوگئی ہے؟ کیا محبت مرگئی ہے؟ کیا احساس مٹ گیا ہے؟ انہوں نے وہاں ایسی پرجوش گفتگو کی جو کسی پتھر دل کو بھی ہلا کر رکھ دے اور انسان کے اندر ہلچل پیدا کردے۔

ایک مجاہد اٹھا اور کہنے لگا: ''فرزند رسولؐ! ایک جان تو کیا، اگر مجھے ستر مرتبہ زندگی ملے تو میں ستر مرتبہ اپنے کو آپ پر سے قربان کردوں۔

دوسرا مجاہد اٹھا اور بولا: ''مولاؑ! میں ہزار مرتبہ قربان کردیتا۔''

ایک اور مجاہد اٹھا اور کہنے لگا: ''کاش یہ ممکن ہوتا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کردیتا اور پھر میرے بدن کو آگ لگادی جاتی اور اسے راکھ کردیا جاتا اور راکھ ہوا میں اڑا دی جاتی پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا جاتا اور پھر ....''

انصار تھے حسینؑ کے کیا کیا وفا پسند   تیور نبی پسند ، ادائیں خدا پسند
پہلو میں دل ہر ایک تھا کربلا پسند   یہ دین کا فروغ تھا دنیا کو ناپسند
گل ہے چراغ طور یہ قدرت خدا کی ہے
روشن جہاں میں شمع کربلا کی ہے

Marfat.com

سب سے پہلے حضرت عباسؑ کھڑے ہوئے ان کے بعد دوسرے بنی ہاشم نے تقاریر کیں۔ جب سب نے ایسی باتیں کہیں تو امامؑ نے موضوع گفتگو بدل دیا اور انہیں کل پیش آنے والے حقائق سے آگاہ کیا۔ آپ نے انہیں ان کے قتل کیے جانے کی خبر دی۔ ان سب نے اسے ایک بہت بڑی خوشخبری کے طور پر سنا۔ اسی جوان نے جس پر ہم اس قدر ظلم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسے شادی کی آرزو تھی ایک سوال کیا۔ اس سوال کے ذریعے اس نے خود بتادیا ہے کہ اس کی آرزو کیا تھی۔ جب بہت سے مرد ایک محفل میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ایک تیرہ سال کا بچہ ان کے ساتھ نہیں بیٹھتا بلکہ ان کے پیچھے بیٹھتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچہ امامؑ کے اصحاب کے پیچھے بیٹھا تھا اور غور سے سن رہا تھا کہ دوسرے کیا کہہ رہے ہیں۔ جب امامؑ نے فرمایا کہ تم سب کل قتل کردیئے جاؤ گے تو بچے نے بے تابی سے دل ہی دل میں سوچا کہ میں بھی ان سب میں شامل ہوں یا نہیں؟ آخر میں بچہ ہوں شاید امامؑ کے فرمان کا مقصد یہ ہو کہ بڑے مارے جائیں گے لیکن میں تو ابھی چھوٹا ہوں۔ لہذا اس نے امامؑ کو مخاطب کر کے عرض کیا: "وانا فی من یقتل" یعنی کیا میں بھی مارے جانے والوں میں شامل ہوں؟ اب آپ دیکھیں کہ اس کی آرزو کیا تھی۔

امامؑ نے فرمایا: پہلے میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ امامؑ نے یہ سوال خاص طور پر کیا۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ سوال اور جواب سامنے آئیں تاکہ آئندہ آنے والے لوگ گمان نہ کریں کہ اس جوان نے بغیر سوچے سمجھے اپنی جان قربان کردی اور یہ نہ کہیں کہ اس کے دل میں شادی کی آرزو تھی اور اس کے لئے حجلہ عروسی تیار نہ کریں اور اس طرح گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔

لہذا آپ نے فرمایا: پہلے میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ "کَیفَ الْمَوْتُ عِنْدَکَ؟" یعنی اے میرے بچے! اے میرے بھائی کے فرزند! پہلے یہ بتاؤ کہ تم موت کو کیسا پاتے ہو؟

اس نے فوراً جواب دیا: "اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ" وہ میرے لئے شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔ میرے دل میں اس سے بڑھ کر اور کوئی آرزو نہیں ہے۔ یہ کتنا دل ہلا دینے والا منظر ہے۔ یہی وہ عوامل ہیں جنہوں نے اس واقعے کو ایک عظیم تاریخی واقعہ بنادیا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس واقعہ کو زندہ رکھیں۔ (حماسہء حسینی جلد اول ص ۲۷ تا ۲۹)

Marfat.com

عذاب الٰہی کا خوف

ایمان کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ مومن کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی رحمت خدا سے مایوس نہ ہو۔ مومن وہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوجائے تب بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ اب وہ برباد ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ بربادی اور مایوسی کا تصور مومن کے پاس نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور ان معنوں میں کھلا ہے کہ اگر انسان توبہ کرے تو خدا واقعی اسے اپنی بارگاہ میں قبول کرلیتا ہے۔ خدا کی رحمت بے پایاں ہے لیکن جب انسان رحمت کا دروازہ اپنے لئے بند کرلے تو پھر رحمت کا نزول اس پر نہیں ہوتا۔ اس کی مثال شیشے کی ایک ایسی بوتل کی طرح ہے جس کا منہ بند کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے تو پانی اس میں داخل نہیں ہوسکتا لیکن اگر اس کا منہ کھولا ہو تو ممکن نہیں کہ وہ خالی رہے۔ توبہ سے مراد رحمت کے دروازے کو اپنے لئے کھولے رکھنا ہے۔

لہذا جب آپ دروازہ کھولیں گے تو رحمت کا نزول ہوگا۔ اس لئے جو شخص کسی حالت میں بھی توبہ سے مایوس ہوجائے یعنی یہ کہے کہ توبہ کرنے سے بھی حالات درست نہیں ہوتے تو وہ سب سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

ایک شخص نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہؐ! ایک جوان ہے جو مسلسل گریہ کر رہا ہے اور اس کا گریہ نہیں رکتا۔ میں اسے سمجھاتا ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ میں گناہگار ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔

آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! ناقابل بیان ہے۔

آپ نے پوچھا: تمہارا گناہ بڑا ہے یا سمندر؟ اس نے کہا کہ میرا گناہ۔

آپ نے پوچھا: تمہارا گناہ بڑا ہے یا صحراؤں کی ریت؟ اس نے جواب دیا میرا گناہ۔

Marfat.com

آپ نے پوچھا: تمہارا گناہ بڑا ہے یا بارش کے قطرے؟ اس نے جواب دیا میرا گناہ۔

آپ نے فرمایا: تمہارا گناہ بڑا ہے یا خدا کی رحمت؟ اس نے کہا کہ بلاشبہ خدا کی رحمت بڑی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اب بتاؤ تم سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے؟ جب اس نے اپنا گناہ بتایا تو رسول اکرمؐ نے اسے اپنے سامنے سے دور کردیا۔ (بلاشبہ آپ نے اسے اس لئے دور کیا تھا تاکہ اس کی توبہ کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھے)۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد آیت نازل ہوئی کہ ہم نے اس کی توبہ قبول کرلی۔

وہ شخص ایک پہاڑ کی جانب چلا گیا تھا۔ وہاں وہ دن رات روتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ اے خدا! مجھے رسول اکرمؐ نے بھی اپنے سامنے سے دور کردیا ہے۔ اب میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ تو میری توبہ قبول کرلے۔ (تفسیر سورۂ معارج ص۴۳-۴۴)

مہاجر

فضیل بن عیاض ایک ایسا شخص تھا جو پہلے چوری کیا کرتا تھا مگر بعد میں اس میں تبدیلی پیدا ہوئی اور اس نے تمام گناہ ترک کردیئے اور واقعی توبہ کرلی۔ بعد میں اس کا شمار بزرگوں میں ہونے لگا۔ وہ نہ صرف ایک متقی اور پرہیزگار انسان بن گیا بلکہ بہت سے افراد کا معلم اور سرپرست بھی بنا۔ جبکہ پہلے وہ ایک خطرناک رہزن تھا جس سے لوگ بے حد خوف کھاتے تھے۔

ایک رات وہ ایک گھر کی دیوار پھلانگنے کے لئے دیوار پر چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ نیچے چھلانگ لگا دے کہ ایک عابد شب زندہ دار کی تلاوت قرآن کی اثرانگیز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ جو اس وقت اس آیت پر پہنچا تھا: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ یعنی ''کیا ابھی وہ وقت نہیں پہنچا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کے دل خدا کی یاد

Marfat.com

کے لئے نرم اور آمادہ ہوجائیں۔" یعنی سنگدلی، گستاخی، گناہ اور خدا سے روگردانی کب تک رہے گی؟ کیا یہ ان چیزوں سے منہ پھیرنے اور خدا کی طرف متوجہ ہونے کا وقت نہیں ہے؟ کیا یہ گناہوں کے ترک کرنے کا وقت نہیں ہے؟ جب اس شخص نے دیوار پر بیٹھے ہوئے یہ جملہ سنا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا یہ وحی خود اس پر نازل ہوئی ہے اور اس کی مخاطب خود اس کی اپنی ذات ہے۔ وہ فوراً پکار اٹھا: کیوں نہیں، کیوں نہیں، اے میرے پروردگار! وہ وقت آن پہنچا ہے اور یہی وہ وقت ہے۔ وہ دیوار سے نیچے اتر آیا اور اس لمحے کے بعد سے اس نے چوری، شراب خوری، جوا اور ہر دوسرا برا کام جن کا وہ اکثر مرتکب ہوتا تھا ترک کردیا۔ اس نے ان سب چیزوں سے ہجرت کی اور دوری اختیار کی۔ جہاں تک ممکن ہوسکا اس نے لوگوں کا مال انہیں لوٹا دیا، حقوق اللہ ادا کیے اور اپنے سابقہ اعمال کی تلافی کی۔ پس وہ مہاجر ہے یعنی اس نے عادات قبیحہ کو ترک کر کے اوصاف حمیدہ کی طرف ہجرت کی، اس نے ظلمت الظلمات کو چھوڑ کر نیکی کی طرف ہجرت کی، اس نے گناہوں کی وادی سے نیکی اور خیر کی طرف ہجرت کی۔

(گفتارہای معنوی ص ۲۲۷۔۲۲۸)

ہجرت بخدا "آزادی واسیری"

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں بغداد میں بشر حافی نامی ایک شخص رہتا تھا۔ ان دنوں اسے صرف بشر کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ وہ بغداد کے بڑے اور عیاش لوگوں میں سے تھا۔ ایک روز جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اتفاق سے گھر کا کوڑا کرکٹ باہر پھینکنے کیلئے ایک کنیز باہر آئی۔ اس وقت گھر میں سے موسیقی کی آواز بلند ہو رہی تھی اور یہ بات واضح تھی کہ گھر میں شراب اور گانے بجانے کی محفل برپا ہے۔

امام علیہ السلام نے استہزاء کے طور پر کنیز سے پوچھا: یہ گھر کس کا ہے؟ اس گھر کا مالک غلام ہے یا آزاد؟

Marfat.com

کنیز متعجب ہو کر کہنے لگی: کیا آپ نہیں جانتے کہ یہ گھر بشر کا ہے جو یہاں کے ممتاز لوگوں میں سے ہے۔ وہ غلام کیسے ہوسکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ آزاد ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ آزاد ہے تبھی تو اس کے گھر سے گانے بجانے کی آواز آرہی ہے۔ اگر غلام ہوتا تو یہ صورت نہ ہوتی۔ یہ فرما کر امام علیہ السلام آگے بڑھ گئے۔

اتفاقاً بشر اس کنیز کی واپسی کا منتظر تھا۔ جب وہ دیر سے لوٹی تو اس نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔ کنیز کہنے لگی کہ ایک آدمی جو اپنے چہرے سے صالح اور متقی دکھائی دیتا تھا اور جس سے زہد، تقویٰ اور عبادت کے آثار ظاہر تھے گھر کے دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو اس نے مجھ سے ایک سوال کیا جس کا میں نے جواب دیا۔

بشر نے پوچھا: اس نے کیا سوال کیا؟

کنیز نے جواب دیا: اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟ میں نے جواباً کہا کہ وہ آزاد ہے۔

بشر نے پوچھا: پھر اس نے کیا کہا؟

کنیز بولی: اس نے کہا کہ ہاں وہ آزاد ہے۔ اگر آزاد نہ ہوتا تو یہ صورت نہ ہوتی۔

ان الفاظ نے بشر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس نے کنیز سے پوچھا: وہ آدمی کہاں گیا؟

کنیز نے جواب دیا: ادھر گیا ہے۔

بشر نے جوتا پہننے کی تاخیر گوارا نہ کی اور ننگے پاؤں دوڑ پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص ضرور امام کاظمؑ ہوں گے۔ وہ امامؑ کی خدمت میں پہنچا اور ان کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا: مولا! اس وقت سے میں غلام بننا چاہتا ہوں، میں خدا کا غلام بننا چاہتا ہوں، یہ آزادی خواہشات کی آزادی اور انسانیت کی اسیری ہے۔ میں ایسی آزادی نہیں چاہتا جس میں خواہشات کی آزادی ہو، اپنے دامن کو آلودہ کرنے کی آزادی ہو، مقام و مرتبے کی آزادی ہو لیکن عقل کی پکار اور فطرت کی آواز پر قدغن لگادی گئی ہو۔ اس وقت سے میں خدا کا غلام اور غیر خدا سے آزاد ہوں۔

اس نے اسی وقت امامؑ کے ہاتھ پر توبہ کی یعنی اسی وقت گناہوں سے دوری اختیار کرلی۔ تمام آلات گناہ پھینک دیئے اور گناہوں سے منہ موڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کرلیا۔

Marfat.com

''اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السَّيِّئَاتِ'' پس وہ بھی ایک مہاجر تھا کیونکہ اس نے گناہوں کے راستے سے نیکی کے راستے کی طرف ہجرت کی تھی۔ (گفتارہای معنوی ص ۲۲۸-۲۲۹)

ایک عارف پہلوان

جہاد کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ''اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسِهِ''یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ مجاہد وہ ہے جو اپنے باطن کی جنگ میں جو ہر انسان کے اندر برپا ہے (ایک طرف نفس اور دوسری طرف عقل) اپنے نفس امارہ اور نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ کر سکے۔

پوریای ولی جس کا شمار دنیا کے بڑے پہلوانوں میں ہوتا ہے اور کسرت کے شوقین افراد اسے مردانگی اور عرفان کا مظہر سمجھتے ہیں[۱] اسکے بارے میں مشہور داستان نقل کی گئی ہے۔

لکھا ہے کہ مقابلے سے چند روز پہلے پوریای ولی کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی جو شب جمعہ ہونے کی وجہ سے حلوہ بانٹ رہی تھی اور لوگوں سے دعا کی درخواست بھی کر رہی تھی۔ بڑھیا پوریای ولی کو نہیں پہچانتی تھی۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر اسے حلوہ دیا اور کہا کہ میری ایک خواہش ہے کہ میرے لئے دعا کرو۔

پوریای ولی نے پوچھا: تمہاری کیا خواہش ہے؟

بڑھیا بولی: میرا بیٹا اس ملک کا سب سے بڑا پہلوان ہے۔ ایک دوسرے ملک کا سب سے بڑا پہلوان یہاں آیا ہوا ہے اور ایک دو روز میں ان دونوں کے درمیان مقابلہ ہونے والا ہے۔ ہم نے ساری زندگی اپنے بیٹے کی تنخواہ پر گزارا کیا ہے۔ اگر میرا بیٹا ہار گیا تو اس کی عزت

۱۔ بلاشبہ موجودہ دور کی ورزشوں اور کسرتوں میں یہ پہلو ناپید ہوگئے ہیں۔ گزشتہ زمانے میں ''زور'' کرنے والے افراد حضرت علیؑ کو طاقت کا سرچشمہ اور پہلوانی کا مظہر سمجھتے تھے۔ حضرت علیؑ دونوں محاذوں کے ''سورما'' تھے۔ میدان جنگ میں بھی جہاں آپ انسانوں سے لڑتے تھے اور نفس کے خلاف جنگ میں بھی۔

تو خاک میں مل ہی جائے گی ہماری زندگی بھی برباد ہوجائے گی اور میں تو جیتے جی مر جاؤں گی۔

پوریای ولی نے کہا: تم اطمینان رکھو، میں دعا کروں گا۔ اب وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں اپنے آپ کو اس پہلوان سے زیادہ طاقتور پاؤں تو اسے زمین پر گراؤں یا نہ گراؤں؟ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلوان اور طاقتور وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات سے لڑے۔ مقررہ دن وہ اپنے مدمقابل سے کشتی لڑا اور اس نے اپنے آپ کو طاقتور اور اپنے مخالف کو کمزور پایا۔ اگر وہ چاہتا تو اسے فوراً چاروں شانے چت گرا سکتا تھا لیکن اس لئے کہ کوئی سمجھ نہ سکے وہ کچھ دیر تک حریف سے زور آزمائی کرتا رہا اور پھر اپنے آپ کو ایسا سست کرلیا کہ حریف نے اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

کہتے ہیں کہ اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کی نگاہ قلب بینا کردی ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آسمان کی بادشاہت کو اپنی نگاہ قلب سے دیکھ رہا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ اس نے ایک لمحے کے لئے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔ بعد میں وہ ولی اللہ ہوگیا۔ کیوں؟ کیونکہ "اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسِهٖ" مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ کیونکہ "اَشْجَعُ النَّاس مَنْ غَلَبَ هَوَاهُ" لوگوں میں سب سے بہادر وہ ہے جو ہوائے نفس پر غالب آجائے۔ کیونکہ اس نے ایسی بہادری کا مظاہرہ کیا جو دوسری تمام شجاعتوں سے عظیم تر تھی۔ (گفتار ہای معنوی ص ۲۳۰۔۲۳۱)

جہاد بالنفس

نفس کے خلاف جہاد کا ایک شاندار نمونہ حضرت علی علیہ السلام کا عمرو بن عبدود کے ساتھ سلوک ہے۔ عمرو ایسا پہلوان تھا جسے لوگ دلیر گھڑسوار کہتے تھے۔ اسے اکیلے کو ہزار اشخاص کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

جنگ احزاب میں خندق کے ایک جانب مسلمان تھے اور دوسری جانب دشمن۔ دشمن

Marfat.com

خندق کو عبور نہیں کر سکتا تھا، کفار میں سے چند اشخاص جن میں عمرو بن عبدود بھی شامل تھا کسی نہ کسی طرح خندق کی دوسری جانب پہنچ گئے۔ عمرو نے گھوڑا میدان میں دوڑاتے ہوئے "هَلْ مِنْ مُبَارِزْ" کا نعرہ لگایا۔ چونکہ مسلمان اس شخص کے سابقہ کارناموں سے واقف تھے اس لئے کسی نے بھی میدان میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ جونہی وہ اس کے مقابلے پر جائیں گے مارے جائیں گے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس شخص کے مقابلے پر کون جائے گا؟

حضرت علیؑ کے سوا کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ ان کی عمر اس وقت بیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں جاؤں گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں تم بیٹھ جاؤ۔

دریں اثناء عمرو بن عبدود نے دوبارہ مقابلے کے لئے للکارا۔ اس مرتبہ بھی حضرت علیؑ کے سوا کوئی نہ اٹھا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! فی الحال تم بیٹھ جاؤ۔

جب عمرو نے تیسری مرتبہ اور پھر چوتھی مرتبہ مقابلے کی دعوت دی تو عمر بن خطاب نے مسلمانوں کی جانب سے عذر پیش کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہؐ! اگر کوئی شخص جواب نہیں دیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا۔

بالآخر شیر خدا جن کے مقدر میں روباہی نہیں تھی پوری آب و تاب سے میدان میں اترے اور عمرو جیسے بڑے بہادر کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ آپ اس کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور چاہتے تھے کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیں۔

او خدو انداخت بر روئے علیؑ
افتخار ہر نبی و ہر ولی

شدت غضب کی بنا پر اس نے حضرت علیؑ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ اس کی چھاتی پر سے اتر آئے اور چند لمحے توقف کرنے کے بعد پھر اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔

عمرو نے پوچھا: تم چلے کیوں گئے تھے اور پھر واپس کیوں آ گئے؟

Marfat.com

آپ نے فرمایا: تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے غصہ آ گیا ہے۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اس حالت میں تمہارا سر کاٹتا ہوں تو اس فعل میں میرے غصے کا بھی دخل ہوگا اور یہ ہوائے نفس ہے۔

آپ نے فرمایا: میں خدا کی خاطر تلوار چلاتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ میرا عمل خدا کے علاوہ کسی کے لئے انجام پائے۔

اسے کہتے ہیں مرد اور اسے کہتے ہیں مجاہد اور شجاع۔

(گفتار ہای معنوی ص۲۳۲_۲۳۳)

نیت

جب امیرالمؤمنین علیہ السلام معرکۂ صفین سے واپس آ رہے تھے تو ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یاامیرالمؤمنینؑ! میری آرزو تھی کہ کاش میرا بھائی بھی صفین میں آپ کے ہمراہ ہوتا اور آپ کی ہمرکابی سے فیضیاب ہوتا۔

جانتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے اسے کیا جواب دیا؟

آپ نے فرمایا: تم یہ بتاؤ کہ اس کی نیت کیا تھی؟ اس کے دل میں کیا جذبات تھے؟ اس کا کیا ارادہ تھا؟ کیا تمہارا بھائی معذور تھا اور اس بناپر نہیں آ سکا یا معذور نہیں تھا اور نہیں آیا؟ اگر وہ معذور نہ تھا اور نہ آیا تو اچھا ہوا کہ وہ نہیں آیا لیکن اگر وہ معذور تھا اور اس بناپر نہیں آیا اور اس کا دل ہمارے ساتھ تھا، اس کا رجحان ہماری جانب تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ ہمارے ساتھ ہو تو وہ ہمارے ساتھ تھا۔

اس شخص نے عرض کیا: یاامیرالمؤمنینؑ! یہی صورت تھی۔

آپ نے فرمایا: نہ صرف تمہارا بھائی بلکہ وہ تمام افراد ہمارے ساتھ تھے جو ابھی اپنی اپنی ماں کے شکم اور اپنے اپنے باپ کے صلب میں ہیں۔ اگر قیامت تک ایسے افراد پیدا ہوتے

رہیں جو خلوص دل سے یہ نیت اور آرزو رکھتے ہوں کہ اے کاش ہم نے علیؑ کی زیارت کی ہوتی اور ان کے ہم رکاب رہ کر جنگ لڑی ہوتی تو میں انہیں بھی اصحاب صفین میں شمار کروں گا۔

(گفتار ہای معنوی ص۲۳۶۔۲۳۷)

انتظار کے معنی

ظہور امام زمانہؑ کے انتظار سے کیا مراد ہے؟ "اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ" کے کیا معنی ہیں؟ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ انتظار ظہور کے دوسرے اعمال سے افضل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اس بات کا انتظار کریں کہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اپنے کچھ خاص اصحاب یعنی تین سو تیرہ اشخاص اور کچھ دیگر افراد کے ہمراہ ظہور فرمائیں گے۔ پھر آپ دشمنان اسلام کو روئے زمین سے نابود کردیں گے۔ دنیا میں مکمل امن و امان قائم کریں گے اور لوگوں کو مکمل آزادی سے ہمکنار کرکے ہم سے کہیں گے کہ آئیں تشریف لائیں اور ان نعمتوں سے استفادہ کریں۔ ایسے ظہور کے منتظر ہیں اور کہتے ہیں کہ ظہور کا انتظار تمام اعمال سے افضل ہے۔

ظہور کے انتظار سے مراد ہے امام کے ہم رکاب ہو کر جنگ لڑنے اور بعض اوقات شہید ہونے کا انتظار کرنا۔ یعنی خدا کی راہ میں واقعی اور حقیقی مجاہد بننے کی آرزو کرنا۔ ظہور کی آرزو کا یہ مطلب نہیں کہ قوم یہود کی طرح کہا جائے کہ اے موسیٰؑ! تم جاؤ اور جاکر کام انجام دو اور جب سارے کام ہوجائیں گے اور فائدہ اٹھانے کا وقت آئے گا تو ہم بھی آجائیں گے۔

رسول اکرمؐ کے اصحاب نے عرض کیا تھا: یارسول اللہؐ! ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں ہیں کہ ہم آپ سے کہیں "فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" (سورۂ مائدہ آیت ۲۴)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فلسطین کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کچھ جنگجو افراد موجود ہیں۔ وہ لوگ کہنے لگے: اے موسیٰؑ! ہم یہاں بیٹھے ہیں، تم اور تمہارا خدا جاؤ اور جنگ

Marfat.com

لڑو، اس جگہ کو صاف کرو اور دشمن سے خالی کرو۔ گھروں کو دھوؤ اور ان میں جھاڑو دو۔ جب تم ہمیں اطلاع دو گے کہ اب کوئی خطرہ نہیں اور ہمیں فقط یہ کرنا ہے کہ ہم جائیں اور وہاں جا کر آرام سے سکونت اختیار کریں اور نعمتوں کو استعمال کریں اس وقت ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر تمہارا فرض کیا ہے؟ کیا تم پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا ہے کہ جس دشمن نے تمہارے گھر پر قبضہ کر رکھا ہے اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرو۔

مقدادؓ جیسے اصحاب نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہؐ! اگر آپ حکم دیں کہ اپنے آپ کو آگ لگادو تو ہم اپنے آپ کو جلا ڈالیں گے۔ ظہور کے انتظار کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نیت حقیقتاً یہ ہو کہ ہم امام زمانہ علیہ السلام کے ہم رکاب ہو کر اور ان کی خدمت میں رہ کر دنیا کی اصلاح کریں۔ (گفتارہای معنوی ص ۲۳۷۔۲۳۸)

آداب فرزندی

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کربلا کی جانب سفر کررہے تھے تو آپ کا سارا کنبہ آپ کے ہمراہ تھا۔ ہم واقعی امامؑ کی اس کیفیت کا اندازہ نہیں کرسکتے کیونکہ جب ایک انسان حالت سفر میں ہوتا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہ فطری طور پر ایک بھاری ذمہ داری محسوس کرتا ہے اور ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ کیا بنے گا؟

مورخین نے لکھا ہے کہ جب قافلہ چلا جارہا تھا تو امام حسینؑ کو نیند آگئی اور سواری کے عالم میں ہی آپ نے اپنا سر زمین پر ٹکا دیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: "اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" یعنی کلمۂ استرجاع زبان پر لائے۔

سب ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ امامؑ نے یہ جملہ کیوں ارشاد فرمایا ہے؟ کیا کوئی نئی خبر آئی ہے؟ امامؑ کے فرزند دلبند، وہی فرزند جس سے آپ بہت محبت کرتے تھے اور اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے اور علاوہ ان دوسری خصوصیات کے جو ایک فرزند کو باپ کا منظور نظر

بنا دیتی ہیں ایک خصوصیت جس نے اس فرزند کو خصوصی توجہ کا مرکز بنا دیا تھا اس کی رسول اکرمؐ کے ساتھ مکمل مشابہت تھی (اب آپ سمجھیں کہ اگر ایسا فرزند خطرے سے دوچار ہو جائے تو باپ کو کتنا دکھ ہوتا ہے) علی اکبرؑ آگے بڑھے اور عرض کیا: "یَا اَبَتَا لِمَ اِستَرجَعتَ؟"۔ یعنی آپ نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُونَ" کیوں کہا؟

امامؑ نے فرمایا: جان پدر! میں نے خواب میں ایک ہاتف کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: "اَلقَوم یسیرون وَالموت تسیر بهم" یعنی اس قافلہ کو جو چلا جا رہا ہے، موت اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ ہاتف کی اس آواز سے میں یہ سمجھا ہوں کہ ہمارے مقدر میں موت ہے اور ہم یقیناً موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اس پر بیٹے نے بالکل ویسے ہی الفاظ کہے جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہے تھے۔[1]

بیٹے نے پوچھا: اباجان! "اَوَلَسنَا عَلَى الحَقِّ؟" کیا ہم حق پر نہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہیں بیٹا!!! ہم حق پر ہیں۔

تب علی اکبرؑ نے کہا: ایسی صورت میں ہم کسی بھی انجام سے دوچار ہو جائیں۔ چاہے مارے جائیں چاہے زندہ رہیں۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم راہ حق پر گامزن ہیں یا نہیں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام کس قدر مسرور اور خوش ہوئے اس کا علم انسان کو آپ کی اس

۱۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں عالم رؤیا میں ایک چیز بار بار دیکھا رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی عام خواب نہیں ہے بلکہ ایک وحی ہے۔ مجھے خدا کی جانب سے اس بات پر مامور کیا گیا ہے کہ میں تمہیں ذبح کردوں۔ (ابراہیمؑ اس حکم کے فلسفے سے قطعاً آگاہ نہیں تھے لیکن انہیں یقین تھا کہ یہ خدا کا حکم ہے) اس پر بیٹے نے کیا جواب دیا؟ کیا اس نے یہ کہا کہ اباجان یہ خواب ہے، اگر کسی کی موت کے بارے میں خواب دیکھا جائے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ انشاء اللہ میری عمر بڑھ جائے گی۔ نہیں اس نے کہا: يَا اَبَتِ افعَل مَا تُؤمَرُ سَتَجِدُنِي اِن شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔ (سورۂ صافات آیت ۱۰۲) "اے اباجان! چونکہ یہ حکم خدا کی طرف سے آیا ہے اور یہ وحی اور امر الٰہی ہے لہذا کافی ہے۔ اس میں کسی مزید سوال و جواب کی گنجائش نہیں۔ جب ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ کا سرتن سے جدا کرنے لگے تو ان پر یہ وحی نازل ہوئی: "فَلَمَّا اَسلَمَا وَتَلَّهُ لِلجَبِينِ وَنَادَينَاهُ اَن يَّا اِبرَاهِيمُ o قَد صَدَّقتَ الرُّؤيَا۔ (سورۂ صافات آیت ۱۰۴)

Marfat.com

دعا سے ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس وقت میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم جیسے فرزند کے شایان شان کوئی انعام دے سکوں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے پروردگار! تو میرے اس بیٹے کو میری جانب سے ایسا انعام عطا فرما جو اس کے شایان شان ہو۔ جَزَاکَ اللّٰہُ عنی خَیْرَ الجَزَاء

باپ کی کتنی خواہش ہوگی کہ ایسے باکمال فرزند کی کسی مناسب موقع پر دلجوئی کرے اور اسے کوئی انعام دے۔ اب آپ عاشور کے روز ظہر کے بعد کا نقشہ اپنی نگاہوں کے سامنے لائیں۔ یہ فرزند باپ سے پہلے میدان جنگ میں گیا۔ اس نے دلاوری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور بہت سے دشمنوں کو واصل جہنم کیا، بہت سے دشمنوں کو زخمی کیا اور خود زخمی ہوا۔ اب جبکہ اس کا حلق خشک ہے اور اس کی زبان میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں، وہ میدان سے واپس آتا ہے اور اس حالت میں وہ اپنے (میں یقین سے نہیں کہہ سکتا ممکن ہے وہ جملہ جو اس روز باپ نے اس سے کہا تھا اسے یاد ہو) باپ سے ایک تمنا کا اظہار کرتا ہے وہ کہتا ہے: "یَا اَبَاہُ! اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِیْ وَ ثِقْلُ الْحَدِیْدِ اَجْھَدَنِیْ فَھَلْ اِلٰی شُرْبَۃٍ مِنَ الْمَاءِ سَبِیْلٌ؟" بابا! پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے۔ ان ہتھیاروں کا بوجھ مجھے سخت تکلیف دے رہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تھوڑا سا پانی مل جائے تاکہ میں تازہ دم ہو جاؤں اور واپس جا کر جہاد کروں؟

جو جواب امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس بہادر فرزند کو دیا وہ یوں تھا: جان پدر! مجھے امید ہے کہ تم بہت جلد درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ گے اور اپنے جد بزرگوار کے ہاتھوں جام کوثر سے سیراب ہو گے۔

"وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ."

(حماسۂ حسینی جلد دوم ص ۵۹ تا ۶۲)

یعنی اے ابراہیم! ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ تم اپنے بیٹے کا سر تن سے جدا کر دو، ہمارا مقصد یہ نہیں تھا اور یہ کوئی سودمند کام بھی نہیں تھا۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تم باپ اور بیٹا کس حد تک ہمارے فرمانبردار ہو، کس حد تک امر خدا کی اطاعت کرتے ہو۔ یہ فرمانبرداری اور اطاعت تم دونوں نے ثابت کر دی ہے۔ باپ نے یہ چیز قربانی دینے کی حد تک اور بیٹے نے قربان ہونے کی حد تک ثابت کی ہے۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔ اپنے بیٹے کا سر تن سے جدا نہ کرو۔

Marfat.com

ام البنینؑ کے مرثیے

عاشور کی شب ہے۔ ابوالفضل العباسؑ امام عالی مقامؑ کی خدمت میں تشریف فرما ہیں۔ اسی اثناء میں دشمن کی فوج کا ایک سردار آتا ہے اور پکار کر کہتا ہے: میں عباسؑ بن علیؑ اور ان کے بھائیوں سے ملنا چاہتا ہوں۔

عباسؑ سنتے ہیں لیکن کوئی توجہ نہیں دیتے گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ وہ بدستور حسینؑ ابن علیؑ کے سامنے باادب بیٹھے رہتے ہیں حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام انہیں مخاطب کر کے فرماتے ہیں: اگرچہ وہ فاسق ہے لیکن اُسے جواب دو۔ عباسؑ آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شمر بن ذی الجوشن ہے۔ عباسؑ کی والدہ سے دور کی رشتہ داری اور ہم قبیلہ (حضرت عباسؑ کی والدہ ام البنینؑ اور شمر ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے) ہونے کی بنا پر وہ بزعم خود خیرخواہی کے عنوان سے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لئے کوفہ سے آتے ہوئے ایک امان نامہ لے کر آیا ہے۔ جب وہ اپنا مدعا بیان کرلیتا ہے تو حضرت عباسؑ بڑی سختی سے اسے جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: تجھ پر اور اس پر جس نے تجھے یہ امان نامہ دیا ہے خدا کی لعنت ہو۔ تو نے مجھے کیا سمجھا ہے اور میرے بارے میں کیا گمان کرتا ہے؟ کیا تو نے یہ گمان کیا ہے کہ میں ایک ایسا انسان ہوں جو اپنی جان بچانے کے لئے اپنے امام اور بھائی حسینؑ ابن علیؑ کو یہاں چھوڑ کر تیرے پیچھے چل دوں گا؟ جس دامن کے سائے میں ہم بڑے ہوئے ہیں اور جس ماں کا ہم نے دودھ پیا ہے اس نے ہماری تربیت اس طرح نہیں کی۔

حضرت امیرالمومنینؑ کی زوجہ جناب ام البنینؑ سے آپ کے چار فرزند تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیرؑ نے اپنے بھائی عقیل کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ ان کے لئے ایک ایسی عورت تلاش کریں جو "وِلَدَتْهَا الْفُحُولَةُ" بہادروں کے خاندان سے ہو۔ "به لِتَلِدَلِی وَلَداً شُجَاعاً" کیونکہ میں اس کے بطن سے ایک بہادر فرزند چاہتا ہوں۔ بلاشبہ تاریخوں میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت امیرؑ نے اپنے اس کلام کا مقصد بھی بیان فرمایا ہو لیکن جو لوگ آپ کی دوراندیشی کے معترف ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ آپ واقعہ کربلا کی خبر دے

Marfat.com

رہے تھے۔ عقیل نے ام البنینؑ کا انتخاب کیا اور اپنے بھائی سے عرض کیا کہ یہ خاتون آپ کے معیار کے مطابق ہیں۔ اس خاتون کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑے حضرت ابوالفضل العباسؑ تھے۔ یہ چاروں فرزند حضرت امام عالی مقامؑ کے ہمراہ کربلا پہنچے اور وہاں شہید ہوئے۔ جب بنی ہاشم کی باری آئی تو حضرت عباسؑ نے جو بڑے بھائی تھے اپنے بھائیوں سے کہا:

بھائیو! میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے پہلے میدان میں جاؤ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ بھائیوں کو اپنے سامنے درجہ شہادت پر فائز ہوتا ہوا دیکھوں۔

انہوں نے کہا: آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔

چنانچہ وہ تینوں بھائی شہید ہوگئے اور بعد میں حضرت عباسؑ نے دشمنوں سے جنگ کی۔ حضرت ام البنینؑ سانحہ کربلا کے وقت زندہ تھیں لیکن کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ جب انہیں اپنے چاروں بہادر بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے ان کا سوگ منایا۔ جب مدینہ میں ان کے پاس خبر پہنچی کہ ان کے چاروں بیٹے امام حسینؑ کے پرچم تلے شہید ہوگئے ہیں تو اس وقت سے وہ اپنے بیٹوں کے لئے گریہ و ماتم کیا کرتی تھیں۔ وہ کبھی عراق کے راستے پر اور کبھی بقیع میں جابیٹھتیں اور بڑی دردناک آواز میں بین کیا کرتیں۔ دوسری عورتیں بھی ان کے گرد جمع ہوجایا کرتی تھیں۔

حاکم مدینہ مروان بن حکم اپنی تمام تر دشمنی اور سنگدلی کے باوجود بعض اوقات وہاں آکر کھڑا ہو جایا کرتا اور آنسو بہایا کرتا تھا۔

جو بین وہ کیا کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ ہے:

لَا تَدْعُوْنِیْ وَیْکِ اُمَّ الْبَنِیْنَ
تُذَکِّرِیْنِیْ بِلُیُوْثِ الْعَرِیْنَ
کَانَتْ بَنُوْنَ لِیْ اُدْعٰی بِهِمْ
وَالْیَوْمَ اَصْبَحْتُ وَلَا مِنْ بَنِیْنَ

اے عورتو! میری تم سے ایک درخواست ہے اور وہ یہ کہ آئندہ مجھے ام البنین کہہ

کرمت پکارنا۔ چونکہ ام البنین کے معنی ہیں بیٹوں کی ماں، دلاور بیٹوں کی ماں۔ اس لئے مجھے اس نام سے مت پکارو۔ جب تم مجھے اس نام سے پکارتی ہو تو مجھے اپنے بہادر بیٹے یاد آجاتے ہیں اور میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ ایک وقت تھا جب میں ام البنین تھی لیکن اب میں ام البنین اور بیٹوں کی ماں نہیں ہوں۔

ان کا ایک مرثیہ ہے جس کا تعلق بالخصوص حضرت ابوالفضل العباسؑ سے متعلق ہے:

يَا مَنْ رَأَى الْعَبَّاسَ كَرَّ عَلٰى جَمَاهِيرِ النَّقَدِ
وَ وَرَاهُ مِنْ اَبْنَاءِ حَيْدَرَ كُلُّ لَيْثٍ ذِي لَبَدِ
اُنْبِئْتُ اَنَّ اِبْنِي اُصِيبَ بِرَأْسِهِ مَقْطُوْعَ يَدْ
وَيْلِي عَلٰى شِبْلِي اَمَالَ بِرَأْسِهِ ضَرْبُ الْعَمَدِ
لَوْكَانَ سَيْفُكَ يَدَيْكَ لَمَادَنٰى مِنْكَ اَحَدِ

فرماتی ہیں: اے وہ آنکھ جو کربلا میں موجود تھی اور جس نے وہ منظر دیکھا جب میرا شیر بیٹا عباسؑ حملہ کر رہا تھا۔

"اُنْبِئْتُ اَنَّ اِبْنِي اُصِيبَ بِرَأْسِهِ مَقْطُوْعَ يَدْ" مجھے ایک بڑی جانکاہ خبر دی گئی ہے۔ مجھے علم نہیں کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ پہلے تمہارے بیٹے کے ہاتھ کاٹے گئے اور بعد میں جب تمہارے بیٹے کے ہاتھ اس کے بدن سے جدا ہوگئے تو ایک بزدل ملعون نے ایک آہنی گرز اس کے سر پر مارا۔

"وَيْلِي عَلٰى شِبْلِي اَمَالَ بِرَأْسِهِ ضَرْبُ الْعَمَدِ" ہائے رے مقدر! لوگ کہتے ہیں کہ میرے شیر بیٹے کے سر پر آہنی گرز مارا گیا۔

پھر فرماتی ہیں: میرے پیارے عباسؑ! میرے عزیز فرزند! میں خود جانتی ہوں کہ اگر تیرے ہاتھ تیرے بدن سے جدا نہ ہوتے تو کوئی تیرے نزدیک آنے کی جرأت نہ کرتا۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم
وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

(حماسۂ حسینی جلد دوم ص۸۵تا۸۸)

Marfat.com

شاہِ کرب و بلا کی نماز

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کربلا میں روز عاشور جنگ زیادہ تر ظہر کے بعد لڑی گئی۔ یعنی ظہر تک امام عالی مقامؑ کے زیادہ تر صحابہ اور تمام بنی ہاشم اور خود امام عالی مقامؑ جو سب سے آخر میں شہید ہوئے زندہ تھے۔ امام عالی مقامؑ کے تقریباً تیس اصحاب لشکر اعداء کی تیراندازی سے قبل از ظہر شہید ہوگئے تھے باقی سب شہداء ظہر عاشور تک زندہ تھے۔

امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص کو اچانک خیال آیا کہ نماز ظہر کا اول وقت ہے۔ اس نے آکر عرض کیا: یا اباعبداللہ! نماز کا وقت ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آخری مرتبہ آپ کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کریں۔

امام عالی مقامؑ نے نگاہ اٹھائی اور دیکھا کہ واقعی نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: "ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ" یا "ذَکَّرْتَ الصَّلٰوۃَ۔" اگر (ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ) ہو تو اس کے معنی ہوں گے "تمہیں نماز یاد آئی" اور اگر (ذَکَّــرْتَ) ہو تو اس کے معنی ہوں گے "تم نے ہمیں نماز یاد دلائی۔" "ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ" تم نے نماز کو یاد کیا خدا تمہیں نمازیوں میں سے قرار دے۔ ایک ایسے مجاہد کو جو اپنا سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہے، امام علیہ السلام دعا دیتے ہیں کہ خدا تمہیں نمازیوں میں قرار دے۔ پس آپ غور فرمائیں کہ ایک "نمازی" کیا مقام رکھتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: چلو نماز ادا کرتے ہیں۔ وہیں میدان جنگ میں نماز ادا کی گئی۔ یہ وہ نماز تھی جسے اسلامی فقہ کی اصطلاح میں "نماز خوف" کہا جاتا ہے۔ مسافر کی نماز کی طرح نماز خوف بھی چار رکعت کے بجائے دو رکعت ہوتی ہے۔ یعنی اگر انسان وطن میں ہو تب بھی اسے چاہئے کہ دو رکعت پڑھے۔ چونکہ چار رکعت پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا اس لئے انسان کو چاہئے کہ نماز مختصر کردے۔ علاوہ ازیں اگر سب لوگ بیک وقت نماز کے لئے کھڑے ہوجائیں تو دفاع کی کیفیت میں خلل پیدا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوتا ہے کہ آدھے سپاہی دشمن کے بالمقابل کھڑے ہوں اور آدھے امام کی اقتدا کریں۔ امام جماعت جب ایک رکعت پڑھ چکتا ہے تو

Marfat.com

رک جاتا ہے تاکہ مقتدی ایک اور رکعت خود پڑھیں۔ بعد میں وہ چلے جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کی جگہ سنبھال لیتے ہیں جبکہ امام بدستور انتظار میں بیٹھا یا کھڑا رہتا ہے۔ بعد میں دوسرے سپاہی آتے ہیں اور اپنی نماز امام کی دوسری رکعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

امام عالی مقامؑ نے نماز خوف اسی طرح پڑھی لیکن آپ کی نماز کا ایک خاص انداز تھا۔ چونکہ وہ دشمن سے زیادہ دور نہ تھے اس لئے جو سپاہی دفاع کر رہے تھے وہ امامؑ کے نزدیک کھڑے تھے۔ بے حیا دشمن نے حالت نماز میں بھی انہیں چین نہ لینے دیا۔ جب اباعبداللہؑ نماز میں مشغول تھے تو دشمن نے تیراندازی شروع کردی۔ یہ تیراندازی دوطرح کی تھی، ایک جانب زبان کے تیر تھے۔ ایک شخص نے چلا کر کہا: اے حسینؑ! بے شک نماز پڑھو لیکن تمہاری نماز کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم اپنے زمانے کے امام یزید کے باغی ہو لہذا تمہاری نماز قبول نہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی کمانوں سے تیر بھی پھینک رہے تھے۔ وہ تیر امامؑ کے ان دو صحابیوں کو جنہوں نے اپنے آپ کو امام علیہ السلام کے لئے ڈھال بنا رکھا تھا، اس طرح لگے کہ وہ زمین پر گر گئے۔ ان میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی تھے۔ تیر لگنے سے ان کی یہ حالت ہوئی کہ جب امام عالی مقامؑ نے نماز ختم کی تو ان کا دم آخر تھا۔ امامؑ خود ان کے سرہانے پہنچے۔ جب آپ ان کے قریب پہنچے تو سعید نے ایک عجیب جملہ کہا۔ انہوں نے عرض کیا: "یااباعبداللہؑ! اوفیت" یعنی کیا میں نے وفا کا حق ادا کردیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوچ رہے ہیں کہ امام حسین علیہ ال کا حق اس قدر بڑا ہے کہ جس کی ادائیگی کے لئے اتنی جان نثاری شاید کافی نہ ہو۔

یہ تھی صحرائے کربلا میں شاہ کربلا کی نماز۔ امامؑ نے اس نماز میں تکبیر کہی، ذکر پڑھا، سبحان اللہ کہا، بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّةِ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ کہا اور رکوع اور سجود بجالائے۔ اس کے دو تین گھنٹے بعد امام حسین علیہ السلام کو ایک اور نماز ادا کرنی پڑی۔ ایک اور رکوع بجالانا پڑا۔ کچھ مختلف انداز میں سجدلیں کرنے پڑے۔ انہوں نے ایک اور انداز میں ذکر پڑھا۔ امام حسین علیہ السلام رکوع اس وقت بجالائے جب ایک تیر آپ کے سینۂ اقدس پر آ کر لگا اور آپ مجبور ہوگئے کہ تیر کو پشت سے باہر نکال لیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ امام حسینؑ کے سجدوں کی کیا کیفیت تھی؟ آپ نے پیشانی

Marfat.com

کے ذریعے سجدہ نہیں کیا بلکہ جب آپ زخموں سے چور گھوڑے سے زمین پر گر گئے تو آپ نے اپنے چہرے کا دایاں حصہ کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر رکھ دیا اور فرمانے لگے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

(گفتارہای معنوی ص۹۶ تا ۹۸)

توبہ کا زمانہ

ایک جوان، بوڑھے آدمی کی نسبت توبہ کرنے کی زیادہ استطاعت رکھتا ہے۔ مولانا رومؔ نے کیا خوب کہا ہے:

خار بن در قوت و برخاستن
خار کن در سستی و در کاستن

وہ ایک تمثیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ایک شخص نے ایک خاردار پودا راستے میں بو دیا۔ یہ پودا بڑا ہو گیا تو لوگوں نے آ کر ان صاحب سے کہا کہ جناب! آئیں اور اس پودے کو اکھاڑ دیں۔ اس نے جواب دیا کہ: بھلا کیا جلدی ہے چھوٹا سا پودا ہے اکھاڑ دیں گے۔

کچھ عرصے بعد لوگ دوبارہ اس کے پاس آئے۔ اس نے پھر کہا: ایسی بھی کیا جلدی ہے سال بھر بعد اکھاڑ دیں گے۔

ایک سال بعد وہ پودا ایک تناور درخت بن گیا لیکن اگانے والے کو کیا ہوا؟ اس کی عمر میں ایک سال کا اور اضافہ ہو گیا۔ لوگوں نے پھر کہا کہ آؤ اور اب اس درخت کو اکھاڑ دو۔

وہ کہنے لگا: کوئی جلدی نہیں ہے پھر کبھی دیکھیں گے۔

سال بہ سال خاردار پودا مضبوط سے مظبوط تر ہوتا چلا گیا۔ اسکی جڑیں پھیلتی گئیں۔ اس کا تنا موٹا ہوتا گیا اس کے کانٹے تیز ہوتے گئے اور اس کا خطرہ بڑھتا چلا گیا۔ دوسری طرف خاردار پودے کو اکھاڑنے والا سال بہ سال بوڑھا اور کمزور ہوتا چلا گیا اور اسکی قوت کم ہوتی چلی گئی۔

اس تمثیل میں مولانا روم اس نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اے انسان! بری عادتیں اور برے اخلاق کی مثال بھی خاردار درخت جیسی ہے۔ یہ بھی روز بروز تمہارے اندر اس خاردار درخت کی طرح آہستہ آہستہ پروان چڑھتے رہتے ہیں۔ اس ''درخت اخلاق'' کی بھی جڑیں دور دور تک پیوست ہوتی رہیں اور تنا موٹا ہوتا رہتا ہے۔ اس کے کانٹے تیز سے تیز تر ہوتے رہتے ہیں اور ان کا خطرہ شدید سے شدید تر ہوتا جاتا ہے جبکہ تم خود روز بروز بوڑھے ہوتے جارہے ہو اور تمہاری مدافعتی قوتیں کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی ہیں۔ جوانی کے زمانے میں تم ایک ایسے طاقتور انسان ہو جو ایک پودے کو اکھاڑ سکتا ہے بلکہ جلدی اکھاڑ سکتا ہے اور اس کی جڑیں کاٹ کر پرے پھینک سکتا ہے۔ لیکن جب تم بوڑھے ہو جاؤ گے تو ایک ایسے کمزور آدمی بن جاؤ گے جو ایک مضبوط درخت کو اپنے ہاتھ سے اکھاڑنا چاہے تو وہ خواہ کتنا ہی زور کیوں نہ لگائے درخت کو جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتا۔ (گفتار ہای معنوی ص ۱۲۰۔۱۲۱)

شبِ عاشورا

نویں محرم کو عصر کے وقت عمر ابن سعد کے لشکر نے ابن زیاد کے حکم کے مطابق لشکر حسینؑ پر حملہ کر دیا۔ وہ اسی شب امام حسینؑ سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کی معرفت انہیں کہلا بھیجا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت چاہئے۔ آپ نے فرمایا: اے برادر عزیز! ان سے کہو کہ ہمیں صرف آج رات کی مہلت دے دیں (یہ مغرب کا وقت تھا)۔ پھر اس لئے کہ دشمن یہ خیال نہ کرے کہ حسینؑ جنگ سے پہلوتہی اختیار کرنا چاہتے

Marfat.com

ہیں یہ جملہ ارشاد فرمایا: بھائی! خدا خوب جانتا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ راز و نیاز سے بہت رغبت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی رات کو اپنی زندگی کی آخری رات سمجھتے ہوئے اپنے پروردگار سے مناجات کروں اور اسے اپنی توبہ اور استغفار کی رات قرار دوں۔

کاش! آپ سمجھ سکیں کہ شب عاشور کیسی رات تھی، وہ ایک معراج تھی۔ ہر طرف مسرت و شادمانی کا دور دورہ تھا۔ اس رات وہ اپنے آپ کو پاک صاف کر رہے تھے حتیٰ کہ اپنے بدن کے بال بھی صاف کر رہے تھے۔ ایک خیمہ تھا جس کا نام خیمۂ تنظیف تھا۔ ایک شخص خیمے کے اندر ہوتا تھا اور دو محافظ خیمے کے باہر کھڑے ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنی باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک جو شاید بُریر ہمدانی تھے ایک دوسرے صحابی سے مزاح کر رہے تھے۔

دوسرے صحابی نے ان سے کہا: آج کی شب مزاح کی نہیں ہے۔

بُریر نے کہا: میں فطرتاً شوخ نہیں ہوں لیکن آج کی رات مزاح کی رات ہے۔

جب مخالفین قریب آئے اور انہوں نے ان توبہ و استغفار کرنے والوں کو دیکھا تو آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے ان کے بارے میں کیا کہا: انہوں نے کہا (یہ الفاظ دشمن کہہ رہا ہے) "لھم النحل مابین رافع و ساجد" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم شہد کی مکھیوں کے چھتے کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ یعنی امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کے ذکر، دعا، نماز اور استغفار کی آواز اتنی بلند تھی کہ وہ کہنے لگے کہ یہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز کس قدر بلند ہے۔

امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ میں اس رات کو اپنی توبہ کی رات قرار دینا چاہتا ہوں، میں اسے اپنی استغفار کی رات قرار دینا چاہتا ہوں۔ وہ اسے اپنی معراج کی رات قرار دینا چاہتے تھے۔ پھر کیا ہمیں توبہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا انہیں توبہ کی ضرورت ہے اور ہمیں نہیں؟ بلاشبہ وہ رات امام حسینؑ نے اس حالت میں بسر کی۔ انہوں نے وہ رات عبادت میں گزاری۔ انہوں نے اپنے اور اپنے اہلبیت کے کام انجام دیئے اور یہ وہی رات تھی جب انہوں نے اپنے اصحاب کے سامنے اپنا ولولہ انگیز خطبہ "غرّا" ارشاد فرمایا۔ (گفتار ہای معنوی ص ۱۲۵۔۱۲۶)

Marfat.com

ایثار و قربانی

سورۂ دہر کیوں نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا: الذین یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً انما نطعمکم لوجه الله لا نرید مکم جزاء ولا شکوراً.
یہ سورت ایثار کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے نازل ہوئی۔ اس انسانی اور اسلامی جذبے کا عملی مظاہرہ واقعہ کربلا کے فرائض میں سے ایک فرض تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرض ابوالفضل العباسؑ کے ذمے لگایا گیا تھا۔ حضرت عباسؑ دریائے فرات کے کنارے پر متعین چار ہزار کے لشکر کو چیر کر دریا تک جا پہنچے اور گھوڑے کو پانی میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ پانی گھوڑے کے پیٹ کے نیچے تک آ گیا اور حضرت عباسؑ کے لئے یہ ممکن ہوگیا کہ گھوڑے سے اترے بغیر اپنی مشک میں پانی بھرلیں۔ مشک بھرنے کے فوراً بعد انہوں نے ہاتھوں میں کچھ پانی لیا اور پینے کی غرض سے منہ کی طرف لائے۔ دوسرے لوگ دور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فقط اتنا کہا ہے کہ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے پانی نہ پیا اور گرادیا۔ پہلے کوئی نہ سمجھ سکا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

تاریخ کہتی ہے: ”فذکر العطش حسینؑ“ یعنی انہیں خیال آیا کہ ان کے بھائی حسینؑ پیاسے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ میرے آقا خیمے میں پیاسے بیٹھے ہوں اور میں خود پانی پی لوں۔ تاریخ یہ بات کس بنا پر کہتی ہے؟ اس کا ماخذ حضرت عباسؑ کے اشعار ہیں کیونکہ جب آپ دریائے فرات سے باہر آئے تو آپ نے رجز پڑھنا شروع کیا اور آپ کے رجز سے لوگ سمجھ گئے کہ آپ نے پیاسا ہونے کے باوجود پانی کیوں نہیں پیا۔ آپ کا رجز یہ تھا:

یا نفس من بعد الحسین .....

وہ اپنے آپ سے گفتگو کرنے لگے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

اے عباسؑ کے نفس! میں چاہتا ہوں کہ تو حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ پانی پیئے اور زندہ رہے؟ اے عباسؑ! حسینؑ خیمے میں پیاسے بیٹھے ہیں اور تو میٹھا پانی پیتا

Marfat.com

چاہتا ہے؟ خدا کی قسم! غلام اپنے آقا کے ساتھ ایسا نہیں کیا کرتا، بھائی بھائی کے ساتھ ایسا نہیں کیا کرتا، امام کی امامت قبول کر کے اسے یوں تنہا نہیں چھوڑا جاتا، عہد وفا باندھ لینے کے بعد اسے یوں نہیں توڑا جاسکتا۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۲۶۴۔۲۶۵)

امام حسینؑ کے اصحاب باوفا

حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں وقت شہادت جن لوگوں کے سرہانے پہنچے ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان میں سے دو شہید ایسے ہیں جن کے بارے میں بظاہر یہ بات ایک امر مسلم ہے کہ وہ آزاد کردہ غلام تھے۔ ان میں سے ایک حضرت جونؓ تھے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام تھے۔ یہ حبشی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آزاد ہونے کے بعد وہ ہمیشہ اہلبیت رسولؐ سے وابستہ رہے یعنی ان کی حیثیت اس گھر کے ایک خدمت گار کی تھی۔

عاشورا کے روز یہی جونؓ، امامؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: مولا! مجھے بھی لڑنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

امامؑ نے فرمایا: نہیں۔ اس وقت تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم واپس چلے جاؤ اور اس واقعے کے بعد اس دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو، اب تک ہمارے خاندان کی جو خدمت کی وہ کافی ہے، ہم تم سے راضی ہیں۔

جونؓ نے اپنی درخواست کو پھر دہرایا لیکن امام حسینؑ نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ جونؓ نے امام عالی مقامؑ کے پاؤں پکڑ لئے اور انہیں چومنے لگے اور بولے: مولاؑ! مجھے محروم نہ فرمائیں۔ پھر انہوں نے ایک ایسا جملہ کہا جسے سن کر امام حسینؑ نے انہیں

Marfat.com

میدان میں جانے سے روکنا مناسب نہ سمجھا۔ جونؓ نے عرض کیا: مولاؑ! میں سمجھ گیا کہ آپ مجھے اجازت کیوں نہیں دے رہے۔ کہاں میں اور کہاں یہ خوش بختی! اس سیاہ رنگ، گندے خون اور بدبودار جسم کے ساتھ میں اس مقام کا اہل نہیں ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم تمہیں اس وجہ سے نہیں روک رہے۔ تم میدان میں جا سکتے ہو۔

اذن وغا ملتے ہی جونؓ رجز پڑھتے ہوئے بڑے جوش و خروش سے میدان میں گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ امام حسینؑ ان کے سرہانے پہنچے اور دعا فرمائی: اے پروردگار! اُس دنیا میں اس کا چہرہ سفید اور اس کی بو پسندیدہ بنا دے۔ اے پروردگار! اسے ابرار کے ساتھ محشور فرما (ابرار متقیوں سے بلند تر ہیں۔ اخیار، اتقیاء، ابرار) اے پروردگار! اُس دنیا میں اس کے اور آل محمدؐ کے درمیان کامل آشنائی پیدا کر دے۔

دوسرا شخص رومی تھا (بعض نے ترک بھی لکھا ہے)۔ جب وہ گھوڑے سے گرے تو امامؑ بنفس نفیس ان کے سرہانے تشریف لے گئے۔ یہاں ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ اس حالت میں کہ یہ غلام بے ہوش تھا یا اس کی آنکھیں خون میں ڈوبی ہوئی تھیں امام عالی مقامؑ نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے اور آنکھوں پر سے خون صاف کیا۔ اس دوران جب اسے ہوش آیا، اس نے امام عالی مقامؑ کے روئے مبارک پر نگاہ ڈالی تو مسکرا دیا۔ امامؑ نے اپنا چہرہ اقدس اس کے چہرے پر رکھ دیا۔ فوضع خده علی خده. یہ فضیلت اس غلام اور حضرت علی اکبرؑ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ متبسم الی ربه.

جب اس نے جان جان آفریں کے سپرد کی تو اس کا سر امام حسینؑ کے زانو پر تھا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(حماسۂ حسینی جلد اول ص ۲۶۵ تا ۲۶۷)

Marfat.com

عاشورا فضیلتوں کا نچوڑ ہے

کربلا کے واقعے میں ہم اسلامی، اخلاقی، اجتماعی، اصلاحی، جنگی، توحیدی، عرفانی اور اعتقادی تمام پہلوؤں کو مجسم دیکھتے ہیں۔ جن لوگوں نے مندرجہ بالا کردار کو پیش کرنے کی ذمہ داری سنبھالی یعنی اسے عملی طور پر پیش کیا ان میں شیرخوار بچے سے لے کر ستر بلکہ اسی برس تک کے بوڑھے اور عبداللہ بن عمر کلبی کی ضعیف ماں تک شامل تھے۔ کربلا میں تین افراد ایسے تھے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ امام عالی مقامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے بیوی بچے امامؑ کے اہل حرم کے ساتھ شامل ہوگئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔ باقی اصحاب کے بیوی بچے ان کے ساتھ نہیں تھے۔ جو تین اصحاب اپنے اہل و عیال کے ساتھ شامل ہوئے ان میں مسلم بن عوسجہؓ، عبداللہ بن عمر کلبیؓ اور جنارہ بن حرب انصاریؓ تھے۔

عبداللہ بن عمر کلبیؓ کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ کوفہ سے باہر تھے کہ انہیں پتا چلا کہ کوفہ میں کچھ واقعات رونما ہوئے ہیں اور حضرت امام حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کیا جارہا ہے۔ عبداللہ مجاہدین اسلام میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ خدا کی قسم میں نے سالہا سال اسلام کی خاطر کفار کے خلاف جنگ لڑی ہے۔ وہ جہاد ہرگز اس جہاد کے رتبے کو نہیں پہنچتے کہ میں رسول اکرمؐ کے اہلبیت کا دفاع کروں۔ چنانچہ وہ گھر آئے اور بیوی سے کہا کہ میں نے ایسا سوچا ہے۔ بیوی نے جواب دیا "بَارَکَ اللّٰہ" آپ نے بڑی اچھی بات سوچی ہے لیکن ایک شرط ہے۔ عبداللہؓ نے پوچھا کہ کیا شرط ہے؟ بیوی نے کہا کہ آپ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ جب وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گئے تو ماں کو بھی ساتھ لے لیا۔ مرحبا! کتنی دلیر عورتیں تھیں۔

عبداللہؓ بہت بہادر شخص تھے۔ انہوں نے ابن سعد اور ابن زیاد کے دو غلاموں کے خلاف جنگ کی جو اپنی مرضی سے ان کے مقابلے پر آئے تھے۔ آپ نے ان دونوں کو جو بڑے طاقتور آدمی تھے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان دونوں کے مبارزطلبی کے بعد جب امام حسینؑ نے عبداللہؓ کے بدن، کندھوں اور بازوؤں پر نگاہ ڈالی تو فرمایا کہ یہ شخص مرد میدان ہے۔ عبداللہؓ

Marfat.com

میدان میں گئے اور ثابت کردیا کہ وہ واقعی مرد میدان تھے۔

پہلے سیار نامی ایک شخص آیا جو ابن سعد کا غلام تھا۔ عبداللہ ابن عمر کلبیؓ نے اسے تو جہنم رسید کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے کسی نے ان پر پیچھے سے حملہ کردیا۔ امام حسینؑ کے اصحاب نے چلا کر کہا کہ اپنی پشت کی جانب سے ہوشیار رہو۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے دشمن نے تلوار چلادی اور ان کے ہاتھ کا پنجہ کٹ گیا۔ لیکن انہوں نے دوسرے ہاتھ سے اس شخص کا بھی خاتمہ کردیا۔ پھر وہ اسی حالت میں رجز پڑھتے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عبداللہؓ نے اپنی ماں سے کہا: مادر گرامی! کیا میں نے اچھا عمل انجام دیا ہے؟

ماں نے جواب دیا: نہیں۔ میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک میں تمہیں قتل ہوتا ہوا نہ دیکھ لوں۔

عبداللہؓ کی جوان بیوی بھی موجود تھی۔ وہ ان کے دامن سے لپٹ گئی۔ ماں نے کہا: اے عبداللہ! ایسا نہ ہو کہ تم بیوی کی باتوں میں آجاؤ۔ یہ بیوی کی باتیں سننے کا موقع نہیں ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے راضی ہوجاؤں تو تمہاری شہادت کے علاوہ اس کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ عبداللہ پھر میدان میں گئے اور تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد دشمنوں نے ان کا سر کاٹا اور حرم حسینؑ کے خیموں کی جانب پھینک دیا (چند اشخاص ایسے بھی تھے جن کے سر حرم کے خیموں کی طرف اچھال دیئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک عبداللہ تھے)۔

ان کی ماں نے بڑے فخر سے ان کا سر اٹھایا، سینے سے لگایا اور اسے چوم کر کہا: اے میرے بیٹے! اب میں تم سے راضی ہوں، تم نے اپنا فرض خوب نبھایا۔ پھر کہنے لگیں، ہم جو چیز خدا کی راہ میں دے دیا کرتے ہیں اسے واپس نہیں لیا کرتے۔ یہ کہہ کر سر دشمنوں کی جانب اچھال دیا۔

پھر چوب خیمہ کو اکھاڑا اور دشمنوں پر حملہ کردیا۔ وہ کہتی جاتی تھیں: "انا عجوز سیدی ضعیفه" یعنی میں ایک کمزور بوڑھی عورت ہوں لیکن جب تک میرے دم میں دم ہے میں فاطمہؑ کے خاندان کا دفاع کرتی رہوں گی۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۲۶۱ تا ۲۶۹)

Marfat.com

کمسن دلاور

کربلا میں تو یا دس نابالغ لڑکے شہید ہوئے۔ ان میں سے ایک کے بارے میں تاریخ لکھتی ہے: "وجاء شاب قتل ابوه فی المعرکه" ایک جوان جس کا باپ معرکہ میں شہید ہوگیا تھا (لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا باپ کون تھا یعنی ہم اس سے واقف نہیں ہیں) امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا اباعبداللہؑ! مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس جوان کو میدان میں نہ جانے دینا کیونکہ اس کا باپ مارا گیا ہے اور اس کی ماں بھی یہاں موجود ہے۔ شاید وہ راضی نہ ہو۔

اس نے کہا: مولاؑ! میری کمر پر یہ تلوار میری ماں نے سجائی ہے اور کہا ہے کہ تم بھی اپنے باپ کی طرح اپنی جان اباعبداللہؑ پر قربان کردو۔ پھر وہ التجا کرنے لگا حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام نے اسے اجازت دے دی۔ وہ حضرت مسلم بن عوسجہؓ کا بیٹا تھا یا جنادہ بن حربؓ کا؟ یہ بات معلوم نہ ہوسکنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ بلاشبہ عبداللہ بن عمر کلبیؓ بھی اپنے خاندان کے ساتھ کربلا میں موجود تھے لیکن اتنا معلوم ہے کہ وہ جوان عبداللہ بن عمر کلبیؓ کا فرزند نہیں تھا۔ جب یہ بچہ میدان میں آیا تو عام لوگوں کے طرزِ عمل کے برعکس جو اپنا تعارف اپنے باپ دادا کے ذریعے کرواتے تھے کہ میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک مختلف انداز میں گفتگو کی اور گفتگو میں باقی سب پر بازی لے گیا۔ عین معرکہ کارزار میں پہنچ کر اس نے باآواز بلند کہا:

امیری حسین ونعم الامیر

سرور الفواد البشیر النبی

اے لوگو! اگر تم مجھے پہچاننا چاہتے ہو تو میں وہ شخص ہوں جس کا آقا حسینؑ ہے۔ میں وہ شخص ہوں جو رسولِ اکرمؐ کی دلی خوشی کا موجب ہے۔ سرور الفواد البشیر النبی۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں بچے، بڑے اور شیرخوار بھی اس واقعے میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں (یہ بڑا

Marfat.com

عجیب مقام ہے) اور خاص طور پر اہلبیت کا کردار اور مقام ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح تبلیغ کے نقطہ نگاہ سے عورتوں کی جو ذمہ داری تھی وہ بجائے خود بے حد عظیم تھی (ان سب میں خود امام حسینؑ کا خاندان پیش پیش ہے)۔ یہاں میں امام حسنؑ کے ایک فرزند کا مرثیہ پیش کرتا ہوں۔ جناب قاسمؑ کا ایک بھائی تھا جس کا نام عبداللہؑ تھا۔ (امام حسنؑ، امام حسینؑ سے دس سال پہلے زہر دغا سے شہید ہوئے۔ مؤرخین نے اس بچے کی عمر بھی دس سال لکھی ہے۔ یعنی امام حسنؑ کی شہادت کے وقت وہ نوزائیدہ تھا یا شاید اس کی پیدائش اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد ہوئی۔ بہرحال اسے اپنے باپ کے بارے میں کچھ بھی یاد نہ تھا اور اس نے اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ امامؑ اس کے چچا بھی تھے اور اس کے لئے بمنزلہ باپ کے بھی تھے)۔

امام حسینؑ نے اس بچے کی پھوپھی اور اپنی عظیم بہن جناب زینبؑ کو یہ کام سونپا تھا کہ ان بچوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ یہ بچے مسلسل اس کوشش میں تھے کہ میدان جنگ میں جا پہنچیں لیکن انہیں روک لیا جاتا تھا۔ الغرض جب امام حسینؑ زین سے زمین پر آئے تو یہ دس سالہ بچہ اچانک خیمے سے نکل بھاگا اور قبل اس کے کہ حضرت زینب اللہ علیہا اسے پکڑ لیتیں وہ اپنے آپ کو ان سے چھڑا کر یہ کہتے ہوئے کہ "واللہ لا افارق عمی" یعنی خدا کی قسم! میں اپنے چچا سے جدا نہیں ہوں گا، بڑی تیزی سے امام حسینؑ کے پاس پہنچا اور اس نے اپنے آپ کو امامؑ کے دامن میں گرادیا۔ امامؑ نے اسے اپنی گود میں لے لیا اور وہ اپنے چچا سے باتیں کرنے لگا۔ دریں اثناء ایک دشمن امام حسینؑ پر وار کرنے کے لئے آیا۔ اس بچے نے جب یہ دیکھا کہ کوئی آیا ہے اور امام عالی مقامؑ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس بچے نے اسے لعن طعن کی اور کہا: اے زناکار کے بیٹے! کیا تو میرے چچا کو قتل کرنے آیا ہے؟ خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اس شخص نے تلوار بلند کی اور اس بچے نے ڈھال کے طور پر اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ تلوار چلی اور بچے کا ہاتھ کٹ کر نیچے لٹک گیا۔ اس موقع پر اس نے پکار کر کہا: "یاعما!" یعنی اے چچا جان! دیکھئے ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟

(حماسہ حسینی جلد اول ص ۲۶۹ تا ۲۷۲)

Marfat.com

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا طریقہ

زبانی اور عملی امر بالمعروف میں سے ہر ایک کے دو طریقے ہیں: ایک بلاواسطہ اور دوسرا بالواسطہ۔ جب آپ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنا چاہتے ہیں (یعنی اچھے کام کا حکم دینا چاہتے ہیں یا برے کام سے روکنا چاہتے ہیں) تو آپ یہ کام بلاواسطہ کرتے ہیں۔ یعنی اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی شخص کو کوئی کام کرنے کے لئے کہیں تو آپ کہتے ہیں: میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ فلاں کام کردیں۔ لیکن بعض اوقات آپ وہی بات اس سے بالواسطہ بھی کہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ طریقہ زیادہ مؤثر اور زیادہ مفید ہے۔ یعنی بغیر اس کے کہ وہ یہ سمجھے کہ آپ اسے کوئی بات سمجھانا چاہتے ہیں آپ ایک ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں جس نے وہ کام کیا ہو۔ آپ اس کے کام کی توجیہ اور تشریح کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں معاملے میں یوں عمل کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ حتیٰ کہ وہ شخص سمجھ جاتا ہے اور یہ نصیحت اس پر بہتر اثر کرتی ہے۔ اسی طرح بلاواسطہ عمل بھی نسبتاً زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے ایک مشہور حدیث بیان کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ طریقہ کتنا مؤثر ہے۔

حسنین علیہما السلام نے اپنے لڑکپن کے زمانے میں ایک بوڑھے شخص کو وضو کرتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ اس کا وضو درست نہیں۔ ان دونوں آقا زادوں نے جو احکامات اسلام اور نفسیات کے اصولوں سے واقف تھے فوراً یہ سوچا کہ ایک جانب تو اس بوڑھے شخص کو بتانا ضروری ہے کہ اس کا وضو باطل ہے اور دوسری جانب اگر اسے براہ راست کہا جائے کہ جناب آپ کا وضو باطل ہے تو اس کی شخصیت مجروح ہوگی اور اسے برا لگے گا۔ اس صورت میں اس کی جانب سے پہلا ردعمل یہ ہوگا کہ وہ کہے گا کہ نہیں جناب میرا وضو ٹھیک ہے۔ پھر اسے جتنا بھی سمجھایا جائے گا وہ ایک نہیں سنے گا۔ لہذا انہوں نے آگے بڑھ کر کہا: ہم دونوں چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے وضو کریں اور آپ دیکھیں کہ ہم میں سے کون بہتر وضو کرتا ہے۔ (عموماً بزرگ بچوں کی اس قسم کی درخواست قبول کرلیتے ہیں)۔ چنانچہ بوڑھے شخص نے کہا: آپ وضو کریں تاکہ میں اس بارے میں فیصلہ کرسکوں۔ امام حسنؑ نے اس کے سامنے مکمل وضو کیا اور بعد میں امام حسینؑ

Marfat.com

نے بھی ایسا ہی کیا۔ اب بوڑھا سمجھ گیا کہ اس کا اپنا وضو صحیح نہیں تھا لہذا اس نے کہا: آپ دونوں کا وضو صحیح ہے۔ میرا وضو درست نہیں تھا۔

یوں انہوں نے اس شخص سے اس کی غلطی کا اعتراف کروالیا۔ اب اگر اس موقع پر وہ فوراً اس سے کہہ دیتے: بڑے میاں! تمہیں شرم نہیں آتی۔ اس سفید داڑھی کے باوجود تمہیں ابھی تک وضو کرنا بھی نہیں آیا؟ تو وہ نماز پڑھنے سے بھی بیزار ہوجاتا۔

(حماسۂ حسینی جلد دوم ص۹۴ تا ۹۶)

دشمن پیدا کرنا

ایک خطیب بیان کر رہے تھے کہ مشہد مقدس میں ایک شخص دین کے معاملے میں بالکل کورا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا اور روزے نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کا کسی چیز پر بھی اعتقاد نہ تھا یعنی وہ ایک مخالف دین شخص تھا۔

خطیب صاحب نے کہا کہ ہم کافی مدت تک اس شخص کو نصیحتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس کے رویے میں تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ معتقد اور باایمان ہوگیا۔ اس نے اپنے طور طریقے بالکل بدل دیئے۔ وہ نمازیں پڑھنے لگا اور روزے رکھنے لگا۔ اگرچہ اس کا تعلق انتظامیہ سے تھا اور وہ خراسان میں ایک حساس عہدے پر فائز تھا لیکن نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اس نے اپنے آپ کو باجماعت نماز کا پابند کرلیا۔ وہ مسجد گوہر شاد میں جاتا اور مرحوم آقای نہاوندی کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ وہ نماز کے لئے اپنا لباس تبدیل کرلیا کرتا تھا اور عبا بھی اوڑھ لیا کرتا تھا۔ وہ ہماری محافل میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔

پھر کئی روز تک وہ شخص ہمیں دکھائی نہیں دیا۔ ہم نے سوچا کہ وہ ضرور سفر پر گیا ہوا ہوگا۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ نہیں وہ یہیں پر موجود ہے لیکن نہیں آتا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ

Marfat.com

ہماری محافل میں کیوں شریک نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی پتا چلا کہ وہ نماز جماعت ادا کرنے بھی نہیں جاتا۔ ہم نے تحقیق کی تاکہ معلوم کریں کہ کیا وجہ ہے یہ شخص جو دین اور مذہب کی جانب اس قدر مائل ہوا تھا کس بنا پر دین سے منہ موڑ بیٹھا ہے؟

آخر معلوم ہوا کہ قصہ کچھ یوں تھا کہ یہ شخص مسلسل کئی روز تک نماز باجماعت میں شریک ہوتا رہا اور چوتھی یا پانچویں صف میں کھڑا ہوا کرتا تھا۔ ایک روز ایک مقدس مآب جو پہلی صف میں امام کے پیچھے بیٹھتے، تحت الحنک کھول کر رکھتے اور مسواک نہ جانے کس انداز میں کیا کرتے تھے اور ہمیشہ خدا کو اپنا مقروض سمجھتے تھے نماز کے وقت لوگوں کے درمیان پہلی صف میں سے اٹھے اور چلتے چلتے اس شخص تک پہنچے۔ پھر وہ اس کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا: جناب!۔

اس نے کہا: جی فرمایئے۔

انہوں نے کہا: مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ وہ بے چارہ حیران تھا کہ کیا جواب دے۔

اس نے کہا: آپ مجھ سے یہ کیا سوال کر رہے ہیں؟

اس پر وہ صاحب کہنے لگے: نہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں کہ کیا آپ مسلمان ہیں یا نہیں۔

وہ بے چارہ بے حد پریشان ہوا اور کہنے لگا: بے شک میں مسلمان ہوں۔ اگر مسلمان نہ ہوتا تو یہاں مسجد گوہر شاد میں نماز جماعت پڑھنے کیوں آیا ہوں؟

اس پر وہ صاحب کہنے لگے: اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ نے یہ داڑھی کیسے بنا رکھی ہے؟

یہ سنتے ہی اس شخص نے جائے نماز لپیٹی اور کہا: یہ مسجد یہ نماز جماعت اور یہ دین اور مذہب، آپ کو مبارک ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ایسا گیا کہ پھر نہ آیا۔

کہنے کو یہ بھی ایک قسم کی نہی عن المنکر ہے۔ یعنی لوگوں کو دین سے بیزار کرنا اور بھگا دینا۔ مخالفین اور دشمن پیدا کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

(حماسۂ حسینی جلد دوم ص۹۶۔۹۷)

نہی عن المنکر نہ کہ حکم منکر

وعظ و نصیحت کا ایک یہ بھی انداز ہے اور یقین جانیں کہ بہت سے لوگوں کی وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نتیجے میں بہت سے منکرات وجود میں آتے ہیں۔ اس بارے میں خود میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جو میں بیان کرتا ہوں۔

میں جن دنوں قم المقدسہ میں مقیم تھا ان دنوں ٹرانسپورٹ کمپنیاں نئی نئی وجود میں آئی تھیں۔ ایک روز میں مشہد جانے کے لئے ایک بس میں سوار ہوا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اس بس کا ڈرائیور مجھ عمامہ پوش کے لئے اپنے دل میں بغض اور نفرت کے جذبات رکھتا ہے۔ نہ میں اسے جانتا تھا اور نہ ہی وہ مجھے پہچانتا تھا۔ ہماری پہلے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ ''ورامین'' کے مقام پر رکا تو میرے یہ پوچھنے پر کہ یہاں کتنی دیر ٹھہرو گے، اس نے مجھے سختی سے جھڑک دیا تاکہ میں مشہد تک اس سے کلام کرنے کی جرأت نہ کرسکوں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ کم از کم وہ مسلمان نہیں ہے، کوئی دہریہ یا یہودی وغیرہ ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ صورتحال یقیناً ایسی ہی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم سمنان سے آگے نکلے تو ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ میں نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہی ڈرائیور اپنے پاؤں دھو رہا ہے۔ میں نے اس پر نگاہ رکھی تو دیکھا کہ اس نے پاؤں دھوئے، پھر وضو کیا اور اس کے بعد نماز پڑھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ وہ مسلمان اور نمازی ہے لیکن میرے ساتھ اس کا جو رویہ تھا وہ بہر حال تھا۔ حتیٰ کہ رات ہوگئی۔ میرے پیچھے دو تُربتی طالبعلم بیٹھے ہوئے تھے جو چھٹیاں گزارنے خراسان (تربت) جارہے تھے۔ میرے ساتھ اس ڈرائیور نے جس ناراضگی اور نفرت کا اظہار کیا تھا اس کے برعکس وہ ان طالب علموں پر بہت مہربان تھا اور ان کے ساتھ دوستی کا اظہار کررہا تھا۔ رات کے وقت عموماً مسافر سو جاتے ہیں۔ ڈرائیور نے ان میں سے ایک طالبعلم سے درخواست کی کہ وہ آکر اس کے پاس بیٹھ جائے اور باتیں کرے تاکہ اسے نیند نہ آئے۔ وہ طالبعلم بھی اس کے پاس چلا گیا۔ جب سب سو گئے اور میں نے غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ ڈرائیور اپنی سرگزشت اس طالبعلم کو سنا رہا ہے۔ میں پوری

Marfat.com

طرح متوجہ ہوگیا۔ پہلے اس نے مشہد کے لوگوں کا ذکر کیا اور کہا کہ وہاں کے علماء اور طلاب سے مجھے نفرت ہے۔ میں فقط بزرگان ارک کو پسند کرتا ہوں۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ اپنے خاندان میں ڈرائیور فقط میں ہوں۔ خاندان کے دوسرے افراد ڈاکٹر، انجینئر، تاجر اور افسران ہیں۔ خاندان بھر میں بدقسمت فقط میں ہوں۔

طالبعلم نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟

ڈرائیور نے جواب دیا: اس کے پیچھے بھی ایک داستان ہے۔ میرا باپ ایک پکا مسلمان اور بڑا متدین شخص تھا۔ بچپن میں اس نے مجھے اسکول میں داخل کرادیا۔ جب محلے کے پیش نماز کو اس بات کا پتا چلا تو اس نے میرے باپ کے پاس آ کر پوچھا کہ کیا تم نے اپنے بچے کو اسکول میں داخل کرایا ہے؟ میرے باپ نے جواب دیا، ہاں۔ پیش نماز نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کیا تمہیں علم نہیں کہ اگر تمہارا بچہ اسکول جائے گا تو بے دین ہو جائے گا۔ میرا باپ سادہ لوح انسان تھا۔ اس نے اس کی بات پر یقین کرلیا اور پھر مجھے اسکول سے اٹھا لیا اور دوسرے کاموں پر لگادیا۔ جب میری شادی ہوگئی اور اولاد پیدا ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل ان پڑھ ہوں۔

اب سارا معاملہ میری سمجھ میں آ گیا اور مجھے پتا چل گیا کہ یہ بے چارہ مسلمان ہے لیکن علماء کو اپنی بدبختی کا سبب جانتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جو عمامے اوڑھے پھرتے ہیں انہوں نے مجھے تباہ کیا ہے۔

نہی عن المنکر کا یہ بھی ایک انداز ہے کہ لوگوں کو ڈرا کر دور بھگانا، انہیں برباد کرنا اور انہیں دین اور علمائے دین کا دشمن بنا دینا۔

پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ خدا اس کے باپ کی مغفرت فرمائے کیونکہ یہ شخص صرف علمائے اسلام کا دشمن ہوا ہے اسلام کا دشمن نہیں ہوا۔ یہ نمازیں بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور امام علی رضا علیہ السلام کی زیارت کو بھی جاتا ہے۔ المختصر اس عالم دین نے بلاواسطہ طور پر اسلام کے لئے نقصان دہ کام کیا۔ (حماسہ حسینی جلد دوم ص ۹۸ تا ۱۰۱)

Marfat.com

مجنوں اور اونٹنی

انسان ایک مرکب موجود ہے۔ ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ انسان میں دراصل اس کی ''میں'' حاکم ہے۔ انسان میں ایک انسانی ''میں'' ہے اور ایک حیوانی ''میں'' ہے اور انسان کی حقیقی ''میں'' اس کی انسانی ''میں'' ہے۔

مولانا رومؔ نے انسان کے اس اندرونی تضاد کی کیفیت ''مجنوں اور اونٹنی'' کی مشہور داستان میں بڑے عمدہ انداز میں پیش کی ہے۔ انسان درحقیقت تضاد کا ایک حقیقی نمونہ ہے۔ یہ اندرونی تضاد جس قدر شدت سے انسان میں پایاجاتا ہے اتنی شدت سے کسی شے میں نہیں پایا جاتا۔

مولانا رومؔ نے یہ داستان یوں بیان کی ہے: مجنوں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کے گھر جارہا تھا۔ اتفاق سے اونٹنی کا ایک دودھ پیتا بچہ بھی تھا۔ مجنوں نے اس خیال سے کہ اونٹنی کو تیز چلائے اور بچہ سفر میں مخل نہ ہو بچے کو گھر میں بند کر کے خود اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیا۔ لیلیٰ کا عشق مجنوں پر پوری طرح حاوی ہو چکا تھا اور وہ اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ تاہم دوسری طرف اونٹنی کی پوری توجہ بھی اپنے بچے کی جانب تھی اور وہ اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔ بچہ یہاں تھا اور لیلیٰ وہاں تھی۔ بچہ ابتدائے سفر میں تھا اور لیلیٰ انتہائے سفر میں تھی۔ جب تک مجنوں اونٹنی پر سوار اسے چلاتا رہا اور اس کی توجہ اسے چلانے پر مرکوز رہی وہ بڑھتا چلا گیا۔ اس دوران کبھی کبھی اس کی توجہ اپنے محبوب کی جانب ہو جاتی اور اونٹنی کی مہار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتی۔ اس وقت وہ ذہنی طور پر لیلیٰ کے پاس ہوتا۔ جب اونٹنی دیکھتی کہ اس کی مہار ڈھیلی ہوگئی ہے تو وہ چپکے سے مکان کی طرف واپس چل دیتی اور اچانک مجنوں جب ہوشیار ہوتا تو وہ دیکھتا کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے مقام پر پہنچ گیا ہے۔ وہ پھر دوبارہ اپنا سفر شروع کرتا اور کچھ دیر تک آگے بڑھتا رہتا لیکن کچھ دیر کے بعد پھر ذہنی طور پر غیر حاضر ہوجاتا اور اونٹنی واپس آجاتی۔ یہ عمل کئی بار دہرایا گیا۔

ہمچو مجنوں در تنازع باشتر
گہ شتر چربیدو گہ مجنوں حر

میل مجنوں پس سوی لیلیٰ روان
میل ناقہ از پی طفلش دوان

پھر مولانا رومؔ کہتے ہیں کہ مجنوں نے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا۔

گفت ای ناقی چوہر دو عاشقیم
ما دو ضد بس ہمرہ نالا یقیم

پھر مجنوں اپنا بچاؤ کرتے ہوئے کہتا ہے:

جان گشادہ سوی بالا بالہا
تن زدہ اندر زمین چنگالھا

انسان میں دو طرح کے میلانات پائے جاتے ہیں۔ ایک انسان کی روح کا میلان ہے اور دوسرا انسان کے جسم کا میلان ہے۔

میل جان اندر ترقی و شرف
میل تن درکسب اسباب و علف

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری روح آزاد ہو تو تمہیں شکم پرست نہیں ہونا چاہئے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم زن پرست بھی ہو اور تمہاری روح بھی آزاد ہو۔ تمہارے دل میں روپے پیسے کی ہوس بھی ہو اور تمہاری روح بھی آزاد ہو۔ درحقیقت روح کی آزادی کے ساتھ تم شہوت پرست اور مغلوب الغضب ہو ہی نہیں سکتے۔ پس اگر تم حقیقتاً آزاد ہونا چاہتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ اپنی روح کو شہوات نفسانی سے آزاد کرو۔ (گفتارہای معنوی ص۳۶۔۳۷)

اثر انگیز وعظ

ہُمام بن شُریح کا قصہ بڑا مشہور ہے۔ وہ ایک متقی اور عابد و زاہد شخص تھا۔ ایک مرتبہ وہ امیرالمؤمنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے متقین کے اوصاف بتائیں۔

حضرت نے ابتداء میں دو تین مختصر اور سادہ جملے ارشاد فرمائے لیکن ہمام نے کہا: یا امیر المومنینؑ! یہ کافی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے سامنے متقین کا نقشہ کھینچ دیں۔

امامؑ نے اپنی گفتگو میں صاحبان تقویٰ کی تقریباً ایک سو تیں صفات گنوائیں۔ جوں جوں حضرت بیان فرماتے جا رہے تھے ہمام کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ ابھی امامؑ کی گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ "شَهِقَ شَهْقَةً فَمَاتَ" لوگوں نے ایک چیخ سنی اور جب لوگ ہمام کے پاس پہنچے تو وہ اس دنیا میں نہیں تھا۔ اس وقت حضرت نے فرمایا: "هٰكَذَا تَصْنَعُ الْمَوَاعِظُ الْبَالِغَةِ بِاَهْلِهَا۔" اگر وعظ مؤثر ہو اور سننے والا بھی اس کا اہل ہو تو وعظ ایسا ہی اثر دکھایا کرتا ہے۔ (تفسیر قرآن ص ۱۲۵)

نفسانی خواہشات کی پیروی

مجھے اپنے بچپن کے زمانے کا ایک واقعہ یاد ہے کہ ہمارے گاؤں فریمان میں شبیہ نکالنے کا مسئلہ میرے والد مرحوم رضوان اللہ علیہ اور لوگوں کے مابین جھگڑے کا موجب تھا۔ اگرچہ میرے والد کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اس علاقے میں کافی حد تک اس مسئلے پر قابو پالیا گیا تھا لیکن اس بارے میں ہمیشہ ایک کشمکش موجود رہتی تھی۔ میرے والد لوگوں سے کہتے تھے کہ تم امام حسینؑ کے نام پر مسلّمہ طور پر حرام کاموں کے مرتکب ہوتے ہو اور یہ بات درست نہیں ہے۔

مجھے یاد ہے کہ میں جس زمانے میں قم میں مقیم تھا اس زمانے میں وہاں پر بھی لوگ بہت عجیب وغریب اور غیر مناسب شبیہیں نکالا کرتے تھے۔ یہ مرحوم آیت اللہ بروجردی علیہ الرحمہ کی مرجعیت کا ابتدائی دور تھا لیکن لوگوں میں آپ کا بہت اثر ورسوخ تھا۔

محرم سے پہلے کے دن تھے جب لوگوں نے آقا کو بتایا کہ ہمارے ہاں شبیہ نکالنے کا یہ انداز ہے۔ چنانچہ آقائے بروجردی کے بلانے پر بانیان مجلس آپ کے گھر پر آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا: تم کس کی تقلید کرتے ہو؟

Marfat.com

سب نے جواب دیا: ہم آپ کی تقلید کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اگر تم میری تقلید کرتے ہو تو میرا فتویٰ کے مطابق جس انداز میں تم شبیہیں نکالتے ہو یہ حرام ہے۔

انہوں نے آپ سے صاف صاف کہہ دیا کہ آقا ان تین چار دنوں کے علاوہ ہم سارا سال آپ کی تقلید کرتے ہیں لیکن ان ایام میں ہم ہرگز آپ کی تقلید نہیں کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے اور اپنے مرجع تقلید کے ارشادات کی کوئی پروا نہ کی۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ان لوگوں کا مقصد نہ امام حسینؑ کی رضا ہے اور نہ ہی اسلام کی سربلندی ہے بلکہ ان کا مقصد نمائش ہے جس سے یہ لوگ دوسرے فوائد حاصل کرتے ہیں یا کم از کم تسکین محسوس کرتے ہیں۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۱۸۵)

بے جا سختی

اگر مقصد صحیح ہو تو مقصد کے حصول کے لئے جائز ذرائع سے استفادہ کرنا چاہئے۔ تاہم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جائز ذرائع سے استفادہ کرنے پر بھی بہ مشکل راضی ہوتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ جب یہ پہلی بار سامنے آیا تو آپ کو معلوم ہے کہ اس کی کتنی مخالفت ہوئی۔ لاؤڈ اسپیکر آواز کے لئے وہی کام کرتا ہے جو انسانی آنکھ کے لئے عینک یا کان کے لئے آلۂ سماعت۔ اب اگر کوئی شخص اونچا سنتا ہو اور وہ آلۂ سماعت استعمال کرے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ پہلے وہ نہیں سن سکتا تھا اور اب سن سکتا ہے۔ پہلے وہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں سن سکتا تھا لیکن اب قرآن مجید کی تلاوت بہتر طور پر سن سکتا ہے۔ اسی طرح پہلے نازیبا الفاظ نہیں سن سکتا تھا لیکن اب نازیبا الفاظ بھی بہتر طور پر سن سکتا ہے۔ لیکن یہ دو متضاد سماعتیں ہرگز آلۂ سماعت سے مربوط نہیں ہیں۔ مائیکروفون کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ مائیکروفون حرام کام کے لئے مخصوص آلہ نہیں رہے۔ اُس آلے کا استعمال حرام ہوتا ہے جس سے حرام کام

Marfat.com

کے علاوہ اور کوئی کام نہ لیا جاسکے جیسا کہ بت یا صلیب جو شرک کی ایک علامت ہونے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن جو آلات حرام کاموں میں بھی استعمال ہوسکتے ہوں اور حلال کاموں میں بھی، وہ حرام کیسے ہوسکتے ہیں؟

ایک مشہور واعظ فرما رہے تھے کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جب لاؤڈ اسپیکر نیا نیا آیا تھا اور ہم نے بھی لاؤڈ اسپیکر پر نئی نئی تقاریر کرنا شروع کی تھیں اور اس سے قدرے (بقول ان کے) آرام محسوس کرنے لگے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر نے مقرر حضرات کی زندگیوں پر بہت گہرا اثر مرتب کیا ہے۔ آپ آج سے تیس سال پہلے کے زمانے پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ بہت کم خطیب ایسے تھے جو ستر سال کی عمر تک خطابت کر پاتے ہوں۔ عموماً چالیس یا پچاس سال کی عمر میں ان پر ایک طرح کی موت وارد ہوجاتی تھی (یعنی خطابت کو زوال آجاتا تھا)۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ لاؤڈ اسپیکر نہ ہونے کی وجہ سے انہیں مجالس بلند آواز میں پڑھنی پڑتی تھیں۔ اسی طرح اس زمانے میں موٹر کاریں بھی نہیں تھیں تاکہ خطیب حضرات ان میں سوار ہوکر اپنے آپ کو سردی سے بچاسکیں۔ انہیں خچروں اور گدھوں پر سوار ہونا پڑتا تھا اور یہ چیز موسم سرما میں ان کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوا کرتی تھی۔ اکثر جوانی کے عالم میں ہی ان کی خطابت کو زوال آجاتا تھا۔ یہاں تک کہ لاؤڈ اسپیکر ان کی مدد کو آپہنچا۔

وہ خطیب کہتے ہیں کہ: ہم نے بھی لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا شروع کردیا لیکن ابھی یہ عام نہیں ہوا تھا کہ ایک روز میرا ایک بڑی مجلس سے خطاب کرنا طے پایا۔ مجلس کے لئے لاؤڈ اسپیکر بھی نصب کردیا گیا۔ مجھ سے پہلے ایک صاحب منبر پر بیٹھے اور منبر پر بیٹھتے ہی انہوں نے کہا: اس آلہٴ شیطان کو یہاں سے ہٹادو۔ چنانچہ اس شیطانی آلے کو ہٹا دیا گیا۔

ہم نے سوچا کہ اگر ہم خاموش رہے تو ہم بھی اس شیطانی آلے سے جسے ہٹادیا گیا ہے آئندہ استفادہ نہ کرسکیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ جب میں منبر پر بیٹھا تو میں نے کہا کہ وہ آلہٴ شیطان لے آؤ۔ غرض اس قسم کا فکری جمود اور سخت رویہ بے معنی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کا کوئی قصور نہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلم اپنی ذات کی حد تک بے قصور ہیں۔ ان میں کیا ہوتا ہے؟ وہی کچھ جو ترتیب دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ریڈیو میں کیا ہوتا ہے؟ وہی کچھ جو نشر کیا جاتا ہے اور جس کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ٹیلی ویژن میں کیا ہوتا ہے جو کچھ فلم میں پیش کیا جاتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟ (جو کچھ پیش کرنے والا پیش کرتا ہے)۔ اس لئے انسان کو سخت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے اور کسی ایسی چیز کو جو اپنی ذات میں حرام نہ ہو اور جائز ہو اسے ایک ناجائز چیز کے طور پر نہیں پیش کرنا چاہئے۔

(حماسہ حسینی جلد اول ص ۱۸۶ تا ۱۸۸)

دفاع بد

مکتب اہلبیت کی دعائیں فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں اور ان میں بے حد دلکشی پائی جاتی ہے لیکن کیوں؟ اس لئے کہ دعا میں پائی جانے والی دلکشی دعا کے مطالب کو قلب انسانی میں اتار دینے میں مدد دیتی ہے۔ مؤذن کے لئے خوش الحان ہونا کیوں مستحب ہے؟ فقہ اسلامی میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ کیونکہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے والا خواہ خوش آواز ہو یا نہ ہو اس سے اذان کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنے والا چاہے خوش گلو ہو یا نہ ہو اس کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم جب انسان اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے الفاظ ایک خوش الحان شخص سے سنتا ہے تو اس کے دل پر ہونے والا اثر ایک بھدی آواز والے شخص سے یہی الفاظ سننے کی نسبت مختلف ہوتا ہے۔ میں نے ایک مجلس میں دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص نعرے لگا رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بیچارا مفلوج تھا یا اس کی زبان صحیح کام نہیں کرتی تھی یا کیا مسئلہ تھا؟ بہرحال جب وہ کوئی لفظ ادا کرنا چاہتا تھا، مثلاً صلوات بھیجنا چاہتا تو ایک مضحکہ خیز انداز میں اسے جھٹکا لگتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: سبحان اللہ! کیا اس کے علاوہ صلوات کا نعرہ لگانے والا کوئی اور نہیں؟ کیا ہمیں اس مقصد کے لئے ایسے افراد کو منتخب نہیں کرنا چاہئے جن کی آواز اچھی ہو؟

شیخ سعدی ایک داستان بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شہر میں ایک مؤذن تھا

جس کی آواز بہت بھدی تھی۔ ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک یہودی اس کے لئے تحفہ لایا ہے۔ یہودی نے اس سے کہا کہ یہ ناچیز تحفہ قبول کیجئے۔ مؤذن نے کہا کیوں؟ یہودی نے کہا اس لئے کہ آپ نے میری ایک بڑی خدمت کی ہے۔ مؤذن نے کہا کہ میں نے تو تمہاری کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ یہودی کہنے لگا کہ میری ایک بیٹی ہے جو ایک عرصے سے اسلام کی جانب مائل تھی لیکن جب سے آپ اذان کہنے لگے ہیں اور وہ آپ کی زبان سے اللہ اکبر کی صدا سنتی ہے تب سے وہ اسلام سے بد دل ہوگئی ہے۔ لہذا میں یہ تحفہ آپ کے لئے لایا ہوں کیونکہ آپ نے میری بڑی مشکل آسان کردی اور اس لڑکی کو مسلمان ہونے سے باز رکھا۔

(حماسۂ حسینی جلد اول ص۱۹۲۔۱۹۳)

فتنہ انگیز سچ

بعض احکام مطلق ہیں مثلاً عدل و انصاف جسے انسان روحانی طور پر ایک مطلق اور اچھا حکم سمجھتا ہے یا ظلم جسے انسان روحانی طور پر ایک مطلق اور برا حکم سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس سچائی ایک مطلق حکم نہیں ہے بلکہ خود اپنے فلسفے کے تابع ہے۔ بعض اوقات سچائی اپنی معنویت کھو بیٹھتی ہے اور وہی سچائی بری ہوجاتی ہے۔ مشہور فلسفی ''کانٹ'' پر اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سچائی ضمیر کا مطلق حکم ہے اور اس کے بارے میں مصلحت سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

فرض کیجئے کہ ایک ظالم دیوانہ چاقو ہاتھ میں لئے ایک بیکس شخص کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اگر وہ اسے پالے تو اس کا پیٹ پھاڑ ڈالے اور یقیناً اسے قتل کردے۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا آپ کو علم ہے کہ فلاں شخص کہاں ہے؟ آپ اس سوال کا کیا جواب دیں گے؟ اگر آپ کہیں کہ آپ کو علم نہیں (جبکہ آپ کو علم ہے) تو یہ جھوٹ ہوگا اور ضمیر کی آواز کے خلاف ہوگا۔ لیکن اگر آپ کہیں کہ مجھے علم ہے تو وہ آپ سے پوچھے گا کہ وہ کہاں ہے؟ کیا آپ اس ظالم دیوانے کو اس شخص کا پتا بتادیں گے؟ اگر آپ اسے پتا بتائیں گے تو وہ جاکر اسے ناحق قتل

کرڈالے گا۔ کیا ضمیر کا حکم اس قدر مطلق ہے کہ ایسے مواقع پر بھی وہ کہتا ہے کہ سچ بولو اور نتیجے سے کوئی سروکار نہ رکھو یا ایسا نہیں ہے؟

یہاں ضمیر کا کوئی ایسا حکم نہیں بلکہ مصلحت آمیز جھوٹ بولنا چاہئے۔ مصلحت آمیز جھوٹ کا ذکر ہماری فقہ میں آیا ہے اور شیخ سعدیؒ کا کہنا ہے کہ: ''دروغ مصلحت آمیز بہتر از راست فتنہ انگیز'' یعنی مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے۔

شیخ سعدیؒ نے ایک داستان بیان کی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مجرم کو ایک بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے سولی پر لٹکا دیا جائے یا اس کی گردن ماردی جائے۔

جب وہ مجرم زندگی سے مایوس ہوگیا تو بادشاہ کو برا بھلا کہنے لگا۔ بادشاہ کو سنائی نہیں دے رہا تھا اس لئے اس نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ وزیر نے کہا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ ''وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ.'' اور وہ اپنے غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگزر کرتے ہیں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴)

دربار میں ایک شخص جو وزیر کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگا رہتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کی بجائے خود وزیر بن جائے اس نے کہا: ہم جیسے لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ پھر اس نے وزیر کو مخاطب کر کے کہا کہ وہ بادشاہ کو برا بھلا کہہ رہا ہے اور تم کہتے ہو کہ وہ قرآن مجید کی آیت تلاوت کر رہا ہے؟

بادشاہ نے منہ پھیر لیا اور کہا: ''اس کا جھوٹ تمہارے سچ سے بہتر ہے۔''

بلاشبہ شیخ سعدیؒ نے یہ داستان ایک حقیقت سمجھانے کے لئے بیان کی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ مصلحت آمیز جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جس سے فتنہ پیدا ہوتا ہو۔

اس داستان میں وزیر جھوٹ بول کر ایک آدمی کی جان بچاتا ہے لیکن دوسرا شخص سچ بول کر ایک جان کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مصلحت آمیز جھوٹ اور منفعت بخش جھوٹ میں فرق ہے۔ بہت سے لوگ منفعت بخش جھوٹ کو مصلحت آمیز جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ کردیتے ہیں۔ مصلحت آمیز جھوٹ وہ جھوٹ ہے جس نے اپنی حقیقت کھو دی ہو

اور راستگوئی کا فلسفہ اپنالیا ہو۔یعنی ایسا جھوٹ کہ جس کے ذریعے انسان ایک حقیقت کا تحفظ کرتا ہے۔ منفعت بخش جھوٹ یہ ہے کہ انسان اس لئے جھوٹ بولے کہ اس سے خود فائدہ اٹھائے۔ مصلحت اور منفعت کے مابین فرق ہے اور ان دونوں کو باہم خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ مصلحت حقیقت کے گرد چکر لگاتی ہے۔ یعنی مصلحت کے معنی حقیقت کی رعایت کرنے کے ہیں نہ کہ اپنا اور اپنے مفاد کا تحفظ کرنا کیونکہ یہ منفعت ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے فائدے کیلئے جھوٹ بولتے ہیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ تم جھوٹ کیوں بولتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ مصلحت کی بنا پر ہے۔ نہیں، یہ مصلحت نہیں ہے بلکہ یہ جھوٹ بھی دوسرے جھوٹوں کی مانند ہے۔

بہت سے زرتشتیوں نے شیخ سعدیؔ پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے ایک غلط چیز کی تعلیم دی ہے۔ ایک مقالے میں جو خود ہمارے زمانے کے ایک اسکالر نے لکھا تھا یہ کہا گیا تھا کہ جب انگلستان نے ہندوستان پر اپنا تسلط جمالیا اور وہاں انگریزوں کی زیرنگرانی اسکول قائم ہونے لگے تو انہوں نے حکم دیا کہ ان اسکولوں میں شیخ سعدیؔ کی کتابیں نہ پڑھائی جائیں کیونکہ شیخ سعدیؔ نے غلط چیزوں کی تعلیم دی ہے اور کہا ہے کہ مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے۔ یہ چیز شروع سے ہی بچوں میں جھوٹ بولنے کی عادت پیدا کرتی ہے۔ گویا کہ انہیں (یعنی انگریزوں کو) ہندوستان کے لوگوں سے اس قدر ہمدردی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ یہاں کے بچے ایسی تربیت پائیں اور اتنے راستگو ہوں کہ مصلحت آمیز جھوٹ بولنے سے بھی باز رہیں۔ لیکن سمجھنے والے جلد ہی سمجھ گئے کہ اسکولوں میں شیخ سعدیؔ کی کتابیں پڑھانے پر جو پابندی عائد کی گئی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے غلط باتوں کی تعلیم دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیخ سعدیؔ نے اپنی کتاب ''گلستان'' کے دیباچے میں لکھا ہے:

ای کریمی کہ از خزانۂ غیب — گرو ترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ بادشمناں نظر داری

یہ اشعار ابتدا سے ہی بچوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دیتے ہیں کہ آتش پرست اور عیسائی خدا کے دشمن ہیں۔

دوسری جانب کانٹ جو کہتا ہے کہ ہمیشہ سچ بولنا چاہئے اور جھوٹ ہرگز نہیں بولنا

چاہئے اس کے پیرو کچھ انگریز سامراجیوں نے شیخ سعدیؔ کی بیان کردہ داستان کے نتیجے پر غور کئے بغیر شیخ سعدیؔ کی تصانیف پڑھانے پر پابندی لگادی کیونکہ وہ مصلحت آمیز جھوٹ بولنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر کسی کو سچ اور جھوٹ کے بارے میں تجربہ ہوتو وہ یہ بات ہرگز نہیں کہہ سکتا کیونکہ ایک حقیقی راستگو شخص جانتا ہے کہ بعض اوقات سچ بھی اپنی معنویت کھو بیٹھتا ہے اور بعض اوقات جھوٹ کی برائی بھی ختم ہوجاتی ہے۔ اسلامی فقہ میں بھی غیبت اور جھوٹ کی بعض مقامات پر اجازت دی گئی ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے۔ (فلسفۂ اخلاق ص ۴۸ تا ۵۱)

بھولا شوہر

ایک مشہور حکایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک مرغ فروش کی دکان سے ایک مرغا سستے داموں خریدا۔ مرغا بہت اچھا تھا اور جتنے میں اس نے خریدا اس سے زیادہ قیمت کا تھا۔ جب وہ مرغا لے کر گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے پوچھا کہ یہ تم کیا لائے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں مرغا لایا ہوں۔ وہ کہنے لگی کیا کوئی شریف آدمی مرغا اپنے گھر لاتا ہے؟ یہ کہہ کر اس نے فوراً اپنا چہرہ چھپا لیا اور کہنے لگی کہ جس گھر میں کوئی نر موجود ہو میں اس میں رہنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ تم یا تو اسے گھر سے باہر نکالو یا میں پردے سے باہر نہیں آؤں گی۔ اس شخص نے کہا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے مرغا کوئی انسان تو نہیں ہے۔ اس نے کہا نہیں، باغیرت انسان مرغے تک کو اپنے گھر میں نہیں لاتا۔ وہ اس بات پر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ الحمدللہ میری بیوی کتنی پاکدامن ہے۔

چنانچہ وہ مرغے کو لے کر مرغ فروش کی دکان پر پہنچا اور اس سے کہنے لگا: بھائی! اگر ہوسکے تو آپ اپنا مرغا واپس لے لیں اور میری رقم مجھے لوٹا دیں۔

مرغ فروش کہنے لگا: کیوں؟ اتفاق سے اس مرغے کی قیمت زیادہ ہے لیکن میں نے آپ کے ہاتھ سستے داموں بیچا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہا۔

اس کی قیمت واقعی زیادہ ہے۔

اس شخص نے کہا: نہیں، مجھے مرغا نہیں چاہئے۔

مرغ فروش نے کہا: آپ کو کیوں نہیں چاہئے۔

اس شخص نے کہا: آپ کو اس سے کیا غرض؟

مرغ فروش نے کہا: جب تک آپ وجہ نہیں بتائیں گے میں مرغا واپس نہیں لوں گا۔

اس شخص نے کہا: میں نے جتنے پیسے میں خریدا ہے آپ بے شک اس سے کچھ کم دے دیں۔

مرغ فروش نے کہا: نہیں، جب تک آپ وجہ نہیں بتائیں گے میں اسے واپس نہیں لوں گا۔ آپ بتائیں کہ حقیقت کیا ہے۔

اس شخص نے کہا: بات یہ ہے کہ میری بیوی بڑی پاکدامن ہے۔ وہ اتنی باعفت اور باعصمت ہے کہ اس پر بھی تیار نہیں کہ ایک مرغا (نر) گھر میں لایا جائے۔

مرغ فروش نے فوراً مرغا لے لیا اور اس کی رقم لوٹا دی اور کہا کہ یہ رہی آپ کی رقم لیکن یقین رکھیں کہ آپ کی بیوی ایک بدکردار عورت ہے۔ اگر وہ پاکدامن ہوتی تو ایسی بات نہ کرتی۔ ایسی باتیں وہ عورتیں کیا کرتی ہیں جو قطعاً باعفت اور باعصمت نہیں ہوتیں۔ ایک پاکدامن عورت کبھی بھی مرغے سے پردہ نہیں کرتی۔ اس نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔

خوبصورتی مطلق ہے یا اضافی؟

خوبصورتی مطلق ہے یا اضافی؟ کیا خوبصورتی کی واقعی کوئی حقیقت ہے یا اس کا ادراک کرنے والے اور ادراک کی جانے والی شے کے مابین ایک پراسرار تعلق ہے؟ مثلاً ہم ایک انسان کو دیکھتے ہیں جس کا محبوب اس کی نظر میں غیر معمولی طور پر خوبصورت ہے حالانکہ ایک دوسرے انسان کو وہ خوبصورت دکھائی نہیں دیتا۔

لیلیٰ اور مجنوں کی داستان بھی ایسی ہی ہے۔ مجنوں نے لیلیٰ کی تعریف میں ایسے اشعار اور غزلیں کہیں کہ ہارون الرشید سمجھا کہ شاید وہ ایک ایسی حسینہ ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ لیکن جب اس بدو اور جنگل کی رہنے والی لیلیٰ کو بیابان سے لایا گیا اور ہارون الرشید نے اسے دیکھا تو اسے پتا چلا کہ وہ ایک معمولی سیاہ فام عورت ہے اور بالکل قابل توجہ نہیں ہے۔

بہ مجنوں گفت روزی عیب جوئی کہ پیدا کن بہ از لیلیٰ نکوئی

ایک عیب جُو شخص نے مجنوں سے کہا کہ تم لیلیٰ سے بہتر محبوب تلاش کرو۔

کہ لیلیٰ گرچہ درچشم تو حوری است بہ ہرعضوی زاعضایش قصوری است

کیونکہ لیلیٰ اگرچہ تمہاری نگاہ میں، ایک حور ہے لیکن اس کے ہر عضو میں کوئی نہ کوئی عیب ہے۔

زحرف عیب جو مجنوں برآشفت درآں آشفتگی خنداں شدو گفت

عیب جوئی کرنے والے کی بات سن کر مجنوں بے چین ہوگیا اور اس بے چینی کے عالم میں ہنسا اور کہنے لگا۔

تو موئی بینی و من پیچش مو تو ابرو من اشارت ہای ابرو

تم بالوں کو دیکھتے ہو اور میں بالوں کے پیچ وخم دیکھتا ہوں، تم ابرو کو دیکھتے ہو اور میں ابرو کے اشارے دیکھتا ہوں۔

اگر بردیدۂ مجنوں نشینی بغیر ازخوبی لیلیٰ نہ بینی

اگر تم مجنوں کی آنکھ سے دیکھو تو تمہیں لیلیٰ میں خوبی کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے۔

یہاں شاعر نے خوبصورتی کے اضافی ہونے کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لوگوں کا یہ خیال کہ خوبصورتی محبت کو جنم دیتی ہے اس کے برعکس درحقیقت محبت خوبصورتی کو جنم دیتی ہے۔ یہ نظریہ انتہا پسندانہ ہے کیونکہ خوبصورتی کے خارج میں وجود سے بالکل انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ سوفیصد مخلوق عشق میں مبتلا ہے۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم تحقیق کریں کہ آیا خوبصورتی ایک مطلق حقیقت ہے یا اضافی ہے لیکن یہ بات مسلم ہے کہ خوبصورتی نامی ایک چیز خارج میں وجود رکھتی ہے۔ خواہ انسان کسی چیز کی خوبصورتی کو محسوس کرسکے یا نہ

Marfat.com

کر سکے۔ جیسے بہت سی دوسری چیزیں دنیا میں وجود رکھتی ہیں مثلاً کوہ دماوند کی چوٹی ایران کی بلند ترین چوٹیوں میں سے ایک ہے اور اس علاقے میں موجود ہے۔ اب خواہ دنیا میں کوئی ایسا انسان موجود ہو یا نہ ہو جس نے اس چوٹی کو بذات خود دیکھا ہو لیکن کوہ دماوند کی اپنی ایک خوبصورتی ہے اور یہ خوبصورتی اس سے جدا نہیں ہوسکتی۔ (فلسفہء اخلاق ص ۵۶۔۵۷)

معنوی حسن

روحانی خوبصورتی بھی کسی کلام میں پائی جانے والی فصاحت و بلاغت کی مانند انسان کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ مثلاً شیخ سعدیؒ کے زمانے کو کئی صدیاں گزر چکی ہیں اس کے باوجود ان کی نثر، چھوٹے چھوٹے جملے اور اشعار اب بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ اب بھی جب بھی انسان ان کے کلام کو سنتا ہے تو دل ایک کشش محسوس کرتا ہے۔ کیا الفاظ خوبصورت ہیں؟ نہیں۔ فقط الفاظ خوبصورت نہیں ہیں بلکہ یہ ان الفاظ کے معانی ہیں جو اتنی خوبصورتی سے ایک دوسرے کے ساتھ ترتیب دیئے گئے ہیں کہ انسان کی روح کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ البتہ الفاظ کو فصاحت میں دخل حاصل ہے۔ حافظؒ اور مولانا رومؒ کے اشعار بھی واقعاً معنوی خوبصورتی کے مظہر ہیں۔ بعض اوقات لوگ ان اشعار سے یوں مسحور ہوتے ہیں کہ حال سے بے حال ہوجاتے ہیں۔

مرحوم ادیب نیشاپوری بہت ممتاز ادباء میں سے تھے۔ میں نے ان کا فوٹو دیکھا ہے لیکن خود انہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ قدیم علمی مراکز کی نشانی تھے۔ وہ سید تھے اور ان میں علماء کا سا انداز بھی پایا جاتا تھا۔ وہ ادبیات میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے اور ان کے ہم پلہ افراد بہت کم تھے۔ بعض اوقات وہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک کلام نے مجھے زندگی میں دو مرتبہ بے ہوش کیا اور وہ حافظؒ کی یہ مشہور غزل ہے:

Marfat.com

ز ان یار دلنوازم شکری است باشکایت
گرنکته دان عشقی بشنو تو این حکایت
بی مزد بود و منت ہر خدمتی کہ کردم
یارب مباد کس را مخدوم بی عنایت
رندان تشنہ لب را آبی نمی دھد کس
گوئی ولی شناسان رفتند از این ولایت
در این شب سیاہم گم گشت راہ مقصود
از گوشہ ای برون آی ای کوکب ہدایت
از ہر طرف کہ رفتم جز وحشتم نیفزود
ز نہار از این بیابان و ین راہ بی نہایت
این راہ را نہایت صورت کجاتوان بست
کش صد ہزار منزل بیش است در بدایت
در زلف چون کمندش ایدل مپیچ کانجا
سرہا بریدہ بینی بی جرم و بی جنایت
چشمت بہ غمزہ مارا خون خوردو میپسندی
جانا روا نباشد خون ریز را حمایت
ای آفتاب خوبان می سوزد اندرونم
یکساعتم بگنجان در سایہ عنایت
ہر چند بردی آبم روی از درت نتابم
جوراز حبیب خوشتر کزمدعی رعایت
عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن زبر بخوانی در شہاردہ روایت

یہ بذات خود ایک قابل توجہ چیز ہے کہ ایک قصیدہ اور شعر ایک ادیب کو اس حد تک متاثر کرے۔ وہ ایک ''ادیب'' تھے لیکن اگر ایک ''عارف'' حافظ کے اشعار پڑھنا چاہتا تو قطعاً

Marfat.com

اس غزل کا انتخاب نہ کرتا بلکہ عارفانہ غزلوں کا انتخاب کرتا۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو عارفانہ غزلیں پڑھیں اور ان سے متاثر نہ ہوں۔ مثلاً حافظ فرماتے ہیں:

سالہا دل طلب جام جم ازما میکرد
وآنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا میکرد
گوہری کز صدف کون و مکان برون بود
طلب از گمشدگان لب دریا میکرد
بیدلی درہمہ احوال خدا با او بود
او نمی دیدش واز دور خوایا میکرد
مشکل خویش بر پیرمغان بردم دوش
گو بہ تایید نظر حل معما میکرد
گفتم این جام جہان بین بتوکی داد حکیم
گفت آن روز کہ این گنبد مینا میکرد
گفت آں یار کزا و گشت سردار بلند
جرمش آں بودکہ اسرا ہویدا میکرد

(فلسفۂ اخلاق ص۵۸تا۶۰)

بوعلی سینا اور شاگرد

بوعلی سینا کا شاگرد بہمنیار آذربائیجان کا باشندہ تھا۔ ابتداء میں وہ زرتشتی مذہب کا پیرو تھا مگر بعد میں مسلمان ہوگیا۔

ایک روز بوعلی سینا ایک نانبائی کی دکان پر گئے۔ بہمنیار جو ان دنوں ایک چھوٹا سا لڑکا تھا نانبائی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے تھوڑی سی آگ دیں۔ میں چولھا جلانے کے لئے گھر

Marfat.com

لے جانا چاہتا ہوں۔

نانبائی نے کہا: میاں صاحبزادے! تم آگ کو ہاتھ میں پکڑ کر تو نہیں لے جاسکتے جاؤ کوئی برتن لاؤ اور آگ اس میں ڈال کر لے جاؤ۔

اس پانچ چھ سال کے بچے نے فوراً اپنا ہاتھ راکھ سے بھر لیا اور کہا: آپ آگ میرے ہاتھ کے بیچ میں اس راکھ پر رکھ دیں۔

بوعلی سینا پہچان گئے کہ یہ بچہ بڑا ذہین ہے۔ چنانچہ وہ اس کے ماں باپ سے ملے اور ان سے کہا کہ اگر اس بچے کی استعداد، لیاقت اور ذہانت ضائع ہوگئی تو بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ آپ اسے میرے سپرد کردیں۔ یہ آگے چل کر ایک بڑا آدمی بنے گا۔

آخرکار بچے کے والدین مان گئے اور بہمنیار نے بوعلی سینا کی شاگردی اختیار کرلی۔

پھر وہ ایسا شاگرد بنا کہ بوعلی سینا کے بہت سے افکار اسی نے لوگوں کے سامنے پیش کئے۔

(فلسفہء اخلاق ص۱۱۳۔۱۱۴)

جانوروں پر رحم

جانوروں پر، حتیٰ کہ ان جانوروں پر بھی جو ایک لحاظ سے نجس ہیں رحم کھانا ایک اچھا کام ہے کیونکہ ایک جانور کا نجس ہونا اس پر رحم کھانے کے منافی نہیں ہے۔ مثلاً کتے کے بدن یا اس کے لعاب دہن میں پائے جانے والے جراثیم کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ نجس ہے لیکن اس کی یہ نجاست اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس پر رحم کیا جائے۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک آدمی ایک بیابان سے گزر رہا تھا۔ اس نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی شدت سے اپنی زبان گیلی مٹی پر پھیر رہا تھا۔ وہاں ایک کنواں بھی تھا۔ اس شخص نے اپنا جوتا اپنی پگڑی کے ساتھ باندھا اور اس کے ذریعے کنویں میں سے پانی نکالا۔ پھر اپنے ہاتھ سے اس کتے کو پلایا اور اس طرح اس کی پیاس بجھائی۔ اس وقت کے پیغمبر پر وحی

نازل ہوئی کہ خداوند عالم اس شخص کا ''مشکور'' ہے یعنی خداوند عالم ہی اس فعل کی عظمت اور قیمت کو پہچانتا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں مشہور ہے کہ اس شخص نے اپنی ٹوپی کنوئیں میں لٹکائی لیکن روایت کے مطابق اس نے اپنے جوتے کو ڈول کے طور پر استعمال کیا۔

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

یکی در بیابان سگی تشنہ یافت ۔۔۔ برون از رمق در حیاتش نیافت

ایک شخص نے بیابان میں ایک پیاسا کتا دیکھا جو جاں بہ لب تھا۔

''کلہ'' دلو کرد آن پسندیدہ کیش ۔۔۔ چوحبل اندر آں سبت دستار خویش

ایک نیک دل شخص نے اپنی ٹوپی کو ڈول اور اپنی پگڑی کو رسی بنایا۔

بخدمت میاں بست و بازو گشاد ۔۔۔ سگ ناتواں را دمی آب داد

اس نے خدمت پر کمر باندھی اور بازو پھیلائے اور ناتواں کتے کو پانی پلایا۔

خبر داد پیغمبر از حال مرد ۔۔۔ کہ داور گناہانِ او عفو کرد

پیغمبر نے اس آدمی کے بارے میں خبر دی کہ خدا نے اس کے گناہ بخش دیئے۔

الا گر جفا کاری اندیشہ کن ۔۔۔ وفا پیش گیرو کرم پیشہ کن

اے شخص! اگر تو جفا کار ہے تو ذرا سوچ!! وفا شعاری اور کرم گستری سیکھ لے۔

کہ حق باسگی نیکوئی گم نکرد ۔۔۔ کجا گم شود خیر با نیک مرد

خدا کتے کے ساتھ بھلائی کو رائیگاں نہیں جانے دیتا تو انسان دوستی کیسے ضائع ہوسکتی ہے؟

کرم کن چناں کت بر آید زدست ۔۔۔ جہانبان در خیر بر کس نہ بست

جہاں تک ہوسکے اہل زمیں پر مہربانی کر، خدا نے خیر کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا۔

گرت در بیابان نباشد چہی ۔۔۔ چراغی نہ در زیارت گہی

اگر تجھے بیابان میں کوئی کنواں نہ ملے تو کسی مزار پر چراغ رکھ دے۔

(فلسفۂ اخلاق ص ۸۔۹)

ہر سانس میں کوثر کے پیام آتے ہیں ۔۔۔ ہر آن چھلکتے ہوئے جام آتے ہیں

بندوں کو جو، اک بار لگاتا ہوں گلے ۔۔۔ اللہ کے، نو بار سلام آتے ہیں

Marfat.com

امام حسینؑ کا صبر

ہمارے پاس ائمۂ اطہار علیہم السلام کے بارے میں بہت سے قصے، حکایتیں اور داستانیں موجود ہیں۔ ایک روایت ہے جو امام حسن مجتبیٰؑ سے بھی منسوب ہے اور امام حسینؑ سے بھی۔ لیکن جو روایت ہم نقل کر رہے ہیں اس کا تعلق امام حسینؑ سے ہے۔

اسام بن المصطلق شامی مسجد مدینہ میں آیا۔ وہاں پر اس نے ایک پر ہیبت اور صاحبِ جلال شخص کو دیکھا۔ یہ جو ہم پر ہیبت اور صاحب جلال کہہ رہے ہیں، تو یہ چیز روایتی دستور کے مطابق نہیں بلکہ تاریخ میں ایسا لکھا ہے۔ جب کبھی کوئی شخص شام سے مدینہ جانے کا ارادہ کیا کرتا تھا اور امیر شام چاہتا تھا کہ اسے امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا طریقہ بتائے تو وہ کہتا تھا کہ اگر تم مسجد نبویؐ میں جاؤ اور ایک شخص کو انتہائی رعب و جلال کے ساتھ ایک خاص انداز میں بیٹھا ہوا پاؤ اور چند لوگ اس کے اردگرد بیٹھے ہوں اور یہ محسوس ہو کہ اس کا رعب و جلال ان پر طاری ہے تو ان علامات کا حامل شخص حسینؑ بن علیؑ ہوگا۔

جو شخص شام سے آیا تھا اس نے ایک مرد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ شامی کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوگئی۔ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سربرآوردہ شخص ہے۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔

اس نے پوچھا: کیا یہی علیؑ کا بیٹا ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں، یہ اسی علیؑ کا بیٹا ہے جس کے خلاف امیر شام، شام میں تقریباً تیس سال سے جھوٹا پروپیگنڈا کر رہا ہے اور اسے اسلام کے سب سے بڑے دشمن بتاتا ہے۔ یہاں تک کہ شام کے لوگ علیؑ کو ایک ایسا انسان سمجھتے ہیں جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔

ایک مرتبہ ایک شامی اور ایک کوفی سفر کے دوران ایک قہوہ خانے میں نماز کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ کوفی اپنے نظریے کو درست قرار دیتا تھا اور اس کے ثبوت کے طور پر اس نے کہا کہ میں نے علیؑ کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

شامی مخمصے میں پڑ گیا اور بولا: کیا علیؑ بھی نماز پڑھتا تھا؟ دیکھیں کہ شامیوں کو کس

حدتک دھوکے میں رکھا گیا تھا اور گمراہ کیا گیا تھا۔

اس شامی نے بھی سنا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ ہیں تو اپنے دل میں کہا: میں بھی جا کر اسے قربۃ الی اللہ چند گالیاں دوں اور برا بھلا کہوں۔ چنانچہ وہ آیا اور امامؑ کے سامنے کھڑے ہو کر امیرالمؤمنینؑ کو اور امام حسینؑ پر سب وشتم کرنے لگا اور کہا کہ تم لوگ منافق ہو، وغیرہ وغیرہ۔ امامؑ نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور سمجھ گئے کہ اس شخص کو دھوکے میں رکھا گیا ہے۔ جونہی وہ خاموش ہوا امامؑ نے پوچھا: کیا تم شام سے آئے ہو؟

اس نے کہا: ہاں۔

اس پر امامؑ نے ایک جملے سے زیادہ کچھ نہیں کہا اور فرمایا: میں جانتا ہوں شامی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا: تم ہمارے شہر میں مسافر ہو، ہمارے مہمان ہو، چلو گھر چلیں، ہمارے مہمان بن کر رہو، ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے، اگر تمہارے پاس زاد راہ کم ہوگا تو وہ بھی دیں گے۔

وہ مرد شامی کہتا ہے کہ یہ گفتگو سن کر میری حالت ایسی ہوگئی کہ میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ (فلسفہء اخلاق ص ۱۴ تا ۱۶)

افراط وتفریط

ہر انسان کو افراط اور تفریط دونوں سے بچنا چاہیے۔ مسلمان معاشرے کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری جسے تاریخ بیان کرتی ہے، یہ ہے کہ ہم یا تو ایک انتہاء کا راستہ اختیار کرتے ہیں یا دوسری انتہاء کا راستہ اور حد اعتدال پر قائم نہیں رہتے۔

ہم ایسے لوگ ہیں کہ یا تو ہمیشہ غیبت کرتے ہیں اور یا اس حد تک جا پہنچتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کی غیبت کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ حجاج سفاکی میں اس انتہا کو پہنچا ہوا تھا کہ عالم اسلام میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ جب وہ جہنم واصل ہوگیا تو ایک شخص، دوسری صدی ہجری کے ایک مسلمان ایرانی عالم "ابن سیرینؒ" کے پاس آیا اور حجاج کی برائی کرنے لگا۔

Marfat.com

ابن سیرین نے کہا کہ غیبت مت کرو۔ اس وقت تمہارا یہ غیبت کرنا حجاج کے گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ میں حجاج کی غیبت سننے کو تیار نہیں ہوں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ''غزالی'' نے اپنی تمام تر عظمت اور بلند مرتبے کے باوجود یہ داستان اپنی تائید کے ساتھ نقل کی ہے۔ غزالی ایک مفکر اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل انسان تھے جنہیں ہم ایک بڑی شخصیت سمجھتے ہیں لیکن یہاں انہیں مغالطہ ہوا ہے۔ بڑے انسان غلطیاں بھی ''بڑی'' کیا کرتے ہیں جیسا کہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ غزالی کی بڑی غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے بہت سے مواقع پر شریعت کو تصوف کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ بعض اوقات غزالی کی ''صوفیانہ انتہا پسندی'' اس چیز کا سبب بنی ہے کہ وہ اسلامی فقہ سے منحرف نظر آتے ہیں۔ لہذا کہتے ہیں کہ ابن سیرین نے صحیح کہا ہے اور اس شخص کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ حجاج کی غیبت کرے۔ حجاج مسلمان تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر حجاج کی غیبت نہیں کی جا سکتی تو پھر کس کی غیبت جائز ہے؟ یقیناً وہ یزید کی غیبت بھی جائز نہیں سمجھتا ہوگا۔ ہم جو دن رات منبر پر سے اس کے مظالم بیان کرتے ہیں، ہمیشہ غیبت کرتے ہیں، کیا خود خداوند تعالیٰ نے بھی فرعون، نمرود، قارون، بلعم باعورا اور سیکڑوں دوسرے ظالم لوگوں اور بنی اسرائیل جیسی قوموں کی ''غیبت'' کی ہے— نہیں، یہ سب کچھ غیبت نہیں ہے۔ ہم نہ ایک انتہا کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور نہ دوسری انتہا کے راستے پر قدم رکھتے ہیں۔

(فلسفہء اخلاق ص ۱۸۔۱۹)

اپنی اہانت کرنا

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بدحالی کا شکوہ کرنے لگا۔ کہنے لگا کہ میں بالکل نادار ہو گیا ہوں اور بے حد مجبور ہوں۔ میری آمدنی میرے اخراجات پورے کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ اس طرح اس نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔

حضرت نے اپنے ایک آدمی سے فرمایا: جاؤ اور اتنے دینار کا انتظام کر کے اسے

دیدو۔ وہ شخص گیا اور مطلوبہ رقم لے آیا۔

اس شخص نے کہا: مولاؑ ! خدا کی قسم میرا مقصد آپ سے کچھ حاصل کرنا نہیں تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ باتیں کرنے سے تمہارا مقصد مجھ سے کچھ حاصل کرنا تھا لیکن میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی پریشانی لاحق ہوتو اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرو کیونکہ اس طرح تم ذلیل ہوجاؤ گے۔ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ مومن دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہوجائے۔ تمہیں چاہئے کہ اپنا بھرم قائم رکھو اور اپنی عزت نفس کی حفاظت کرو۔ حضرت امیرالمومنینؑ بھی فرماتے ہیں: ''وَرَضِیَ بِالذُّلِّ مَنْ کَشَفَ عَنْ ضُرِّهِ۔'' جو شخص اپنی تکلیف اور مجبوری کا ذکر دوسروں کے سامنے کرتا ہے وہ اپنی عزت کھو دیتا ہے کیونکہ وہ ہر جگہ کہتا پھرتا ہے کہ میں بڑی مشکل میں ہوں۔ میرے حالات سخت خراب ہیں وغیرہ۔ ایسی باتیں مت کہو۔ عزت ہر چیز سے زیادہ قیمتی اثاثہ ہے۔ مومن کی عزت ہر چیز سے زیادہ گرانقدر ہے۔

''وَهَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ مَنْ اَمَّرَ عَلَيْهِ نَفْسِهِ'' جو شخص نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور نفس کی پرستش کرتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ وہ خود اپنی توہین کرتا ہے اور اپنے آپ کو پست کرلیتا ہے کیونکہ اتباع نفس ایک قسم کی پستی ہے۔ حضرت امیرالمومنینؑ کی نظر میں تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ ''روحانی پستی'' ہے۔ (گفتارہای معنوی ص ۱۷۷۔۱۷۸)

ایمان کی طاقت

کیا آپ دنیا کے کسی ایسے مقام اور دنیا کے کسی ایسے مکتبہ فکر کو جانتے ہیں جہاں مجرم اپنے پاؤں پر چل کر سزا پانے کے لئے آتا ہو۔ مجرم ہمیشہ سزا سے دور بھاگتا ہے اور وہ واحد طاقت جو مجرم کو خود اس کے پاؤں پر چلا کر اس کے اختیار اور ارادے کے ساتھ سزا کی جانب لاتی ہے وہ ایمان کی طاقت ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ہمیں صدر اسلام میں اس

قسم کے بہت سے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ جب ہم صدر اسلام کے بارے میں ایسا کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تاریخ اسلام میں صدر اسلام کے علاوہ ایسے نمونے نہیں پائے جاتے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ صدر اسلام کے بعد بھی حسب مراتب غیرت ایمانی کے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ اسلام نے مجرم کے لئے سزا کا تعین کیا ہے۔ مثلاً اس نے شرابی، زانی اور چور کے لئے سزا مقرر کی ہے۔ اسی طرح اسلام میں ایک اصول ہے کہ "اَلْحُدُوْدُ یُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ" یعنی تھوڑے سے شک کی صورت میں بھی سزا ٹل جاتی ہے۔ اسلام قاضی اور حاکم کو ہرگز نہیں کہتا کہ وہ مجرم کی تلاش میں سرگرداں پھریں بلکہ مجرم کے دل میں ایسا جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے سزا قبول کرتا ہے۔ صدر اسلام میں اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ لوگوں نے رسول اکرمؐ کی یا حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا ہے: یارسول اللہؐ! یا، یاامیرالمومنینؑ! میں نے فلاں جرم کیا ہے آپ مجھے سزا دیں، میں نجس ہوں آپ مجھے پاک کریں۔

ایک شخص نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں نے زنا کیا ہے مجھے سزا دیجئے۔ چونکہ ایسے معاملات میں ضروری ہے کہ متعلقہ شخص چار مرتبہ اقرار کرے۔ ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی نہیں ہے لہذا رسول اکرمؐ نے اسے توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: "لَعَلَّکَ قَبَّلْ" شاید تم نے اس عورت کا بوسہ لیا ہو اور کہتے ہو کہ تم نے زنا کیا ہے۔

اگر وہ کہتا کہ جی ہاں۔ میں نے بوسہ لیا تھا لیکن میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ بوسہ لینا بھی زنا کی مانند ہے تو معاملہ ختم ہوجاتا لیکن اس نے کہا: نہیں یارسول اللہؐ! میں نے زنا کیا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "لَعَلَّکَ غَمَزْ" یعنی شاید تم نے اس عورت کی چٹکی لی ہو۔ تاکہ وہ کہے کہ جی ہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا۔

لیکن اس نے کہا: نہیں یارسول اللہؐ! میں نے زنا کیا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "شاید معاملہ زنا کی حد تک پہنچ گیا ہو لیکن زنا عمل میں نہ آیا ہو۔

پھر بھی اس نے کہا: نہیں یارسول اللہؐ! میں آلودہ ہوگیا ہوں، میں نجس ہوگیا ہوں اور میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھ پر حد جاری کریں اور اسی دنیا میں مجھے سزا دیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ یہ سزا دوسری دنیا تک اٹھا رکھی جائے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت امیرالمومنینؑ کے دور میں پیش آیا کہ ایک عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یاامیرالمؤمنینؑ! میں نے زنائے محصنہ کیا ہے۔ میں شادی شدہ ہوں۔ میں نے شوہر کی عدم موجودگی میں زنا کیا ہے اور زنا کے نتیجے میں حاملہ بھی ہوگئی ہوں، "طھرنی" مجھے پاک کردیجئے، میں نجس ہوں۔

حضرت امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ تم چار بار اقرار کرو۔ اسلامی دستور یہ نہیں ہے کہ قاضی خود جاکر چھان بین کرے یا مختلف حیلوں بہانوں سے اعتراف جرم کروائے بلکہ جب ایک شخص اعتراف کرتا ہے تو وہ کسی بہانے سے اس اعتراف کو رد کردیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: بہت خوب، اگر ایک شادی شدہ عورت زنا کرے تو اسے سنگسار کردینا چاہئے لیکن اگر ہم تمہیں سنگسار کردیں تو اس بچے کا کیا بنے گا جو تمہارے رحم میں ہے کیونکہ ہم اسے سنگسار نہیں کرسکتے۔ اب تم جاؤ اور وضع حمل کے بعد آنا۔ ہم اس بچے کی خاطر تمہیں سنگسار نہیں کرسکتے۔

وہ عورت چلی گئی اور چند ماہ بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ بچے کو گود میں اٹھائے ہوئے دوبارہ آئی اور کہنے لگی: یاامیرالمؤمنینؑ! مجھے پاک کردیجئے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ پر حد جاری کرنے میں اس بچے کی ولادت رکاوٹ ہے۔ اب بچہ پیدا ہوچکا ہے۔ یہ اس کا دوسرا اقرار تھا۔

حضرت امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: اگر ہم تمہیں سنگسار کردیں تو اس بچے کا کیا قصور ہے؟ اسے ماں کی ضرورت ہے، ماں کے دودھ کی ضرورت ہے، ماں کی توجہ کی ضرورت ہے، اس وقت تم چلی جاؤ، وہ پریشانی کے عالم میں واپس چلی گئی۔

ایک دو سال بعد وہ پھر آئی، بچہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے عرض کیا: یاامیرالمؤمنینؑ! "طھرنی" اب بچہ دودھ نہیں پیتا، اسے دودھ کی ضرورت نہیں رہی، یہ بڑا ہوگیا ہے، اب مجھے پاک کردیجئے۔

آپ نے فرمایا: نہیں، اس بچے کو ابھی ماں کی ضرورت ہے۔ واپس جاؤ۔

اس مرتبہ جب وہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر واپس جانے لگی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ کہہ رہی تھی: اے پروردگار! میں تیسری مرتبہ تیرے معین کردہ امام اور مسلمانوں

کے خلیفہ کے پاس آئی ہوں تاکہ وہ مجھے پاک کردے لیکن ہر مرتبہ انہوں نے مجھے کسی نہ کسی بہانے ٹال دیا ہے۔ اے خدا میں اس نجاست سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ میں آئی ہوں تاکہ وہ مجھے سنگسار کردے اور اس طرح سے میں پاک ہوجاؤں۔

اتفاقاً عمرو بن حریز نے جو ایک منافق شخص تھا، اس عورت کو دیکھا کہ وہ روتی ہوئی جارہی ہے۔ اس نے پوچھا: کیا بات ہے؟

عورت نے کہا: میں ایک الجھن میں گرفتار ہوں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ حضرت امیرالمومنینؑ اُس سے چوتھا اقرار نہیں لینا چاہتے۔

عمرو نے کہا: میں یہ مسئلہ حل کئے دیتا ہوں، بچہ مجھے دے دو، میں اس کی پرورش کروں گا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ عورت بچے اور عمرو بن حریز کے ساتھ واپس آئی اور کہنے لگی: یاامیرالمؤمنینؑ! "طہرنی" میں نے زنا کیا ہے، میرے بچے کا مسئلہ بھی حل ہوگیا ہے، اس شخص نے بچے کی کفالت قبول کی ہے، آپ مجھے پاک کردیں۔

یہ صورتحال دیکھ کر امیرالمؤمنینؑ کو رنج ہوا کہ معاملہ یہاں تک کیوں پہنچا۔

یہ ایمان اور مذہب کی قوت ہے جو انسان کے ضمیر کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور اسے عدالت اور اخلاق کے سامنے جھکا دیتی ہے۔ (گفتارہای معنوی ص ۷۶ تا ۷۹)

حقیقی توبہ

بنوقریظہ نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو غداری کی تھی اس بنا پر رسول اکرمؐ نے ان کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران بنوقریظہ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں، ہمارا ان کے ساتھ معاہدہ ہے اس لئے ہم ان کے ساتھ مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ابولبابہ جاؤ۔

Marfat.com

ابولبابہ چلے گئے اور بنو قریظہ نے ان کے ساتھ مشورہ کیا، لیکن یہودیوں کے ساتھ خصوصی تعلقات کی بنا پر انہوں نے مشورہ دیتے وقت اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کا کوئی خیال نہ رکھا۔ انہوں نے ایک ایسا جملہ کہا اور اشارہ دیا جو یہودیوں کے لئے فائدہ مند اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ تھا۔ جب وہ واپس آنے لگے تو انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ابھی کسی کو کچھ علم نہیں تھا لیکن ابولبابہ جوں جوں مدینے کی جانب بڑھ رہے تھے ان کے احساس کی آگ تیزتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ گھر واپس آئے لیکن اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے نہیں بلکہ ایک رسی اٹھائی اور مسجد نبوی جا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے آپ کو اس رسی کے ذریعے ایک ستون کے ساتھ مضبوطی سے باندھ لیا اور کہا: اے پروردگار! جب تک میری توبہ قبول نہیں ہوتی میں اپنے آپ کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا۔

فقط نماز اور قضائے حاجت کی خاطر ان کی بیٹی آ کر رسی کھول دیتی۔ وہ کھانا بھی تھوڑا سا کھاتے اور بڑی عاجزی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعائیں مانگتے اور کہتے: اے خدا! میں نے غلط کام کیا، اے خدا! میں نے گناہ کیا، اے خدا! میں نے اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچائی، اے خدا! میں نے تیرے پیغمبرؐ سے بے وفائی کی، اے خدا! جب تک میری توبہ قبول نہیں ہوتی میں اپنے آپ کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا، چاہے مجھے موت آ جائے۔

لوگوں نے رسول اکرمؐ سے ابولبابہ کی حالت بیان کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر وہ میرے پاس آتا تو میں اس کے لئے خداوند عالم کی بارگاہ سے مغفرت طلب کرتا لیکن وہ سیدھا خدا کی بارگاہ میں جا پہنچا ہے خداوند عالم خود اس کے مسئلے کو حل کرے گا۔

مجھے نہیں معلوم کہ دو روز یا اس سے کچھ زیادہ مدت گزری تھی اور رسول اکرمؐ ام سلمہؓ کے گھر پر تشریف فرما تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ام سلمہؓ! ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔

ام سلمہؓ نے کہا: یارسول اللہؐ! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں یہ خوشخبری ابولبابہ تک پہنچا دوں؟

Marfat.com

آنحضرتؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

رسول اکرمؐ کے گھروں کی کھڑکیاں مسجد میں کھلتی تھیں۔ یہ گھر مسجد کے اردگرد تعمیر کیے گئے تھے۔ ام سلمہؓ نے سر کھڑکی سے باہر نکالا اور کہا: اے ابولبابہ! میں تمہیں خوشخبری دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری توبہ قبول کرلی ہے۔

یہ خبر آناً فاناً پورے مدینہ میں پھیل گئی کہ خدائے تواب الرحیم نے ابولبابہ کی توبہ قبول کرلی ہے۔ مسلمان دوڑے تاکہ ان کی رسی کھول دیں لیکن ابولبابہ نے کہا: نہیں کوئی نہ کھولے، میں چاہتا ہوں کہ رسول اکرمؐ بنفس نفیس تشریف لاکر اپنے دست مبارک سے میری رسی کھولیں۔

لوگوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! ابولبابہ کی خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے آزاد کردیں۔ آنحضرتؐ تشریف لائے اور رسی کھول دی۔

اسے کہتے ہیں حقیقی توبہ۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے ابولبابہ! تمہاری توبہ قبول ہوگئی ہے، تم اس طرح پاک ہوگئے ہو کہ گویا "یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ" اور "یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ" کا مصداق بن گئے ہو۔ اس وقت تمہاری حالت اس بچے جیسی ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ تمہارے نامہ اعمال میں گناہ کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ جن لوگوں کو مدینہ منورہ جانے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ مسجد نبوی کے ایک ستون پر لکھا ہے: "استوانۃُ التّوبہ" یا "استوانۃُ اَبی لُبابۃ."

یہ وہی ستون ہے جو اس زمانے میں بلاشبہ لکڑی کا تھا لیکن ستونوں کا محل وقوع تبدیل نہیں ہوا۔ یہ وہی ستون ہے جس سے رسول اکرمؐ نے ابولبابہ کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا تھا۔

بعد میں ابولبابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! خدا نے میری توبہ قبول فرمائی اس نعمت کے شکرانے کے طور پر میں چاہتا ہوں کہ اپنی تمام دولت راہ خدا میں صدقہ کردوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ایسا مت کرو۔

ابولبابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! دو تہائی کی اجازت دیجئے۔

رسول اکرمؐ نے جواب میں فرمایا: نہیں۔

پھر ابولبابہ نے کہا: یارسول اللہؐ! آدھی دولت خدا کی راہ میں بطور صدقہ دینے کی

اجازت دیجئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، لیکن تم مسلمان ہو اور تمہارے تمام حسابات درست ہیں تو پھر تم اپنی تمام دولت صدقہ کے طور پر کیوں دینا چاہتے ہو؟ تمہارے بیوی بچے کیا کریں گے؟ اپنی دولت کا تیسرا حصہ خدا کی راہ میں دے دو اور باقی اپنے پاس رکھو۔

(گفتار ہای معنوی ص۱۵۶ تا ۱۵۸)

ایک تہائی کی وصیت

ایک صحابی کا انتقال ہوا تو رسول اکرمؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر دریافت فرمایا: اس کے کتنے بچے ہیں اور یہ ان کے لئے کیا ترکہ چھوڑ گیا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اس کے پاس کچھ مال تھا لیکن مرنے سے پہلے اس نے وہ مال راہ خدا میں دے دیا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر تم لوگوں نے یہ بات مجھے پہلے بتائی ہوتی تو میں اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھتا۔ کیا اس نے اپنے ضرورت مند بچوں کو معاشرے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے؟

کہا جاتا ہے کہ اگر آپ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میری دولت خدا کی راہ میں فلاں مقام پر خرچ کی جائے تو ایک تہائی کے لئے وصیت کیجئے۔ ایک تہائی سے زیادہ کے لئے آپ کی وصیت قابل عمل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک مریض مرض الموت میں مبتلا ہو اور اپنی موت سے قبل اپنی دولت کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ خدا کی راہ میں ہدیہ کردے تو چونکہ اس نے یہ کام مرض الموت میں کیا ہے اس لئے خواہ اس نے یہ دولت وصیت کے طور پر تقسیم نہ بھی کی ہو اور یہ کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو لیکن پھر بھی بعض علماء کا فتوٰی یہ ہے کہ اس حالت میں بھی اس کا یہ فعل جائز نہیں ہے کیونکہ فقط دولت کے ایک تہائی کے بارے میں وصیت کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ (بلاشبہ یہ فتوٰی بعض علماء کا ہے سب کا نہیں۔)

(گفتار ہای معنوی ص۱۵۹)

Marfat.com

مثالی پیشوا

حضرت امیرالمومنینؑ صفین کی جنگ کے لئے جاتے ہوئے یا اس جنگ سے لوٹتے ہوئے انبار پہنچے۔ انبار قدیم ایران کا شہر تھا جو آج کل عراق میں واقع ہے۔ ان دنوں وہاں پر ایرانی سکونت پذیر تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو علاقے کے معززین اور اعلیٰ حکام آپ کے استقبال کے لئے آئے۔ وہ اپنے تئیں حضرت امیرالمومنینؑ کو ساسانی بادشاہوں کا جانشین سمجھتے تھے۔ جب آپ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے آپ کی سواری کے آگے دوڑنا شروع کردیا۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے انہیں باآواز بلند خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟

انہوں نے جواب دیا: یہ ایک طرح کا احترام ہے جو ہم اپنے بزرگوں اور بادشاہوں کا کیا کرتے ہیں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: نہیں، ایسا مت کرو۔ یہ حرکت تمہیں پست اور ذلیل کردیتی ہے۔ تم اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہو۔ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ تمہارے ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ خدانخواستہ میرے دل میں غرور پیدا ہوجائے اور میں واقعی اپنے آپ کو تم سے برتر سمجھنے لگوں۔ (گفتارہای معنوی ص۲۰-۲۱)

جاہل انتہا پسند ہوتا ہے

حضرت امیرالمومنینؑ کے ایک صحابی کا نام ربیع بن حسین تھا۔ یہ وہی مشہور خواجہ ربیع ہے جس سے منسوب ایک قبر مشہد میں ہے۔ ناکافی معلومات کی بناپر میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ قبر واقعی اسی کی ہے یا نہیں تاہم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کا شمار زہاد ثمانیہ یعنی دنیائے اسلام کے آٹھ مشہور زاہدوں میں ہوتا ہے۔ ربیع بن حسین کے زہد اور عبادت کا یہ

Marfat.com

عالم تھا کہ اپنی عمر کے آخری حصہ[1] میں خود اس نے اپنی قبر کھودی تھی اور بعض اوقات جا کر اپنے لئے کھودی ہوئی قبر میں لیٹا کرتا تھا اور اپنے آپ کو پند و نصیحت کیا کرتا تھا کہ "تمہیں یہ بات نہ بھولے کہ بالآخر تمہیں یہیں آنا ہے۔" ذکر اور دعا کے علاوہ جو واحد جملہ اس سے سنا گیا وہ اس نے اس وقت ادا کیا جب اسے پتا چلا کہ لوگوں نے رسول اکرمؐ کے فرزند دلبند حسینؑ بن علیؑ کو شہید کر دیا ہے۔ اس حادثۂ فاجعہ پر افسوس کرتے ہوئے اس نے کہا: وائے ہے اس امت پر جس نے اپنے پیغمبرؐ کے فرزند کو شہید کر دیا۔

کہتے ہیں کہ بعد میں وہ استغفار کیا کرتا تھا کہ میں ذکر کے علاوہ یہ چند الفاظ اپنی زبان پر کیوں لایا۔

یہ شخص امیرالمؤمنینؑ کے زمانے میں ان کے لشکر کا ایک سپاہی تھا۔ ایک روز وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یاامیرالمؤمنینؑ! "اِنَّا شَکَکْنَا فِی هٰذَا الْقِتَالِ" لفظ "اِنَّا" کے استعمال سے پتا چلتا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہم اس جنگ کے بارے میں شک اور تردد میں مبتلا ہیں اور ہمیں خوف ہے کہ یہ شرعی جنگ نہیں ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ "کیوں؟" تو اس نے جواب دیا: کیونکہ ہم اہل قبلہ سے لڑ رہے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں سے لڑ رہے ہیں جو ہماری طرح شہادتین اور نماز پڑھتے ہیں اور روبقبلہ کھڑے ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ شیعیان علیؑ میں سے تھا اس لئے ان سے کنارہ کش بھی نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا اس نے کہا: یا امیرالمؤمنینؑ! میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسا کام سونپیں جس میں شک کا وجود نہ ہو۔ مجھے ایسی جگہ اور ایسے کام کے لئے بھیجئے جس میں شک نہ ہو۔

امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: بہت خوب، اگر تم شک کرتے ہو تو تمہیں دوسری جگہ بھیجے دیتا ہوں۔ یہ نہیں معلوم کہ اس نے خود تقاضا کیا یا ابتداءً آپ نے ہی اسے ایک سرحد پر بھیج دیا۔

۱۔ یہ شخص امیرالمؤمنینؑ کی شہادت سے امام حسینؑ کی شہادت تک جن میں بیس سال کا فاصلہ ہے، زندہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ان بیس سالوں میں وہ فقط عبادت کرتا رہا اور اس نے دنیاوی چیزوں کے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔

وہاں بھی اسے سپاہی کا ہی کام کرنا تھا لیکن وہ اسلامی مملکت کی سرحد تھی جہاں اگر کبھی جنگ چھڑ جاتی تو اس کے مدمخالف کفار یا بت پرست یعنی غیر مسلم ہوتے۔

یہ شخص اس زمانے کے عابدوں اور زاہدوں کا ایک نمونہ تھا۔ اس زاہد اور عبادت کی کیا قیمت ہے؟ اس چیز کی کوئی قیمت نہیں کہ ایک شخص حضرت امیرالمومنینؑ کے ہمراہ ہو لیکن جس راستے پر وہ چلانا چاہتے ہوں اور جس مقام پر وہ جہاد کا حکم دیں وہ اس میں شک کرے کہ یہ چیز درست ہے یا نہیں اور احتیاط پر عمل کرے اور اپنے افعال کی بنیاد احتیاط پر رکھے۔

جیسا کہ لوگ کہتے ہیں: ہم مشکوک روزہ کیوں رکھیں؟ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایسی باتیں اکثر کہتے ہیں کہ ہم ایسے موقع پر کیوں جنگ کریں جس میں ہمیں شک ہو؟ ہم تو ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں جہاں روزہ رکھیں تو وہ مشکوک نہ ہو۔ ایسی سوچ کیا قیمت رکھتی ہے؟ اسلام بصیرت چاہتا ہے۔ وہ عمل بھی چاہتا ہے اور بصیرت بھی چاہتا ہے۔

یہ شخص (خواجہ ربیع) بصیرت نہیں رکھتا تھا۔ وہ یزید اور اس کے باپ جیسے ستم شعار کے دور میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ امیر شام کے زمانے میں جس نے دین خدا کو برباد کیا اور اس یزید کے زمانے میں جو تاریخ اسلام کے بڑے بڑے جرائم کا مرتکب ہوا اور اس نے حضرت رسول اکرمؐ نے تبلیغ رسالت میں جو تکالیف اٹھائیں تھیں انہیں ضائع کرنے کی کوشش کی، اس زمانے میں اس شخص نے ایک گوشہ تنہائی کا انتخاب کیا جہاں وہ دن رات عبادت میں مشغول رہتا اور ذکر خدا کے سوا کوئی لفظ اس کی زبان پر نہ آتا۔ اس نے جو ایک جملہ امام حسینؑ کی شہادت پر اظہار افسوس کے لئے کہا اس پر بھی وہ بعد میں پشیمان ہوا کہ میں نے ایک دنیاوی بات کہہ دی۔ اس کی بجائے "سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ" کیوں نہ کہا۔ "یَاحَيُّ یَاقَیُّوْمُ" کیوں نہ کہا، "اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کیوں نہ کہا، "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ" کیوں نہ کہا؟

یہ چیز اسلامی تعلیمات سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اَلْجَاهِلُ اِمَّا مُفْرِطٌ اَوْ مُفَرِّطٌ. جاہل ہمیشہ انتہا پسند ہوتا ہے۔ وہ یا افراط کا راستہ اختیار کرتا ہے یا تفریط کا۔

(گفتار ہای معنوی ص ۵۱ تا ۵۳)

Marfat.com

ایک حقیقی مسلمان

میں نے بارہا حدیث اَعِدُوْا اِلٰی عِزِّکُمْ کو مختلف کتابوں میں پڑھا ہے لیکن اس وقت یاد نہیں آرہا کہ کہاں کہاں پڑھا ہے۔ سب سے پہلے میں نے یہ حدیث مرحوم آیت اللہ العظمٰی بروجردیؒ سے سنی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص جسے مانگنے کی عادت تھی ان کے پیچھے پڑ گیا۔ وہ ان سے کچھ لینا چاہتا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھا تو انہیں محسوس ہوا کہ وہ شخص کام کاج کرنے کے قابل ہے لیکن بھیک مانگنا اس کی عادت بن گئی ہے۔

انہوں نے اسے نصیحت کی اور اس ضمن میں حضرت امیر المومنینؑ کا یہی جملہ اَعِدُوْا اِلٰی عِزِّکُمْ دہرایا اور فرمایا: امیر المومنینؑ لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ صبح صبح حصول عزت کے لئے نکلا کرو۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے کام کاج اور روزی روٹی کی فکر کرو اور اس کی خاطر گھر سے نکلو۔

جب انسان کماتا ہو اور اپنے اخراجات خود پورے کرتا ہو تو وہ عزت دار ہے۔ کام کاج میں ہی عزت و شرافت ہے۔ اسے کہتے ہیں ایک حقیقی مسلمان کا نمونہ۔

(گفتار ہای معنوی ص ۵۹)

ترک عادت

انسان میں جسمانی اور روحانی دونوں لحاظ سے کئی عادتیں جنم لیتی ہیں جن کی بنیادیں معاشرتی رسوم و رواج فراہم کرتی ہیں۔ جسمانی عادت کی ایک مثال تو سگریٹ نوشی ہے۔ سگریٹ نوشی انسانی صحت کے لئے مضر ہے لیکن اپنے آپ کو سگریٹ کی غلامی قبول کرنے والے اکثر لوگ ڈاکٹر کے منع کرنے پر جواب میں کہتے ہیں کہ مجھے اس کی عادت ہوگئی ہے اور میں

Marfat.com

اس کو ترک نہیں کرسکتا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ عادت کا ترک کرنا بیماری کا سبب بنتا ہے حالانکہ یہ بیکار بات ہے۔ "اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السَّيِّئَاتِ" "مرد" وہ ہے جو اپنی عادت کو ترک کر کے ہجرت کر سکے۔ جو شخص سگریٹ نوشی ترک نہیں کرسکتا تو وہ "انسان" نہیں ہے۔

مرحوم آیت اللہ حجت اعلیٰ اللہ مقامہ بلا کے سگریٹ نوش تھے اور میں نے آج تک ان جیسا سگریٹ نوش نہیں دیکھا۔ ان کے ایک سگریٹ کے بعد دوسرا سگریٹ سلگانے میں کبھی وقفہ نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی ہوتا بھی تھا تو زیادہ دیر تک نہیں ہوتا تھا۔ وہ جب تک جاگتے رہتے تھے ان کا بیشتر وقت سگریٹ پینے میں گزرتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ بیمار پڑ گئے اور علاج کے لئے تہران آئے۔ تہران میں ڈاکٹروں نے ان سے کہا کہ چونکہ آپ کو پھیپھڑوں کا مرض بھی ہے اس لئے آپ کو سگریٹ چھوڑ دینا چاہئے۔ انہوں نے شروع مین مذاقاً فرمایا کہ مجھے یہ سینہ سگریٹ پینے کے لئے چاہئے اور اگر سگریٹ نہ ہوں گے تو میں اس سینے کو کیا کروں گا۔

ڈاکٹروں نے کہا: بہرحال یہ آپ کے لئے مضر اور خطرناک ہے۔

انہوں نے پوچھا: کیا یہ واقعی نقصان دہ ہے؟

ڈاکٹروں نے جواب دیا: بلاشبہ۔

اس پر انہوں نے کہا: اب میں ایک سگریٹ بھی نہیں پیوں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے معاملہ ختم کردیا۔ فقط ایک جملے نے اس شخص کو ایک عادی سے مہاجر بنادیا یعنی اس کی عادت ترک کرادی۔ (گفتارہای معنوی ص ۲۵۵-۲۵۶)

طریق توبہ

میرے والد مرحوم بتاتے تھے کہ حاج میرزا حبیب رضوی خراسانی جن کے اشعار آپ اکثر سنتے رہتے ہیں ایک بڑے مجتہد، عارف، فلسفی اور دانشور تھے۔ وہ بہت فربہ اور عظیم الجثہ

Marfat.com

شخص تھے۔ عمر کے آخری حصے میں ان کی ملاقات ایک حقیقی عارف سے ہوئی۔ میرزا حبیب اپنے تمام تر علمی مقامات و کمالات اور خراسان کے صفِ اول کے مجتہد ہونے کے باوجود اس عارف کے پاس گئے اور اس کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔

میرے والد بتاتے تھے کہ ایک لمبی مدت کے بعد میں نے اس تن و توش کے مالک میرزا حبیب کو دیکھا کہ وہ کافی دبلے ہوگئے ہیں (لوگ یورپ جاتے ہیں اور سلم ہونے کے لئے ڈائٹ غذائیں کھاتے ہیں) اور ان کا تن و توش گھٹ گیا تھا اور گوشت بھی پگھل گیا تھا۔

اس طرح مرزا حبیب، حضرت امیرالمومنینؑ کے اس قول کے عملی مصداق بن گئے تھے کہ اس گوشت کو (بلاشبہ میں ان کی شان میں گستاخی نہیں کرسکتا اور یہ نہیں کہتا کہ جو حرام طریقے سے بڑھ گیا ہو) جو غفلت کے سبب بڑھ گیا ہو پگھلا دو۔ (گفتارہای معنوی ص ۱۵۰)

کربلا کے کمسن شہید

محرم کی گیارہ تاریخ اہلبیت رسولؐ پر گزرنے والے سخت ترین ایام میں سے ایک ہے۔ اگر ہم دونوں پہلوؤں سے کربلا کا جائزہ لیں یعنی اس کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں پر نگاہ کریں تو کربلا ہمیں انسانی خلقت کے بارے میں فرشتوں کے نظریے اور خداوند عالم کے جواب کی عملی تفسیر نظر آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ''اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءُ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ○'' (سورۂ بقرہ: آیت ۲۹)

انسانی سرشت میں جتنے بھی عیوب و نقائص فرشتوں نے بیان کئے وہ تمام کربلا میں ظاہر ہوگئے اور جو کچھ خدائے علیم نے ان سے کہا تھا کہ تم نے صورتحال کا صرف ایک پہلو دیکھا ہے لیکن دوسرے پہلو یعنی انسانی فضیلت کا مشاہدہ نہیں کیا اس کا بھی عملی اظہار ہوگیا۔ دوسرے

Marfat.com

لفظوں میں تمام انسانی کمالات واقعہ کربلا میں ظاہر ہو گئے۔ یہ آزمائش کی بہت کڑی منزل تھی۔

ظالموں نے ایسے ایسے ظلم ڈھائے جو بنی نوع انسان کی تاریخ میں شاذ بلکہ بینظیر ہیں۔ ان مظالم میں سے ایک ظلم یہ ہے کہ انہوں نے ماں کے سامنے اس کے جوان بیٹے کا سر تن سے جدا کر دیا یا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

واقعہ کربلا میں ظالموں نے آٹھ افراد کو جن میں تین جوان اور پانچ بچے شامل تھے اس انداز میں قتل کیا کہ ان کے سر ان کی ماؤں کے سامنے تن سے جدا کر دیئے یا انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ جن افراد کی مائیں کربلا میں موجود تھیں ان میں سے ایک جناب عبداللہ بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ ہیں جو ہمارے درمیان علی اصغرؑ کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ امام حسین علیہ السلام کے شیر خوار فرزند تھے۔ جیسا کہ مقاتل کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے اس بچے کی شہادت خیمے کے سامنے واقع ہوئی۔ امام علیہ السلام نے بچے کو چومنے اور اسے خدا حافظ کہنے کے لئے گود میں اٹھا رکھا تھا۔ "یَا اُخْتَاهُ اتینی بِوَلَدیَ الرَّضِیعِ حَتّٰی اُوَدِعَهُ."

لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ اپنے ننھے بچے کے بوسے لے رہے تھے، اس کی ماں بھی در خیمہ کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ابن سعد کے اشارے پر سنسناتا ہوا ایک تیر آیا جس نے اس معصوم کا حلقوم چیر دیا۔

ایسے ہی ایک اور کمسن شہید امام حسنؑ کے نور نظر جناب قاسمؑ ہیں۔ ان کی والدہ نے بھی کربلا میں ان کی شہادت کا دردناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تاہم حضرت علی اکبرؑ کی والدہ کربلا میں موجود نہیں تھیں اگرچہ مشہور یہی ہے کہ جناب لیلٰی کربلا میں موجود تھیں لیکن درحقیقت وہ کربلا میں موجود نہیں تھیں۔

ایک اور جوان جو کربلا میں شہید ہوا اور اس کی والدہ بھی وہاں موجود تھیں، عون بن عبداللہ بن جعفرؑ ہیں جو جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے۔ یعنی جناب زینبؑ بھی اپنے فرزند عالی قدر کی شہادت کی عینی شاہد ہیں۔

جناب زینبؑ کے شوہر عبداللہ بن جعفرؑ کے دو بیٹے کربلا میں موجود تھے۔ ان میں

Marfat.com

سے عونؑ جناب زینبؑ سے اور دوسرے کسی اور خاتون کے بطن سے تھے۔ وہ دونوں بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

ایک کمال کی بات جس سے اس عالی مرتبہ خاتون کی اعلیٰ ظرفی کا پتا چلتا ہے یہ ہے کہ کسی مقتل میں یہ نہیں لکھا کہ زینبؑ نے اپنے بیٹے کی شہادت سے پہلے یا شہادت کے بعد کبھی اس کا نام لیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی اس کا نام لینا چاہتیں تو سوچتیں کہ یہ ایک قسم کی بے ادبی ہے یعنی اے اباعبداللہؑ کیا میرا فرزند اس قابل نہیں کہ آپ پر فدا ہو۔ علی اکبرؑ کی شہادت کے وقت جناب زینبؑ دوڑتی ہوئی خیمے سے باہر آئیں اور فریاد کی: "اَخیا وَ ابنَ اَخیا" اور ان کی فریاد فضا میں گونج اٹھی لیکن کسی نے نہیں لکھا کہ اپنے بیٹے کی شہادت کے وقت انہوں نے کسی ایسے ردعمل کا اظہار کیا ہو۔

ایک اور جوان جو کربلا میں شہید ہوا وہ جناب مسلم بن عقیل کا بیٹا تھا۔ اس کی والدہ رقیہ بنت علی بن ابی طالبؑ تھیں۔ اس جوان نے بھی اپنی ماں کی آنکھوں کے سامنے شہادت پائی۔

اہلبیتؑ کے جوانوں میں سے ایک نے (جس کا نام مجھے یاد نہیں ہے) حضرت امام حسینؑ کے بعد شہادت پائی۔ یہ لڑکا جس کی عمر دس سال تھی خیمے میں تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ صورت حال خراب ہوگئی ہے تو وہ خیمے سے باہر بھاگا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس موقع پر وہ حیران و پریشان تھا اور تعجب سے دیکھتا تھا کہ کیا ہوگیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس لڑکے کے دونوں کانوں میں گوشوارے تھے۔ اس کی ماں سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی کہ ایک آدمی آیا اور اس نے لڑکے کا سر تن سے جدا کردیا۔

ایک اور واقعہ بڑا عجیب اور دردناک ہے۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ امام حسینؑ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی بھی خیمے سے باہر نہ نکلے اور اس حکم کی تعمیل ہو رہی تھی۔ امام حسن مجتبیٰؑ کا دس سالہ بیٹا جس کا نام عبداللہ تھا (جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو شفقت پدری سے محروم تھا کیونکہ یہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھا یا دودھ پیتا بچہ تھا کہ اس کے والد بزرگوار شہید ہوگئے تھے۔ بہرحال اس نے اپنے والد بزرگوار کو نہیں دیکھا تھا) وہ امام حسینؑ کے سایہ عاطفت میں پل کر بڑا ہوا۔

اس لئے امامؑ اس کے چچا بھی تھے اور باپ بھی، اور اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ امام حسینؑ کی زندگی کے آخری لحات میں جب آپ اپنی قتل گاہ کے مقام پر گرے ہوئے تھے اور حرکت نہیں کر سکتے تھے یہ لڑکا اچانک خیمے سے باہر نکل آیا۔ جناب زینبؑ اسے پکڑنے کے لئے دوڑیں لیکن چونکہ وہ طاقتور تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو پھوپھی سے چھڑا لیا اور کہنے لگا: "وَاللّٰہِ لاَ اُفَارِقُ عَمِّی." یعنی خدا کی قسم میں اپنے چچا سے جدا نہیں ہوں گا۔ وہ بھاگا اور اس نے اپنے آپ کو امام حسینؑ کی آغوش میں گرا دیا۔

سبحان اللہ! امامؑ کتنے صابر اور کتنے مظبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے اس لڑکے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اسی اثناء میں ایک آدمی آیا تاکہ امام حسینؑ پر تلوار سے حملہ کرے۔ اس موقع پر لڑکے نے اس آدمی سے کہا: تم میرے چچا پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟

جب اس آدمی نے وار کیا تو بچے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس کی "یاعمّاہ" کی فریاد بلند ہوئی۔

امام حسینؑ نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور فرمایا: بھتیجے صبر کرو۔ عنقریب تم اپنے والد کے نانا سے جاملو گے۔ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ۔ (گفتارہای معنوی ص ۲۶۳ تا ۲۶۶)

توابین کربلا

سیدالشہداء حضرت امام حسینؑ کے ایک صحابی زہیرؓ بن قین بھی توابین میں سے تھے لیکن ایک مختلف شکل میں۔ وہ عثمانی یعنی حضرت عثمان بن عفان کے چاہنے والے تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عثمان مظلوم مارے گئے اور یہ گمان کرتے تھے کہ العیاذ باللہ اس فتنے میں امیرالمؤمنینؑ کا ہاتھ تھا۔ ان کی رائے حضرت علیؑ کے بارے میں اچھی نہ تھی۔

Marfat.com

زہیرؓ بھی مکہ سے عراق لوٹ رہے تھے۔ چونکہ امام حسینؑ بھی مکہ سے کوفہ تشریف لے جا رہے تھے اس لئے زہیرؓ تذبذب مین تھے کہ ان سے ملاقات کریں یا نہ کریں؟ چونکہ وہ قلبی طور پر مؤمن تھے اور جانتے تھے کہ امام حسینؑ پیغمبر اسلامؐ کے نورنظر ہیں اور اس امت پر کتنا حق رکھتے ہیں اس لئے وہ گھبراتے تھے کہ اگر ان کی امامؑ سے ملاقات ہوئی اور امامؑ نے ان سے کوئی تقاضا کیا اور وہ اسے پورا نہ کرسکے تو یہ بری بات ہوگی۔ اثنائے راہ میں ایک منزل پر وہ مجبوراً امام حسینؑ کے ساتھ پانی کے ایک ذخیرے یا کنویں پر پہنچے۔ امام حسینؑ نے ایک شخص کے ذریعے زہیرؓ کو بلوا بھیجا۔ جب امام کا ایلچی زہیرؓ کے پاس پہنچا تو اس وقت اتفاق سے وہ اپنے دوستوں اور قبیلے والوں کے ساتھ خیمے میں کھانا کھا رہے تھے (وہ خود سردار قبیلہ تھے)۔ امام حسینؑ کے ایلچی نے آکر کہا: "یَازُهَیر اَجِب، اَجِبَ الحُسَیْن" یا "اَجِبْ اَبَا عَبدِاللّٰهِ الحُسَیْن." یہ سن کر زہیرؓ کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور انہوں نے کہا: وہی بات ہوئی جو میں نہیں چاہتا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ زہیرؓ کا ہاتھ دسترخوان پر وہیں کا وہیں رک گیا۔ سبھی پریشان ہوگئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر اور ان کے ساتھیوں پر سکتہ طاری ہوگیا ہو۔ زہیرؓ نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ آتا ہوں اور نہ ہی یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نہیں آتا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ زہیرؓ کی بیوی ایک پاک طینت اور مؤمن عورت تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ زہیرؓ نے امام عالی مقامؑ کے نمائندے کے جواب میں خاموشی اختیار کرلی ہے تو وہ آگے آئی اور زہیرؓ کو سخت ملامت کرتے ہوئے باآواز بلند کہا: زہیرؓ! تمہیں شرم نہیں آتی؟ فرزند رسولؐ اور زہراؑ کے لال نے تمہیں بلا بھیجا ہے۔ تمہیں ان کے پاس جانے میں فخر محسوس کرنا چاہئے۔ کیا تم تذبذب میں مبتلا ہو، اٹھو۔ زہیرؓ اٹھے اور بادل نخواستہ امام عالی مقامؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوگئے۔

مجھے علم نہیں یعنی تاریخ اس بارے میں خاموش ہے اور شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ جب امام حسینؑ نے زہیرؓ سے ملاقات کی تو ان کے مابین کیا گفتگو ہوئی لیکن یہ بات ایک

Marfat.com

مسلمہ حقیقت ہے کہ ملاقات سے واپسی پر زہیرؓ کے چہرے کے تاثرات ان تاثرات سے مختلف تھے جو ملاقات کے لئے جاتے وقت ان کے چہرے پر دیکھے گئے۔ جاتے وقت ان کا چہرہ اداس اور افسردہ تھا لیکن جب وہ امامؑ کے خیمے سے باہر آئے تو ان کا چہرہ کھلا ہوا اور خوش وخرم تھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ امام حسینؑ نے زہیرؓ کے وجود میں کیا انقلاب برپا کیا اور انہیں کیا بات یاد دلائی لیکن اتنا جانتا ہوں کہ زہیرؓ منقلب ہوگئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو آرام سے نہیں بیٹھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کا مال و دولت کس طرح خرچ کیا جائے اور ان کے بچوں کا کیا انتظام کیا جائے۔ اپنی بیوی کے متعلق انہوں نے وصیت کی کہ اسے اس کے باپ کے گھر پہنچا دیا جائے۔ وصیت ختم ہوگئی تو انہوں نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اور کہا کہ میں جا رہا ہوں۔ سبھی سمجھ گئے کہ اب زہیرؓ کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے۔ جب وہ جانے لگے تو کہتے ہیں کہ ان کی بیوی آئی اور ان کا دامن تھام کر کہنے لگی: زہیرؓ! تم جا رہے ہو، تم ایک بلند مقام پر جا پہنچے ہو، امام حسینؑ تمہاری شفاعت کریں گے، میں آج تمہارا دامن تھام رہی ہوں تاکہ قیامت کے روز امام حسینؑ کے نانا اور ان کی والدہ میری شفاعت کریں۔

پھر زہیرؓ نے کربلا کے صف اول کے اصحاب میں جگہ پائی۔ عجیب صورت حال تھی۔ زہیرؓ کی بیوی کو فکر لاحق تھی کہ دیکھئے اس کشمکش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے خبر ملی کہ امام حسینؑ اور ان کے سب اصحاب شہید ہوگئے اور زہیرؓ بھی شہید ہوگئے۔ اس نے سوچا کہ باقی سب کو تو کفن ملا ہوگا لیکن زہیرؓ کو تو کوئی کفن دینے والا نہیں اور کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس نے ایک غلام کو کفن دے کر بھیجا اور اس سے کہا کہ جاؤ اور یہ کفن زہیرؓ کو پہنا دینا۔

غلام آیا اور اس نے ایک ایسی صورت حال دیکھی کہ اسے زہیر کو کفن پہناتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کیونکہ اس نے دیکھا کہ زہیرؓ کے آقا بھی بے گور وکفن پڑے ہیں۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ.

(گفتارہای معنوی ص ۱۶۰ تا ۱۶۲)

Marfat.com

ایک مرجع تقلید کا مقام

گزشتہ زمانے میں علماء کسی خطیب، مبلغ، واعظ اور اسلام کو متعارف کروانے والے شخص کو ایک مرجع تقلید کے ہم پلہ سمجھتے تھے یعنی جس طرح آج کل اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں نے رسالہ عملیہ لکھا ہے اور میں مرجع تقلید ہوں تو یہ ایک امر محال ہے کہ آپ اس کا دعویٰ فوراً قبول کرلیں۔ آپ پوچھیں گے کہ جناب آپ نے کہاں اور کس مجتہد کے پاس درس پڑھا ہے؟ خاص طور پر جس شخص کی عمر ابھی چالیس سال سے زیادہ نہ ہو اور وہ اس عمر میں دعویٰ کرے کہ میں مرجع تقلید ہوں تو کہا جائے گا کہ نہیں جناب درس پڑھنا بہت ضروری ہے۔ گزشتہ زمانے میں ایک مبلغ کے بارے میں بھی ایسے ہی چھان بین ہوتی تھی۔ کسی شخص کے اس مرتبے تک پہنچنے کے لئے کہ اسے مجتہد، فقیہ، مفتی یا شرعی احکام اخذ کرنے کے قابل سمجھا جائے پچاس سال درس پڑھنا ضروری ہوتا تھا۔

مثلاً اگر مرحوم آیت اللہ بروجردیؒ کے بارے میں کہا جائے تو جیسا آپ حضرات اجمالی طور پر جانتے ہیں کہ ان بزرگوار نے کتنے سال محنت کی ہے۔ وہ تقریباً تیس سال اصفہان میں رہے اور وہاں جلیل القدر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا اور فقہ، اصول، فلسفہ اور منطق کا درس پڑھنے کے بعد اسی شہر میں وہ ایک استاد، محقق اور مجتہد کے درجے پر پہنچے اور درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ پھر وہ نجف تشریف لے گئے اور مرحوم آیت اللہ آخوند خراسانیؒ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور کئی سال تک ان کے بہترین شاگردوں کی صف میں شمار ہوتے تھے۔

مرحوم آقا سید محمد باقر قزوینیؒ علمائے قم میں سے تھے۔ وہ سن رسیدہ شخص تھے اور میرے قم المقدسہ میں قیام کے ابتدائی سالوں میں یعنی تقریباً تیس سال پیشتر فوت ہوئے۔ وہ نقل کرتے تھے کہ ہم مرحوم آخوند خراسانیؒ کے حلقہ درس میں تھے۔ (آخوند خراسانیؒ ان اساتذہ میں سے تھے جن کی نظیر عالم اسلام میں بہت کم ملتی ہے۔ یعنی اول تو وہ علم اصول میں غیر معمولی تبحر رکھتے تھے اور اس علم کے اساتذہ میں سے تھے۔ دوسرے یہ کہ فن تدریس میں اپنی مثال

آپ تھے۔ بیان، تحقیق اور تقریر میں ان کا جواب نہ تھا۔ ان کے حلقہ درس میں بارہ سو افراد شریک ہوتے تھے جن میں سے شاید پانچ سو کے قریب مجتہد ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی آواز اتنی بلند آہنگ تھی کہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر مسجد کی فضا میں گونجتی تھی۔ اگر کسی شاگرد کو کوئی اعتراض ہوتا تھا اور وہ کچھ کہنا چاہتا تھا تو کھڑا ہوجاتا تھا تاکہ اپنی بات استاد تک پہنچا سکے)۔

ایک مرتبہ مرحوم آیت اللہ بروجردیؒ کو جو اس وقت جوان تھے، استاد کی کسی بات سے اختلاف ہوا۔ انہوں نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا (وہ بھی بہت اچھا بولنے والے تھے۔ میں نے انہیں ان کے بڑھاپے کے زمانے میں دیکھا ہے۔ بلاشبہ اس وقت ان کی زبان میں تھوڑی بہت لرزش تھی لیکن کہتے ہیں کہ جوانی میں ان کی تقریر حیرت انگیز ہوتی تھی) مرحوم نے کہا: ایک مرتبہ پھر کہو۔ انہوں نے اپنی بات دہرائی۔

آخوندؒ سمجھ گئے کہ وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور ان کا اعتراض بجا ہے۔ انہوں نے کہا: الحمدللہ! اپنی موت سے قبل ہی میں نے اپنے شاگرد سے استفادہ کیا ہے۔

پھر نجف میں چند سال رہنے کے بعد آقائے بروجردیؒ ایران واپس آگئے لیکن کیا وہ نجف سے واپسی پر مرجع تقلید بن گئے؟ نہیں۔ بلکہ انہیں تیس سال اور مسلسل کام کرنا پڑا۔

بائیسویں سال (۱۳۲۲ ہجری شمسی) میں مجھے موقع ملا کہ بروجرد جاکر ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ (وہ تیئیسویں سال کی گرمیوں میں قم آئے اور بائیسویں سال میں ابھی بروجرد میں ہی تھے)۔ شعبان کا مہینہ تھا۔ جب شعبان کی پندرہ تاریخ آئی تو انہوں نے دستور کے مطابق اپنے درس (''مکاسب'' کا درس خارج تھا) کو بند کردیا اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ ان پندرہ دنوں میں ایک مسئلے پر مختصری بحث کروں اور مجھے یاد ہے کہ انہوں نے مسیحیت پر بحث شروع کی اور فرمانے لگے کہ چالیس پینتالیس سال قبل جب میں اصفہان میں تھا تو میں نے ایک مرتبہ اس مسئلے کا مطالعہ کیا تھا اور اس کے متعلق تحقیق کی تھی اور اس کے بارے میں لکھا تھا (تحریر میرے پاس موجود ہے)۔ اس کے بعد میں نے اس مسئلے کی جانب توجہ نہیں دی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ چالیس سال سے زیادہ عرصے کے بعد اس مسئلے کا دوبارہ مطالعہ کروں۔ بعد

Marfat.com

میں خود فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی تحریر کی جانب رجوع نہ کروں بلکہ نئے سرے سے اس مسئلے کا مطالعہ کروں اور پھر اس تحریر کی جانب رجوع کروں اور دیکھوں کہ کیا اس وقت کے انداز فکر میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں۔

پندرہ روز تک بحث کرنے کے بعد وہ اپنی تحریر لائے۔ جب انہوں نے اسے پڑھا تو دیکھا کہ وہ تمام مطالب جواب ان کے ذہن میں وارد ہوئے ہیں وہی مطالب چالیس پینتالیس سال پہلے بھی ان کے ذہن میں وارد ہوئے تھے۔ بس فرق صرف یہ تھا کہ اب ان کا ذہن زیادہ پختہ اور زیادہ تجربہ کار ہوگیا تھا۔ اس وقت اس کا انحصار اصولوں اور قواعد پر تھا لیکن اب وہ تعلیمات اسلام سے بہتر واقفیت رکھتا تھا۔ چنانچہ فرمانے لگے کہ تحقیق کے نقطہ نگاہ سے تو کوئی فرق نہیں پڑا البتہ ہمارا ذہن ایک فقیہ کے انداز میں سوچنے لگا ہے۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک مرجع تقلید کا یہ مقام ہوتا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے لیکن مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ہمارا معاشرہ اس بات کو بھول نہ جائے۔ لوگ ایسے اشخاص کو قبول کر لیتے ہیں جو صلاحیت نہیں رکھتے لیکن الحمدللہ یہ مقام مرجعیت محفوظ ہے اور اسے محفوظ ہی رہنا چاہئے۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۲۹۷ تا ۳۰۰)

اپنی شخصیت کھو دینا

ایک دو سال پہلے میں ایک ایرانی ترقی پسند ادیب کی کتاب پڑھ رہا تھا۔ وہ کتاب کوئی بری کتاب بھی نہیں تھی۔ اس میں لکھا تھا:

''میں جس زمانے میں لندن میں تھا تو ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ ماسکو میں انگلستان کے ایک سابق سفیر کی لڑکی ایک سیاہ فام پر عاشق ہوگئی اور اس سے شادی کرلی۔

اس بناپر انگلستان میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا کہ انگلستان کے ایک سفید فام معزز

بیوروکریٹ کی سفید فام لڑکی نے ایک سیاہ فام سے شادی کرلی ہے۔ ایک لمبے عرصے تک یہ موضوع زیر بحث رہا۔

ایک روزنامے نے لکھا کہ اس موضوع پر اس قدر شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا مساوات کی جانب بڑھ رہی ہے اور موجودہ دور مختلف نسلوں میں برابری کا قائل ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے جو دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے آج سے چودہ سو سال پہلے سفید اور سیاہ کا فرق مٹا دیا تھا۔"

اس کتاب میں لکھا تھا کہ ایک محفل میں جس میں کئی ایک انگریز اور چند ایرانی جوان موجود تھے اس بارے میں گفتگو ہونے لگی کہ فلاں روزنامے نے ایسا لکھا ہے اور اسلام کا حوالہ دے کر کہا ہے کہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے سیاہ فاموں کی حمایت کی اور انہیں سفید فام لوگوں کے برابر قرار دیا۔ ایک انگریز کہنے لگا کہ ایک پست دین ہی پست لوگوں کی حمایت کرسکتا ہے۔ اس کے بعد مصنف لکھتا ہے کہ دو ایرانی جوان جو اس محفل میں موجود تھے بہت مایوس ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم ایسے دین کی پیروی کیوں کریں جو ہماری ذلت کا موجب ہو۔ انہوں نے بعد میں بھی اس محفل کی سرگزشت بیان کی اور کہا کہ ہم ایک محفل میں شریک تھے وہاں یہ باتیں ہوئیں اور کہا گیا کہ ایک پست دین ہی ایک پست نسل کی حمایت کرسکتا ہے۔ ان دو جوانوں نے کہا کہ واقعی یہ کیسے ممکن ہوا کہ اسلام گورے اور کالے کے مابین فرق نہ سمجھ سکا۔

اسے کہتے ہیں اپنا تشخص کھو بیٹھنا۔ چونکہ وہ ایسے ماحول میں زندگی بسر کررہے تھے جو اسی انداز میں سوچتا ہے۔ لہذا بجائے اس کے کہ وہ تھوڑی بہت ذہنی آزادی سے کام لیتے اور کہنے والے کو منہ توڑ جواب دیتے اور کہتے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بیکار اور بے سروپا بات ہے۔ رنگوں میں فرق انسانوں کے مابین فضیلت کا باعث کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ پریشان اور حواس باختہ ہوگئے کیونکہ ان کی سوچ کے مطابق جب ایک فرنگی اس انداز میں سوچتا ہے تو لازمی طور پر ٹھیک ہی سوچتا ہوگا۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص۱۴۳ تا ۱۴۵)

Marfat.com

دل سے سوال

جب آیۂ شریفہ "تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ٥" نازل ہوئی تو آپ کے صحابی وابصہ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہؐ! میرا ایک سوال ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اس سے پہلے کہ تم اپنا سوال بیان کرو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ سوال کیا ہے۔

وابصہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ فرمائیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: تم میرے پاس اس مقصد سے آئے ہو کہ میں تمہارے لئے "بر"، "تقویٰ"، "اثم" اور "عدوان" کی تشریح کروں۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ نے درست فرمایا۔

آنحضرتؐ نے اپنی مبارک انگلیاں اس کے سینے پر رکھیں اور فرمایا: "یَا وَابِصَہ! اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ" یعنی اے وابصہ یہ سوال اپنے دل سے کرو۔ خدائے متعال نے یہ شناخت ہر شخص کے قلب میں اتار دی ہے۔ یہ حدیث مولانا رومؒ نے بھی یوں نقل کی ہے:

پس پیمبر گفت "اَسْتَفْتِ الْقُلُوْب" گرچہ مفتیشان برون گوید خطوب

گفتہ است استفت قلبک آز رسول گرچہ مفتی برون گوید فضول

آرزو بگذار تا رحم آیدش آزمودم کاچنین می بایدش

چون نتانی جست پس خدمت کنش تا روی از حبس او در گلشنش

دمبدم چون تو مراقب می شوی دامی بینی ۔ و داورای غوی

ور ببندی چشم خود را ز احتجاب کار خود را کی گزارد آفتاب؟

(فلسفہء اخلاق ص ۳۲-۳۳)

Marfat.com

خدا کی راہ میں ثابت قدمی

آٹھویں ذی الحجہ کو جب حجاج کرام بڑے جوش و خروش کے ساتھ جوق در جوق مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور اسی روز انہیں منیٰ و عرفات جانا تھا امام حسینؑ نے مکہ کو خیرباد کہا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ مکہ سے چلتے وقت آپ نے وہ مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا جسے سید بن طاؤس علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے۔

آپ مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے عراق کی سرحد کے نزدیک پہنچ گئے۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ کوفہ میں کیا صورت حال تھی۔ حضرت مسلمؑ کی شہادت کا غیر معمولی اور اندوہناک واقعہ وہاں رونما ہو چکا تھا۔

امام حسینؑ نے راستے میں ایک آدمی کو دیکھا جو کوفہ کی جانب سے اِدھر آ رہا تھا۔ (عرب کی سرزمین پر کوئی باقاعدہ کچا راستہ نہیں ہے کہ مسافر ایک دوسرے کے پاس سے گزریں۔ وہ ایک صحرا ہے۔ مخالف سمت میں سفر کرنے والے لوگ کچھ فاصلے سے ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے ہیں)۔ آپ نے تھوڑی دیر توقف کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے تم سے کام ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص امام حسینؑ کو جانتا تھا لیکن دوسری جانب اس کے پاس ایک اندوہناک خبر تھی اور وہ جانتا تھا کہ اگر وہ امامؑ سے ملے گا تو آپ اس سے کوفہ کے حالات دریافت فرمائیں گے اور اسے یہ خبر بد سنانی پڑے گی۔ وہ یہ خبر آپ کو نہیں سنانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور دوسری جانب بڑھ گیا۔

دو اور اشخاص جن کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا مکہ میں تھے اور مناسک حج میں مصروف تھے۔ چونکہ وہ امام حسینؑ کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اس لئے مناسک حج ادا کرتے ہی وہ بڑی تیزی سے امامؑ کے پیچھے روانہ ہو گئے تاکہ ان سے جا ملیں۔

جب وہ امامؑ سے تقریباً ایک منزل پیچھے تھے تو ان کی ملاقات اسی شخص سے ہوئی جو کوفہ سے آ رہا تھا۔ جب وہ ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو دستور عرب کے مطابق انتساب کیا،

Marfat.com

یعنی ان دو اشخاص نے سلام کے بعد اس سے کہا کہ اپنی نسبت بتاؤ یعنی یہ بتاؤ کہ تم کس قبیلے سے ہو۔ اس نے کہا: میرا تعلق قبیلہ بنی اسد سے ہے۔

وہ کہنے لگے: "عجب نحن اسدیان"، ہم بھی قبیلہ بنی اسد کے افراد ہیں۔ پس تم بتاؤ کہ تمہارے باپ دادا کون ہیں؟

اس نے یہ سب کچھ انہیں بتایا اور انہوں نے بھی بتایا۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان گئے۔ بعد میں ان دو اشخاص نے جو مدینہ سے آرہے تھے اس سے پوچھا کہ کوفہ کی کیا خبر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سچ تو یہ ہے کہ کوفہ کے بارے میں بہت بری خبر ہے۔ جب ابوعبداللہؑ نے جو مکہ سے کوفہ جارہے تھے مجھے دیکھ کر توقف فرمایا تو میں سمجھ گیا تھا کہ آپ مجھ سے کوفہ کے حالات پوچھنا چاہتے ہیں۔ میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ یہ منحوس خبر ان کے گوش گزار کروں۔ پھر اس نے کوفہ کے تمام حالات انہیں سنائے۔

یہ دونوں اشخاص چلتے چلتے امام حسینؑ سے آملے۔ پہلی منزل پر وہ خاموش رہے اور کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ امام حسینؑ نے ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا جو اس جگہ سے ایک شبانہ روز کے فاصلے پر تھی جہاں ان کی ملاقات اُس شخص سے ہوئی تھی۔ امام عالی مقامؑ خیمے میں تشریف فرما تھے اور کچھ اصحاب آپ کے پاس موجود تھے۔ اسی اثناء میں وہ اشخاص آئے اور انہوں نے عرض کیا: یااباعبداللہؑ! ہمارے پاس ایک خبر ہے۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم وہ خبر سب کے سامنے آپ کے گوش گزار کریں یا کہ خلوت میں عرض کریں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں کوئی بات اپنے اصحاب سے نہیں چھپاتا۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے سب کے سامنے کہو۔

ان دونوں میں سے ایک نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! ہم نے اس شخص سے ملاقات کی ہے جس سے کل آپ کا سامنا ہوا تھا لیکن وہ رُکا نہیں تھا، وہ شخص قابل اعتماد تھا، ہم اسے جانتے ہیں، وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ کوفہ کی کیا خبر ہے؟ اس نے ہمیں ایک بری خبر سنائی اور کہا کہ میں نے کوفہ چھوڑنے سے پہلے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

کہ مسلمؑ اور ہانیؑ شہید کردیئے گئے اور اس حالت میں کہ ان کے پاؤں رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور ان کے مقدس بدن کوفہ کی گلی کوچوں میں گھسیٹے جارہے تھے۔

اپنے بھائی اور سفیر حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن کر امام حسینؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن آپ نے فوراً اس آیت کی تلاوت فرمائی: "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً." اس موقع پر امام حسینؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ اب جبکہ ان لوگوں نے کوفہ پر قبضہ کرلیا ہے اور مسلمؑ اور ہانیؑ قتل ہوچکے ہیں اس لئے ہمارا کام ختم ہوچکا ہے اور ہم شکست کھا چکے ہیں چنانچہ ہمیں یہاں سے واپس لوٹ جانا چاہئے بلکہ انہوں نے ایک اور جملہ ارشاد فرمایا جس سے پتا چلتا ہے کہ معاملہ کچھ اور ہی تھا۔

قرآن مجید کی جو آیت میں نے ابھی ابھی پڑھی ہے وہ بظاہر جنگ احزاب کے بارے میں ہے۔ اس میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ بعض مومنین نے اپنا خدا سے کیا ہوا وعدہ وفا کیا اور خدا کی راہ میں شہید ہوگئے اور بعض دوسرے اس انتظار میں ہیں کہ ان کی باری کب آتی ہے۔ حضرت مسلمؑ نے اپنا فرض ادا کردیا اور اب ہماری باری ہے۔

اس موقع پر حاضرین میں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اثنائے راہ میں امام حسینؑ سے آملے تھے۔ یہ لوگ مخلص نہیں تھے۔ چنانچہ آپ نے انہیں اپنے ساتھ نہ رکھا اور مختلف مقامات پر اپنے سے جدا کردیا۔

جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ کوفہ کے بارے میں کوئی اچھی خبر نہیں ہے، یعنی وہاں پر کسی دنیاوی فائدے کا امکان نہیں ہے تو وہ لوگ خداحافظ کہہ کر چل دیئے۔ (جیسا کہ تمام تحریکوں میں ہوتا ہے)۔

لَمْ يَتَقَمْ مَعَهٗ اِلَّا اَهْلُ بَيْتِهٖ وَصَفْوَتِهٖ. فقط آپ کے خاندان کے افراد اور مخلص اصحاب باقی رہ گئے جو بلاشبہ اس وقت تعداد میں بہت کم تھے (خود کربلا میں کچھ ایسے لوگ تھے جو پہلے دھوکا کھا کر عمر بن سعد کے لشکر میں چلے گئے تھے لیکن بعد میں حقیقت حال واضح ہونے

Marfat.com

پر ایک ایک کر کے امام حسینؑ سے آ ملے)۔ اس وقت شاید بیس سے زیادہ افراد امام حسینؑ کے ہمراہ نہیں تھے۔ ان حالات میں مسلمؑ اور ہانیؒ کی شہادت کی پریشان کن خبر امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو ملی۔

صاحب لسان الغیب کہتے ہیں: بعض مؤرخین کے مطابق چونکہ امام حسینؑ کوئی بات اپنے ساتھیوں سے نہیں چھپاتے تھے اس لئے امامؑ کو چاہئے تھا کہ یہ خبر ملنے کے بعد خیمے کے اندر جا کر عورتوں اور بچوں کو بھی مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع دیتے کیونکہ مسلمؑ کا خاندان، ان کے بچے اور چھوٹے بھائی بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔

مگر اب امام حسینؑ انہیں یہ اطلاع کیسے دیں؟ مسلمؑ کی ایک بیٹی تھی۔ جب امامؑ بیٹھ گئے تو اسے آواز دیکر بلایا۔ مسلمؑ کی ننھی بیٹی کو لایا گیا۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا اور پیار کرنے لگے۔ بچی سمجھدار تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ پیار کا یہ انداز غیر معمولی ہے اور اپنے اندر شفقت پدری لئے ہوئے ہے۔ لہذا اس نے عرض کیا: یا اباعبداللہؑ یا بن رسول اللہؐ! اگر میرا باپ مرجائے تو کتنا۔۔۔؟

امامؑ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: بیٹی! میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں، تمہارے باپ کے بعد میں اس کی جگہ پر ہوں۔

امام علیہ السلام کے خاندان کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔

آپ نے عقیل کے بیٹوں سے فرمایا: اے اولاد عقیل! تم نے ایک مسلمؑ کی قربانی دیدی وہی کافی ہے۔ اگر تم واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔

انہوں نے عرض کیا: یا اباعبداللہؑ یا بن رسول اللہؐ! جب تک مسلمؑ شہید نہیں ہوئے تھے ہم آپؑ کے ہمرکاب تھے۔ اب جبکہ ہم مسلمؑ کے خون کے وارث ہیں تو ہم آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ ہرچہ بادا باد ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ مقدر کا جو لکھا مسلمؑ کو نصیب ہوا وہ ہمیں بھی نصیب ہو۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

(حماسۂ حسینی جلد اول ص ۱۷۴ تا ۱۷۹)

Marfat.com

مسلمان خواتین کا کردار

محرم کی گیارہ تاریخ کو عصر کے وقت خاندان رسالت کے قیدیوں کو لاکر (اونٹوں یا خچروں یا دونوں پر) سوار کیا گیا۔ ان سواریوں کے پالان لکڑی کے تھے۔ قیدیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے یہ پابندی لگادی گئی کہ ان کی سواریوں کے پالانوں پر کوئی کپڑا نہ بچھایا جائے۔ اہلبیتؑ نے بعد میں ایک خواہش ظاہر کی جسے قبول کرلیا گیا۔ وہ خواہش یہ تھی:
"قُلُ بِحَقِّ اللّٰهِ اِلاَّ...."

انہوں نے کہا: تمہیں خدا کی قسم! اب جب تم ہمیں لے جارہے ہو تو مقتل (شہادت گاہ) کے پاس سے گزارو کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ آخری بار اپنے عزیزوں کو خداحافظ کہہ لیں۔

قیدیوں میں امام زین العابدین علیہ السلام واحد ایسے شخص تھے جن کی بیماری کی وجہ سے ان کے مبارک پاؤں سواری کے جانور کے پیٹ کے نیچے باندھ دیئے گئے تھے۔ باقی قیدی جانوروں کی پشت پر آزاد تھے۔ جب وہ قتل گاہ کے پاس پہنچے تو کسی کو ضبط کا یارا نہ رہا اور سب نے بے اختیار اپنے آپ کو سواریوں پر سے زمین پر گرا دیا۔

شریکۃ الحسین زینب علیا مقامؑ اپنے بھائی کے جسد اقدس کے پاس پہنچیں "فَـوَجَـدَتْ.." تو انہوں نے اپنے ماں جائے کو ایسی حالت میں دیکھا جس میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے بے گور وکفن اپنے بھائی کا سراپا دیکھا تو اسے پیار کیا اور اس سے باتیں کیں "حَتّٰی قَضٰی بِهِ اَبَا العَطْشَان حَتّٰی مضنی. فَقَدْ اَبْكٰی وَاللّٰهِ كُلَّ عَدُوٍّ وَصَدِيْقٍ" انہوں نے ایسی دردناک چیخ ماری کہ سننے والوں کے کلیجے پھٹ جائیں اور ایسے ماتم کیا کہ دوست تو دوست، دشمن بھی رونے لگے۔

امام حسین علیہ السلام کے لئے پہلی مجلس عزا جناب زینبؑ نے برپا کی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ تھیں۔ حضرت امام زین العابدینؑ کی دیکھ بھال ان کے ذمہ تھی۔ انہوں نے امام زین العابدینؑ پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ اس منظر کو دیکھ کر انہیں اس قدر

رنج ہوا ہے کہ ممکن ہے کہ "ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ انہوں نے فوراً حضرت امام حسینؑ کے بدن اطہر کو چھوڑا اور امام زین العابدینؑ کے پاس پہنچیں اور کہا: "یاابن اخی.. اے میرے بھتیجے! میں تمہیں اس حالت میں کیوں دیکھ رہی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری روح بدن سے پرواز کرنے والی ہے؟

انہوں نے جواب دیا: پھوپھی اماں! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنے عزیزوں کے لاشے دیکھوں اور مجھے دکھ نہ ہو؟ جناب زینبؑ ان حالات میں امام زین العابدینؑ کی ڈھارس بندھانے لگیں۔

ام ایمنؓ بڑی عظیم المرتبت خاتون ہیں۔ پہلے وہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی کنیز تھیں، بعد میں آزاد ہوئیں۔ وہ سالہا سال تک آنحضرتؐ کے گھر میں رہی تھیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے کئی احادیث نقل کی ہیں۔ انہوں نے جناب زینبؑ کو آنحضرتؐ کی ایک حدیث سنائی تھی۔ چونکہ اس حدیث کا تعلق اس خاندان کے مستقبل سے تھا اس لئے حضرت زینبؑ، ام ایمنؓ کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں سوفیصد اطمینان حاصل کرنے کے لئے حضرت امیرالمومنینؑ کی زندگی کے آخری ایام میں ایک روز ان کے پاس پہنچیں اور عرض کیا: باباجان! میں نے ام ایمنؓ سے ایک حدیث سنی ہے اور چاہتی ہوں کہ اسے ایک بار آپ کی زبان مبارک سے بھی سن لوں تاکہ یقین ہوجائے کہ ام ایمنؓ نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ پھر انہوں نے وہ حدیث بیان کی۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے اس کی تائید کی اور فرمایا کہ جو کچھ ام ایمنؓ نے کہا ہے وہ درست ہے۔

جناب زینبؑ نے ان حالات میں یہ حدیث امام زین العابدینؑ سے بیان کی۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ واقعۂ کربلا کے پیچھے ایک فلسفہ ہے۔ مبادا آپ ان حالات میں خیال کریں کہ امام حسینؑ قتل ہوگئے اور مٹ گئے۔ پیارے بھتیجے! ہمارے نانا سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ جہاں تم اس وقت حسینؑ کا جسم بغیر کفن کے دیکھ رہے ہو وہ وہیں دفن ہوں گے اور اسی مقام پر لوگ ان کی قبر کا طواف کیا کریں گے۔

بیاں گر سِرّ شہادت کی تفسیر ہو جائے
مسلمانوں کا کعبہ روضۂ شبیر ہو جائے

Marfat.com

جناب زینبؑ نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ آنے والے وقتوں میں کربلا کی یہ جگہ وابستگان، شیفتگان و عاشقان حسینؑ کا قبلہ بنے گی۔ اس روز بھی آج ہی کی طرح گیارہویں محرم تھی۔ ظہر کے بعد عمر بن سعد اور اس کے سپاہی اپنے مقتولین کے ناپاک جسم دفن کرنے کے لئے رک گئے، لیکن امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے اجسام پاک تپتی زمین پر بے گور وکفن پڑے رہے۔ پھر وہ قیدیوں کو لے کر روانہ ہوئے (وہ بھی آج کی طرح بارہویں محرم کی رات تھی)۔ کربلا سے نجف تک یکطرفہ فاصلہ تقریباً ساٹھ، ستر کلومیٹر ہے۔ انہوں نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ قیدیوں کو بارہ محرم کے روز باجے تاشے اور رعب و دبدبے کے ساتھ فتح کی علامت کے طور پر شہر میں داخل کریں گے اور اپنے خیال باطل کے مطابق خاندانؑ رسالت پر ایک آخری ضرب لگائیں گے۔ وہ قیدیوں کو ساتھ لے کر چل دیئے۔

جناب زینبؑ شاید نویں محرم کے روز سے بالکل نہیں سوئی تھیں۔ شہداء کے بریدہ سر، بدنہاد پہلے ہی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ دن کا کیا وقت تھا (طلوع آفتاب سے تقریباً دو تین گھنٹے گزرے ہوں گے) جب قیدی وارد کوفہ ہوئے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا کہ شہداء کے مقدس سر اُن کے استقبال کے لئے بھیجے جائیں تاکہ سب اکٹھے مل کر آئیں۔ یہ بہت عجیب اور ناقابل بیان صورتحال تھی۔ شہر کوفہ کے دروازے پر (علیؑ و فاطمہؑ کی شیر دل بیٹی یہاں اپنی رفعت شان کا اظہار کرتی ہے) اس باکمال خاتون نے جس کی فطری شرم و حیا ان تمام حالات کے باوجود باقی تھی ایک خطبہ دیا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر علیؑ کی بیٹی نے صورتحال کا اندازہ لگایا اور ایک اشارہ کیا۔ اس وقت کہ زبردست ہنگامہ بپا تھا اور کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی کہ اچانک لہجہ علیؑ میں بنت علیؑ کی گرجدار آواز ابھری اور تاریخ کے الفاظ میں "سَکَنَةُ الانفاس و سکنتہ الاُجْرَاس" سانسیں سینوں میں منجمد ہوگئی تھیں اور گھنٹیوں کی آوازیں ختم ہوگئی تھیں۔ سواری کے جانور بھی کھڑے ہوگئے (چونکہ آدمی کھڑے ہوگئے لہذا قدرتی طور پر جانور بھی کھڑے ہوگئے)۔ جناب زینبؑ نے اثر انگیز خطبہ ارشاد فرمایا۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم "مَارَاَیْتُ خَطَرَةً" یہ لفظ خطرہ کا استعمال بہت اہمیت کا

حامل ہے۔ "خطرۃ" یعنی باحیا عورت۔ یہ خاتون ایک بے حیا عورت کی طرح کلام نہیں کرسکتی۔

جناب زینبؑ نے وہ خطبہ انتہائی رعب و جلال کے ساتھ دیا۔ اس کے باوجود دشمن یہ کہتا ہے: "مَارَاَیْتُ خَطِرَۃً" یعنی نسوانی شرم وحیا اس سے ظاہر ہورہی تھی۔ علیؑ کی شجاعت نسوانی شرم وحیا کے ساتھ مخلوط ہوگئی تھی۔

بیس سال قبل کوفہ میں علیؑ بطور خلیفہ موجود تھے۔ انہوں نے اپنے پانچ سالہ دور خلافت میں بہت سے خطبے ارشاد فرمائے تھے۔ ان کے خطبے لوگوں کے درمیان ابھی تک ضرب المثل بنے ہوئے تھے۔

راوی کہتا ہے: یوں معلوم ہوتا تھا کہ زینبؑ کے پردے میں علیؑ بول رہے ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ علیؑ زندہ ہوگئے ہیں۔ جب زینبؑ کا خطبہ (جو دس بارہ سطروں سے زیادہ نہیں ہے) ختم ہوگیا تو میں نے لوگوں کو انگشت بدنداں دیکھا۔ یہ ہے عورت کا کردار جو اسلام چاہتا ہے۔

(حماسہ حسینی جلد اول ص۲۹۰ تا ۲۹۳)

حسینیت

غیرت اور حمیت فرد اور قوم کی ایک بنیادی خصوصیت ہوتی ہے۔ جس فرد یا قوم میں غیرت نہیں ہوتی ذلت ان کا مقدر ہوتی ہے۔ زمانے کو ابھی شہید کربلا کا یہ قول نہیں بھولا کہ ھَیْھَات ھَیْھَات مِنَ الذِّلَّۃ "تف ہے ذلت کی زندگی پر۔"

بے شک شہید کربلا نے اپنے "قیام" میں لوگوں کو غیرت کا درس دیا۔ انہوں نے لوگوں کو تحمل، بردباری اور سختیاں برداشت کرنے کا درس دیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے بہت عظیم درس ہیں۔ لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے کربلا میں کیا کارنامہ انجام دیا اور ان کے ذریعے اسلام کس طرح زندہ ہوا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے لوگوں میں تازہ روح پھونکی، ان کے خون کو جوش دلایا، ان کی غیرت کو ابھارا، انہیں "عشق" اور ایک

Marfat.com

آئیڈیل دیا، ان کے اندر ''بے نیازی'' کی حس پیدا کی اور لوگوں میں سختیوں کے مقابلے میں صبر وتحمل، بردباری اور ثابت قدمی کا درس دیا اور ان کے دل سے باطل کا خوف نکال دیا۔ وہ لوگ جو پہلے ڈرتے تھے بعد میں اتنے دلیر ہوگئے کہ باطل سے پنجہ آزمائی کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ ایک مشہور داستان ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک جنگ میں نادر نے ایک سپاہی کو دیکھا جو بہت نڈر اور دلیر تھا۔ نادر نے اس کی دلیری کی داد دی۔ ایک روز نادر نے اسے بلا کر پوچھا: اُس وقت تم اپنی اِس شجاعت کے ساتھ کہاں تھے جب افاغنہ نے اصفہان میں قتل و غارت مچائی؟

اس نے جواب دیا: میں اصفہان میں ہی موجود تھا۔

نادر نے کہا: تم اصفہان میں موجود تھے جب افاغنہ آئے اور ان تمام جرائم کے مرتکب ہوئے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں، میں وہیں تھا۔

نادر نے کہا: پھر اس روز تمہاری شجاعت کہاں تھی؟

اس نے کہا: اس روز کوئی نادر موجود نہیں تھا۔ آج میری شجاعت کا انحصار نادر کے اعتماد نفس پر ہے۔ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میری غیرت جوش میں آجاتی ہے اور میں شجاع اور دلیر بن جاتا ہوں۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص ۱۵۱)

خود داری

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت علیؑ ایک قصاب کی دکان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ قصاب نے آپ سے کہا: یاامیرالمؤمنینؑ! (ظاہراً یہ واقعہ امامؑ کے زمانۂ خلافت کا ہے) آج میں بڑا عمدہ گوشت لایا ہوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو لے جائیں۔

آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس گوشت خریدنے کے لئے رقم نہیں ہے۔

قصاب نے کہا: میں ادھار کرلوں گا۔

Marfat.com

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا: بہتر ہے کہ میں اپنے "پیٹ" سے کہوں کہ وہ صبر کرلے۔ اگر میں اپنے پیٹ کو صبر کی تلقین نہ کرسکتا تو تم سے کہتا کہ تم ادھار کرلو۔

شیخ سعدیؒ نے یہ واقعہ ایک عارف (حضرت علیؑ) کی زبان سے نقل کیا ہے۔
(گفتارہای معنوی ص۲۶۲)

نعمتوں سے آزمائش

ایک دن بڑے عابد و زاہد صحابی ثعلبہ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ آپ خداوند تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میرے حالات زندگی بہتر کردے۔

رسول اکرمؐ کی دعا قبول ہوئی اور خداوند عالم کی رحمت و برکت کے دروازے اس شخص کے لئے کھل گئے۔ وہ بھیڑوں کے گلے کا مالک بن گیا۔ مگر اس نے بتدریج نماز جماعت میں شریک ہونا اور اول وقت میں نماز پڑھنا ترک کردیا۔ وہ اپنی بھیڑوں کی نگہداشت کے لئے جنگل کی جانب چلا گیا اور اس نے نماز جماعت میں شرکت کرنا مکمل طور پر ترک کردیا۔ (حالانکہ اس سے پہلے وہ نماز جماعت کبھی ترک نہیں کرتا تھا)۔ مال دنیا کی محبت میں وہ اس حد تک مبتلا ہوگیا کہ جب رسول اکرمؐ نے ایک کارندے کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھیجا اور اس کارندے نے حضور اکرمؐ کے حکم کے مطابق دوسرے مسلمانوں کی طرح اس سے بھی زکوٰۃ طلب کی تو اس نے کافی بحث مباحثے کے بعد کہا: زکوٰۃ اور خراج میں کیا فرق ہے؟ نادار لوگ اسی قابل ہیں، انہیں چاہئے کہ کام کریں تاکہ انہیں زکوٰۃ کی ضرورت نہ رہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ یہ وہی عابد و زاہد مسلمان تھا جو نماز جماعت باقاعدگی سے ادا کرتا تھا لیکن جب اسے امتحان کی منزل پر نعمتوں کے ذریعے آزمایا گیا اور خداوند تعالیٰ کی برکتیں اس پر نازل ہوئیں تو اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور خدا و رسولؐ کے احکام بھی پامال کرنے شروع کردیئے۔ (تفسیر قرآن ص۳۳)

Marfat.com

آزادی

ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ میں ایک حدیث کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز رسول اکرمؐ اصحاب صُفّہ[1] کے پاس تشریف لے گئے۔ اصحاب صفہ میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہؐ! میں اپنے نفس میں ایسی کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ تمام دنیا و مافیہا میری نگاہ میں ہیچ ہے۔ اس وقت میری نگاہ میں سونا اور پتھر یکساں ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی ایک بھی مجھے اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ میں سونے اور پتھر سے یکساں استفادہ کرتا ہوں۔ نہیں بلکہ اس نے کہا کہ مجھے اپنی جانب متلفت کرنے کے لئے سونے اور پتھر کی صلاحیت یکساں ہے۔

رسول اکرمؐ نے اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا: ''اِذًا اَنْتَ صِرْتَ حُرًّا'' اب میں تمہارے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ تم ایک آزاد مرد ہو۔ ہاں! انسان کی روحانی آزادی ایک حقیقت ہے۔ (گفتارہای معنوی ص ۳۷۔۳۸)

نماز کو معمولی چیز سمجھنا

گناہوں میں سے ایک گناہ نماز کو ''سبک'' (معمولی) سمجھنا ہے۔ نماز نہ پڑھنا تو بیشک گناہ کبیرہ ہے لیکن نماز پڑھنا مگر اسے معمولی اور غیر اہم جاننا بذات خود ایک گناہ ہے۔

۱۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اصحاب صفہ رسول اکرمؐ کے کچھ نادار اصحاب تھے جو مدینہ کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ مہاجرین تھے۔ ان کے پاس نہ کوئی دولت تھی اور نہ ہی ان کے بیوی بچے یا گھربار تھا۔
رسول اکرمؐ نے ان کے لئے پہلے مسجد نبوی میں ایک جگہ مخصوص کی تھی لیکن بعد میں خداوند تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ مسجد سونے کے لئے اور دوسری ایسی چیزوں کیلئے نہیں ہے۔ پھر رسول اکرمؐ نے مسجد کے پہلو میں ایک چبوترہ ان لوگوں کی جائے رہائش قرار دیا۔ جن لوگوں کو مدینہ طیبہ جانے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے شمال میں ایک چبوترہ ہے جس پر آج کل متولی حضرات بیٹھتے ہیں۔
یہ وہی مقام ہے جہاں اصحاب صفہ رہا کرتے تھے۔ اصحاب صفہ کے درمیان بہت سے عالی مرتبت اور بزرگ لوگ گزرے ہیں۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے وقت ایک واقعہ رونما ہوا۔ جب ابوبصیر، ام حمیدہ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو ام حمیدہ رو پڑیں۔ ابوبصیر جو کہ نابینا تھے وہ بھی روئے۔ بعد میں ام حمیدہ نے ابوبصیر سے کہا: اے ابوبصیر! تم یہاں موجود نہیں تھے اور تم نے امامؑ کی زندگی کے آخری لمحات نہیں دیکھے۔ امامؑ کی زندگی کے آخری لمحات میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

ابوبصیر نے پوچھا: کیا واقعہ پیش آیا؟

انہوں نے کہا: امامؑ پر تقریباً غشی کی حالت طاری ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: میرے تمام قریبی اعزہ سے کہو کہ میرے سرہانے جمع ہوجائیں۔

ہم نے امامؑ کے حکم کی تعمیل کی اور سب کو بلا بھیجا۔ جب سب جمع ہوگئے تو اس وقت جبکہ امامؑ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے انہوں نے اچانک آنکھیں کھولیں اور جو لوگ جمع تھے ان کی جانب رخ کر کے فقط یہ ایک جملہ کہا: ''لَنْ تَنَالَ شَفَاعَتُنَا مُسْتَخِفًّا بِالصَّلٰوۃِ.'' جو لوگ نماز کو ''سبک'' سمجھتے ہیں وہ ہرگز ہماری شفاعت کے حقدار نہیں ہوں گے۔ یہ فرمایا اور جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔

کربلا کے ترجمان

ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی رضوان اللہ علیہ ایک بلند پایہ انسان اور متقی عالم تھے جو آج ہم میں موجود نہیں ہیں۔ ''تاریخ عاشورا'' کے نام سے ان کی ایک کتاب ہے جو دراصل ان کی ریڈیو ایران پر کی ہوئی تقاریر کا مجموعہ ہے جسے ان کی وفات کے بعد کتابی شکل میں چھاپ دیا گیا ہے۔ شاید آپ میں سے بہت سے احباب نے اس کا مطالعہ کیا ہو اگر نہیں کیا تو ضرور کریں۔ اگر ہم اس کتاب کی تعریف نہ بھی کریں تب بھی فارسی زبان میں اس موضوع پر لکھی جانے والی

Marfat.com

کتابوں میں اس کا منفرد اور امتیازی مقام مسلم رہے گا۔ اگرچہ تجزیہ و تحلیل کے لحاظ سے یہ کتاب اعلیٰ خصوصیات کی حامل نہ سہی تب بھی استناد کے لحاظ سے یعنی اس لحاظ سے کہ اس کے مندرجات معتبر ''تاریخ'' کے مطابق مستند ہیں یہ کتاب قطعی طور پر بے نظیر ہے۔

اس کتاب میں مرحوم آیتی نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ کربلا کی تاریخ کو دراصل قیدیوں نے زندہ رکھا یعنی قیدیوں نے تاریخ کربلا کی بہترین ترجمانی کر کے حفاظت کی ہے۔ اموی حکومت نے سب سے سنگین غلطی یہ کی کہ اہلبیتؑ کو قیدی بنا کر انہیں کوفہ اور شام میں پھرایا۔ اگر یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا تو شاید وہ اس تاریخ کو مٹانے یا کسی حد تک اس کے اثرات کم کرنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن انہوں نے (نادانستہ طور پر) اپنے ہاتھوں سے اہلبیت رسولؐ کو موقع فراہم کیا اور اہلبیت رسولؐ نے نقوش کربلا کو قرطاس تاریخ پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا۔ انہیں اس بات کا ادراک نہیں تھا کہ چند مصیبت زدہ عورتیں اور بچے ان مواقع سے اتنا بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ لوگ ادراک کر بھی کیسے سکتے تھے۔ ان عورتوں اور بچوں نے کربلا والوں کا پیغام بھی تو کتنے مؤثر اور کمال انداز میں پہنچایا۔

شام کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھی جانے والی تھی۔ یزید کو مجبوراً اس نماز میں شریک ہونا تھا اور شاید نماز کی امامت بھی خود ہی کرانی تھی جس کا مجھے اس وقت یقین نہیں ہے۔

جمعہ کی نماز میں خطیب کے لئے دو بہت ہی مفید اور گرانقدر خطبے پڑھنا ضروری ہوتا ہے جس کے بعد نماز شروع ہوتی ہے۔ دراصل یہ دو خطبے ان دو رکعتوں کی جگہ ہوتے ہیں جو جمعہ کے روز نماز ظہر میں سے گھٹا دی جاتی ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتی نماز میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پہلے وہ خطیب جسے سرکاری طور پر سکھایا پڑھایا گیا تھا منبر پر گیا اور اس نے وہ باتیں بیان کیں جو اسے رٹائی گئی تھیں۔ پھر اس نے یزید اور اس کے باپ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ اس کے بعد اس نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور (العیاذ باللہ) انہیں دین سے خارج قرار دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یہ کیا اور وہ کیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے جو منبر کے پاس بیٹھے تھے اسے ڈانٹ کر کہا:

Marfat.com

"اَیُّهَاالْخَطِیْبُ! اِشْتَرَیْتَ مَرْضَاتَ الْمَخْلُوْقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ." تو نے ایک بندے کو خوش کرنے کے لئے خالق کو ناراض کر دیا۔

پھر آپ نے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان لکڑیوں پر بیٹھوں؟ آپؑ نے "منبر" نہیں فرمایا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ ان چیزوں کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ مثلاً یزید کی مجلس میں امام زین العابدینؑ اور حضرت زینبؑ دونوں نے اسے "یَـااَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ" یا "اَیُهَا الْخَلِیْفَةُ" کہہ کر نہیں پکارا اور نہ ہی اسے اس کی کنیت (اباخالد) سے مخاطب کیا بلکہ "یایزید" کہہ کر پکارا۔

یہاں بھی امامؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں اس منبر پر بیٹھوں بلکہ آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ نہ یہ منبر ہے اور نہ ہی ہم اسے منبر سمجھتے ہیں بلکہ یہ تین سیڑھیوں والی چار لکڑیاں ہیں جن پر اس قسم کے (ضمیر فروش) خطیب بیٹھ کر ایسی (مفسد) گفتگو کرتے ہیں۔ گویا امامؑ نے فرمایا کہ کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان لکڑیوں پر بیٹھ کر دو جملے کہوں؟

یزید نے اجازت نہ دی۔ اس کے اردگرد موجود لوگوں نے اس خیال سے کہ علیؑ ابن الحسینؑ حجازی ہیں اور اہل حجاز کی تقریر چونکہ بڑی شیریں اور لطیف ہوتی ہے اس لئے ان کا زور بیان دیکھنے کے لئے کہا کہ آپ اجازت دے دیں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم یزید نے پھر بھی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

اس کے بیٹے نے آ کر کہا: اباجان! آپ اجازت دیدیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ حجازی جوان کیسی تقریر کرتا ہے۔

یزید نے کہا: میں ان سے ڈرتا ہوں۔ تاہم لوگوں نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ مجبور ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ اگر وہ اس سے زیادہ انکار کرتا ہے تو یہ اس کی بے بسی اور خوف کا اظہار ہوگا۔ لہذا اس نے بادل ناخواستہ اجازت دیدی۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ امام زین العابدینؑ جو اس وقت بیمار بھی تھے (اگرچہ کہ بعد میں ان کی بیماری ختم ہوگئی اور ان کے اور دوسرے اماموں کے مابین صحت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا) اور قیدی بھی تھے اور اہل منبر کے مشہور قول کے مطابق زنجیروں اور بیڑیوں کے

Marfat.com

ساتھ چالیس منزلیں طے کر کے کربلا سے شام پہنچے تھے جب منبر پر گئے تو انہوں نے کیسا انقلاب برپا کیا؟ کیسا ولولہ پیدا کیا؟ یزید کے حواس باختہ ہوگئے اور اس نے محسوس کیا کہ ابھی لوگ چڑھ دوڑیں گے اور مجھے مارڈالیں گے۔ چنانچہ اس نے ایک چال چلی۔ ظہر کا وقت تھا۔ اس نے اچانک مؤذن سے کہا کہ اذان دو، نماز کا وقت نکلا جارہا ہے۔ مؤذن کی آواز بلند ہوئی۔ امام زین العابدین علیہ السلام خاموش ہوگئے۔ مؤذن نے کہا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ" امامؑ نے یہ الفاظ دہرائے اور کہا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ" پھر مؤذن نے کہا "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" امامؑ نے یہ الفاظ بھی دہرائے حتیٰ کہ مؤذن رسول اکرمؐ کی رسالت کی شہادت تک پہنچا۔ جب وہ یہاں پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے باآواز بلند فرمایا: مؤذن! رک جا۔ پھر آپ نے یزید کو مخاطب کر کے فرمایا: اے یزید! یہ جس کی رسالت کی گواہی تم اذان میں دے رہے ہو کون ہے؟ پھر مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! ہم لوگ جن کو تم نے قیدی بنایا کون ہیں؟ ہمارا باپ جسے تم نے شہید کیا کون ہے؟ اور یہ ذات اقدس جس کی رسالت کی گواہی تم دیتے ہو کون ہے؟ دراصل اس وقت تک لوگوں کو علم ہی نہیں تھا کہ وہ کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پھر جیسا کہ آپ سنتے ہیں یزید نے بعد میں اہلبیتؑ کو رہا کردیا اور حکم دیا کہ انہیں احترام کے ساتھ مدینے لے جایا جائے۔

یزید نے نعمان بن بشیر کو جو ایک نرم دل انسان تھا، اہلبیتؑ کے ساتھ روانہ کیا اور اسے تاکید کی کہ ان کے ساتھ شام سے مدینہ تک بہترین سلوک کیا جائے۔ یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ کیا یزید نیک دل ہوگیا تھا؟ کیا یزید کی ذہنیت بدل گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ صرف یزید کے گردو پیش کا ماحول اس کے خلاف ہوگیا تھا۔ آپ سنتے ہیں کہ بعد میں یزید اکثر ابن زیاد پر نفرین کیا کرتا تھا اور اسے مورد الزام ٹھہراتا تھا۔ اس نے اس بات سے صاف انکار کردیا کہ قتل حسینؑ میں اس کا ہاتھ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اور جناب زینب سلام اللہ علیہا نے صورتحال یکسر بدل کر رکھ دی تھی۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ. (حماسۂ حسینی جلد دوم ص۱۸۹ تا ۱۹۴)

بزرگی اور بزرگواری کا فرق

اٹلی کے مشہور ڈکٹیٹر موسولینی نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست سے کہا کہ میں شیر کی ایک سالہ زندگی کو بکری کی سو سالہ زندگی سے بہتر جانتا ہوں[1] یہ چیز کہ میں ایک سال شیر بن کے رہوں اور دوسروں کو کھاؤں۔ اس سے بہتر ہے کہ میں سو سال بکری بن کے رہوں اور ایک شیر کا نوالہ بننے کے لئے تیار رہوں۔ یہ بات بتانے کے بعد وہ اپنے دوست کو باقاعدگی سے کچھ رقم دیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں تم یہ جملہ کسی کے سامنے نقل نہ کرو۔

مگر کیوں؟ اس کا کہنا تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس صورت میں شیر بن کے رہ سکتا ہوں کہ دوسرے بکری بن کے رہیں۔ لیکن اگر لوگ اس جملے کو سمجھ جائیں تو وہ بھی چاہیں گے کہ میری طرح موسولینی ہوں، میری طرح شیر ہوں۔ اگر وہ بھی چاہیں گے کہ میری طرح شیر ہوں تو پھر میں شیر نہیں رہ سکتا۔ میرے شیر ہونے کے لئے ان کا بکری رہنا ضروری ہے۔ اس انداز فکر میں گویا بزرگی یعنی ''بلندی'' ہے، مگر بزرگواری یعنی ''عظمت'' بالکل نہیں۔

(گفتار ہای معنوی ص ۱۷۱۔۱۷۲)

روحانی لذتیں

بوعلی سینا نے اپنی کتاب ''اشارات'' کے آخر میں ایک باب ترتیب دیا ہے جس کا عنوان ہے ''لذت کو حسی لذات تک محدود سمجھنا غلط ہے۔'' اس کے بعد اس نے روحانی لذتوں

۱۔ والی میسور ٹیپو سلطان کا یہ قول کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' موسولینی کے اس قول سے مختلف سوچ کا حامل ہے اور اس کا تعلق غیرت، خودداری اور انا سے ہے۔ (ناشر)

کی مثالیں دی ہیں۔ موجودہ دور میں علم نفسیات کے ذریعے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ انسان کا احساس لذت صرف حسی لذت تک محدود نہیں ہے۔ حسی لذت ایک عضو تک محدود ہوتی ہے اور اس کا تعلق کسی بیرونی محرک سے ہوتا ہے۔ مثلاً غذا کی لذت جو انسان کی زبان کو ذائقے سے حاصل ہوتی ہے، یا دوسری لذتیں جو سونگھنے یا چھونے سے حاصل ہوتی ہیں۔

لیکن لذتوں کا ایک اور سلسلہ بھی ہے جس کا تعلق جسم سے نہیں ہے۔ مثلاً وہ لذت جو ایک پہلوان کو پہلوانی کے احساس سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً جب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ پہلوان بن گیا ہے اور اسے دوسروں پر بالادستی حاصل ہوگئی ہے تو وہ ایک کیف، ایک لذت اور ایک سرخوشی محسوس کرتا ہے۔ انسان اس چیز سے بھی لذت محسوس کرتا ہے کہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ ایک سائنسدان جب ایک سائنسی راز کی حقیقت کشف کرتا ہے تو اسے لذت محسوس ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی لذت کا کوئی حسی یا بیرونی سبب نہیں ہوتا۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات جب انہیں کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا اور وہ اسے حل کرنے کے لئے سوچ بچار کرتے اور رات کے آخری حصے میں اسے حل کر لیتے تو ان پر ایک وجد اور سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ اپنے آپ سے کہتے: "اَیْنَ الْمُلُوْکِ وَابْنَاءُ الْمُلُوْکِ مِنْ هٰذِهِ اللَّذَّةِ." کہاں ہیں بادشاہ اور شہزادے تاکہ وہ دیکھیں کہ آیا وہ لذت جو میں اس وقت محسوس کر رہا ہوں زیادہ ہے یا وہ لذتیں جو وہ حسی چیزوں سے حاصل کرتے ہیں؟

سید محمد باقر حجۃ الاسلام نے اپنی شب زفاف میں جب دیکھا کہ دلہن کے پاس جانے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے مثلاً یہ کہ ان کے پاس تقریباً ابھی ایک گھنٹہ ہے تو وہ گئے اور جا کر مطالعہ کرنے لگے اور اس میں ایسے محو ہوئے کہ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ یہ ان کی شب زفاف ہے۔ جب انہیں خیال آیا تو اچانک اذان کی آواز سنائی دی۔ ادھر دلہن بے چاری پریشان تھی اور سوچ رہی تھی کہ لازماً دولہا اسے پسند نہیں کرتے۔ شاید انہوں نے اسے دیکھا ہے اور پسند نہیں کیا۔ تاہم مرحوم سید محمد باقر حجۃ الاسلام آئے اور قسم کھائی کہ واللہ! ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ میں مطالعہ میں ایسا غرق ہوا کہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ یہ رات ہماری شب عروسی ہے۔

(فلسفہء اخلاق ص ۴۶۔۴۷)

Marfat.com

الف کا قصہ

اگر آپ شہد کی مکھی کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک پراسرار زندگی بسر کرتی ہے جس کی مادی نقطہ نگاہ سے توجیہ ممکن نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ معلومات اسے کیسے اور کہاں سے حاصل ہوتی ہیں۔ قرآن مجید واضح طور پر فرماتا ہے: "وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِی مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا۔" اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ وہ اپنا گھر پہاڑوں میں بنائے۔ (سورۃ النحل آیت ٦٨)

یہاں وحی سے شہد کی مکھی کے قلب پر ایک ماورائی قسم کا الہام مراد ہے۔

قرآن مجید نے چیونٹی کے بارے میں شہد کی مکھی سے بھی بڑھ کر ارشاد فرمایا ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ چیونٹی شہد کی مکھی کے مقابلے میں زیادہ سوجھ بوجھ رکھتی ہے حتیٰ کہ چیونٹیوں میں بات چیت، اعلان اور خبر رسانی بھی ہوتی ہے۔ سائنس کو یہ معلوم کئے ہوئے فقط پچاس سال گزرے ہیں جبکہ قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا کہ جب سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تو چیونٹی کے سردار کو اس لشکر کی آمد کا احساس ہوگیا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں اپنے پاؤں تلے کچل نہ دے۔

سلیمان علیہ السلام کو جنہیں خداوند تعالیٰ نے پرندوں اور دیگر حشرات الارض کی بولیاں سکھادی تھیں انہیں چیونٹی کی اس ندا کا پتا چل گیا اور انہوں نے چیونٹیوں کے ساتھ گفتگو کی۔ موجودہ دور کے علوم نے ثابت کردیا ہے کہ چیونٹیوں کے چھوٹے چھوٹے سینگوں کے ساتھ ریسیور اور ٹرانسمیٹر ہوتے ہیں۔ وہ لہریں بھیجتی اور لہریں وصول کرتی ہیں اور اپنا مافی الضمیر ایک دوسری کو سمجھاتی ہیں۔

قرآن مجید اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ یہ حیوان کسی مکتب میں نہیں گیا اور اس نے کوئی سبق نہیں پڑھا یوں ارشاد فرماتا ہے: "وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ" اس سے مراد خداوند تعالیٰ کی جانب سے الہام ہی ہے۔

یورپی اسکالر مورس مٹرلنگ اپنی کتاب "شہد کی مکھی" میں ان سب چیزوں کا تذکرہ کرتا

Marfat.com

ہے۔ لیکن جب وہ ان حیرت انگیز چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ شہد کی مکھی نے یہ سب چیزیں کہاں سے سیکھی ہیں تو کہتا ہے کہ ''چھتے'' کی روح اسے وحی کرتی ہے۔ خدارا غور کیجئے کہ یہ قول کس قدر غلط ہے۔ چھتہ ان شہد کی مکھیوں سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر ہم ان شہد کی مکھیوں کو چھتے سے علیحدہ کردیں تو یہ چھتہ جمادات کا ایک حصہ ہے۔ چھتے کی روح کے کیا معنی ہیں؟ بالفرض اگر چھتے کی روح نے یہ وحی کی ہے تو چھتے کی روح نے یہ چیزیں کہاں سے سیکھیں؟ جب چھتے کی روح شہد کی مکھی کی روح سے بالاتر کوئی چیز نہیں ہے تو مورس مٹرلنگ نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ اس نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ خدا کا مسئلہ زیر بحث نہ آئے جسکے نتیجے میں بعد میں ان سے یہ کہا جائے کہ مورس مٹرلنگ صاحب! خدا حتماً کائنات میں ''وجود'' رکھتا ہے۔ پس اگر خدا کائنات میں ''وجود'' رکھتا ہے تو یہ ''الف'' ہے (یعنی ابتداء ہے) اور اس کے بعد ''ب'' اوز اسکے بعد ''ت'' اور ''ث'' اور ''ج'' اور پھر ہزاروں ذمہ داریاں اور آئیں گی اور پھر آپ آزاد نہیں رہیں گے اور آزاد زندگی بسر نہیں کرسکیں گے۔ اس معنی میں آزاد جس معنی میں یورپین کہتے اور پسند کرتے ہیں اور جس طرح آزاد رہنا انہیں پسند ہے۔

ایک ہوشیار بچے کو اسکول لے جایا گیا۔ استاد نے اسے کہا: کہو ''الف''۔ مگر اس نے نہ کہا اور خاموش رہا۔ استاد نے کہا: یہ تو بڑی آسان چیز ہے، کہو الف۔ لیکن اس نے نہ کہا۔ استاد نے بہتیری کوشش کی کہ وہ الف کہے لیکن اس نے نہ یہ حرف کہنا تھا اور نہ کہا۔

دوسرے لوگ آئے، اس کے ماں باپ بھی آئے۔ سب نے اس سے کہا کہ کہو ''الف'' لیکن اس نے نہ کہا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم یہ حرف کیوں نہیں کہتے؟ اس نے کہا کہ اگر میں ''الف'' کہہ دوں گا تو پھر مجھے کہا جائے گا کہ کہو ''ب'' اور جب میں ''ب'' کہوں گا تو کہا جائے گا کہ کہو ''ت'' اور جب میں ''ت'' کہوں گا تو کہا جائے گا کہ کہو ''ث''۔ اس لئے میں شروع سے ''الف'' ہی نہیں کہتا تاکہ مجھے باقی ماندہ حروف کہنے ہی نہ پڑیں اور پھر مجھے اسکول سے اٹھالیا جائے تاکہ میری ذہنی پریشانی دور ہوجائے۔ اگر اس وقت میں ''الف'' کہہ دوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنی جوانی کا زمانہ اسکول میں گزاردوں۔

قربان جایئے مسٹر مورس مٹرلنگ کے جو اس خیال سے کہ ''خدا'' درمیان میں نہ آئے کہتے ہیں کہ چھتے کی روح، شہد کی مکھی کو وحی کرتی ہے۔ (فلسفہء اخلاق ص ۱۱۷۔۱۱۸)

Marfat.com

تو وہی چیز ہے جس کی تجھے تلاش ہے

انسان وہی چیز ہے جسے وہ چاہتا ہے اور جسکے بارے میں وہ سوچتا ہے۔ اخبار اہلبیت علیہم السلام میں اس بارے میں یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ: "مَنْ اَحَبَّ حَجَرًا حَشَرَهُ اللّٰهُ مَعَهُ۔" اگر انسان ایک پتھر سے محبت کرے تو وہ اسی پتھر کے ساتھ محشور ہوگا کیونکہ وہ خود پتھر بن جاتا ہے۔

خراسان کا رہنے والا ایک شخص دور دراز مقام سے بہت تکلیفیں اٹھا کر پاپیادہ اس حال میں کہ اس کے جوتے پھٹ چکے تھے اور پاؤں زخمی ہو چکے تھے مگر اہلبیتؑ کی محبت اس کے دل میں موجزن تھی، امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اس ملاقات پر خدا کا شکر ادا کیا اور عرض کیا: یا ابن رسول اللہ! آپ اہلبیتؑ کی محبت کے سوا کوئی چیز مجھے یہاں لانے کا سبب نہیں بنی۔ پھر اس نے اپنے زخمی پاؤں امامؑ کو دکھائے۔

آپؑ نے فرمایا: جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ محشور ہوتا ہے یعنی اس کی حقیقت بھی اس کے محبوب سے متصل ہو جاتی ہے۔

گر در طلب گوہر کانی ، کانی   ور در پی جستجوی جانی ، جانی

اگر تو کان کے ہیرے کا طلبگار ہے تو درحقیقت تو خود کان ہے اور اگر تو اپنے محبوب کی جستجو میں ہے تو درحقیقت تو خود ہی محبوب ہے۔

من فاش کنم حقیقت مطلب را   ہر چیز کہ در جستن آنی ، آنی

میں اس راز کو فاش کرتا ہوں کہ تو وہی چیز ہے جس کی تجھے تلاش ہے۔

(فلسفہء اخلاق ص ۱۲۴۔۱۲۵)

خادمان علم

علم کو ان لوگوں نے ترقی دی ہے جو علم کے شیدائی رہے ہیں۔ اگر سبھی لوگ روزی کمانے کی خاطر علم حاصل کرتے تو علم ہرگز اتنی ترقی نہ کرتا۔ بوعلی سینا وزیر تھے۔ لوگوں نے ان

Marfat.com

کی عیب جوئی کی جس کے نتیجے میں وہ زیر عتاب آ گئے۔

چنانچہ وہ ایک خفیہ جگہ پر جا کر چھپ گئے۔ اس خفیہ جگہ پر انہیں کافی فرصت میسر آئی چنانچہ انہوں نے کتابیں لکھنا شروع کر دیں۔ ان کے شاگرد چوری چھپے آتے اور بوعلی سینا انہیں اسی خفیہ مقام پر ''شفا'' جیسی مشہور کتابیں لکھواتے۔

اسی دوران بوعلی سینا کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمی دور ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ بوعلی سینا جہاں کہیں چھپے ہوں باہر آ جائیں اور اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جائیں۔

جب بوعلی سینا تک یہ خبر پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ میرے لئے یہ خفیہ مقام اور یہ مشغلہ، وزارت سے کہیں بہتر ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ باہر چلے گئے تو انہیں مجبور کیا جائے گا کہ وہ وزارت کا کام دوبارہ سنبھال لیں۔ لہٰذا انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔

ان کے کچھ نوکروں نے جنہیں ان کے عہدۂ وزارت سے فائدہ پہنچتا تھا ان کے باہر آنے پر اصرار کیا لیکن وہ نہ مانے۔ آخرکار ان نوکروں نے ان کے خفیہ ٹھکانے کا پتا بتا دیا اور بوعلی سینا کو وہاں سے زبردستی باہر لایا گیا۔ (اسلام و مقتضیات زمان ص ۲۳۸)

ضمیر اور احساس کا انقلاب

بعض مخصوص حالات میں انسانی معاشروں میں ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ اس معاشرے کے ''اجتماعی ضمیر'' پر چوٹ پڑتی ہے۔ جی ہاں! جس طرح ایک فرد کا ضمیر ہوتا ہے اسی طرح ایک معاشرے کا بھی ضمیر ہوتا ہے۔ اگر آپ مشاہدہ کریں تو بعض اوقات ایک انتہائی شقی القلب شخص بھی ایسے مناظر سے دوچار ہو جاتا ہے کہ اس کے ضمیر کو دھچکا لگتا ہے اور وہ پشیمان ہو جاتا ہے چونکہ بالآخر وہ انسان ہے۔

مثلاً ایک فرد جو ہمیشہ جلاد کے طور پر کام کرتا رہا ہو (جلاد سے زیادہ سنگدل کوئی نہیں ہوتا) جب اسے ایسی صورتحال کا سامنا ہو کہ اسے مسلسل خونریزی کرنے کے لئے کہا جائے اور اچانک اس کا سامنا ایک بے گناہ شخص سے ہو تو وہ اپنا خنجر زمین پر پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ

Marfat.com

میں اس کا خون نہیں بہا سکتا چاہے مجھے قتل کر دیا جائے۔

گویا ایک آدمی جس نے سیکڑوں ناحق خون کیے ہوں کبھی کسی موقع پر بہر حال ایسی صورتحال سے دوچار ہو جاتا ہے کہ اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑ دیتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ مغلوں اور چنگیزیوں سے منسوب یہ داستان مبالغہ ہے یا حقیقت، (اگرچہ ان کا طرزِ عمل دیکھتے ہوئے اس داستان کا مبنی بر حقیقت ہونا تعجب خیز بھی نہیں۔) کہتے ہیں کہ چنگیز خان نے اپنی فوج میں سے کچھ افراد چن کر آج کل کی اصطلاح میں ایک لیجین (Legion)[1] تیار کی۔

دور حاضر میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں سے بن ماں باپ کے ایسے افراد بھرتی کیے جاتے ہیں جن میں رحم کا جذبہ مفقود ہوتا ہے۔ ان افراد پر مشتمل ایک لیجین تشکیل دی جاتی ہے۔ کرائے کے یہ لوگ روپے پیسے کے عوض ہر کام کر گزرتے ہیں اور ان کے اندر ضمیر نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ چنگیز خان نے ایک ایسی ہی فوج ترتیب دی۔ اس فوج نے بخارا کو جلا کر راکھ کر دیا۔ دوسرے شہروں میں قتل عام کیا۔ اسی شہر نیشاپور میں قتل عام کیا اور مردوں، عورتوں، بچوں حتیٰ کہ گھوڑوں، گدھوں، خچروں اور بیلوں تک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر شہر کو تباہ و برباد کیا اور اس پر ہل چلا دیئے۔

ان سب تباہ کاریوں کے بعد ایک روز وہ لوگ بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے سردار نے پوچھا: کیا کبھی ایسا بھی ہوا کہ تم میں سے کسی کا ضمیر جاگ اٹھا ہو اور اس کے دل میں رحم آیا ہو؟

ان میں سے ایک بولا: جی ہاں! حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں رحم آیا۔

سردار نے پوچھا: کہاں؟

اس نے جواب دیا: میں ایک خاندان پر چڑھ دوڑا اور ان سب کو قتل کر دیا۔ پھر میں ایک بچے کی جانب بڑھا جو جھولے میں لیٹا ہوا تھا۔ حکم کے مطابق مجھے اس بچے کو بھی قتل کر دینا چاہیے تھا۔ میں نے اس کے گلے پر خنجر سے وار کیا۔ جب میں نے خنجر اس کے ہونٹوں پر رکھا تو

۱۔ رومی فوج کی ایک ڈویژن جو مختلف ادوار میں تین ہزار سے چھ ہزار نفوس پر مشتمل ہوتی تھی اور اس کا ہر فرد Legionary کہلاتا تھا۔ آج کل یہ نام فوج کے ایک بڑے دستے یا رجمنٹ کو دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

بچے نے منہ کھول دیا۔ وہ سمجھا کہ اس کی ماں کی چھاتی ہے۔ اس وقت میرے دل میں رحم کا جذبہ بیدار ہوا لیکن آخرکار میں نے حکم کے مطابق عمل کیا۔

سردار نے کہا: نہیں۔ تم ہمارے کام کے آدمی نہیں ہو۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔

نفسانی خواہشات

قرآن مجید میں نفسانی خواہشات کا مسئلہ تکرار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ چونکہ انسان نے بہت سے افکار اس بنا پر قبول کر لئے ہیں کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ انہیں قبول کرلے۔ اگرچہ عقل و شعور اس کے متقاضی نہیں ہوتے لیکن اس کا دل چاہتا ہے کہ ایسا ہونا چاہئے اور اب چونکہ اس کا دل چاہتا ہے کہ ایسا ہونا چاہئے اس لئے درحقیقت اس نے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی شروع کردی۔

میں سیاسی اور معاشرتی حوالے سے نفسانی خواہشات کی پیروی کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ آپ اسے زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر منطبق کرلیں۔

دس پندرہ سال قبل (یہ ۱۹۶۰ء کا ذکر ہے) جب کینیڈی امریکہ کا صدر منتخب ہوا اور بعد میں قتل کردیا گیا اس وقت ایک اخبار نے لکھا تھا کہ ایک میاں بیوی نے کینیڈی کو ووٹ دیئے تھے — ایک خاص شخص کو ووٹ دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انسان اس شخص میں اس کام کی صلاحیت دیکھتا ہے اور اس بنا پر اسے ووٹ دیتا ہے — الیکشن کے بعد شوہر سے پوچھا گیا کہ تم نے کینیڈی کو کیوں ووٹ دیا —؟ امریکہ میں یہ معمول ہے کہ جو شخص صدارت کا امیدوار ہوتا ہے وہ اپنی بیوی کے ساتھ ٹیلی ویژن پر آتا ہے اور تقریر کرتا ہے — چونکہ اس شخص نے کینیڈی کو ٹیلی ویژن پر دیکھا تھا اس لئے جواب میں کہنے لگا: مجھے اس کی بیوی جیکولین بڑی خوبصورت اور حسین لگی۔ اسی طرح جب اس کی بیوی سے پوچھا گیا کہ تم نے کینیڈی کو کیوں

Marfat.com

ووٹ دیا؟ تو اس نے کہا کہ کینیڈی بڑا خوبصورت اور وجیہ مرد ہے۔

ہم نے یہ مثال سیاسی امور کے سلسلے میں دی ہے۔ یعنی جب انسان ووٹ دے تو اسے چاہئے کہ مخصوص کام کے لئے امیدوار کی صلاحیت کو مدنظر رکھے۔ اس مرد نے صدر امریکہ کی بیوی کی خوبصورتی کو اور اس کی بیوی نے صدر امریکہ کی خوبصورتی کو ووٹ دینے کا معیار قرار دیا۔ یہ مثال ہے اس چیز کی جس میں عقل وشعور سے کام لیا جانا چاہئے لیکن وہاں پر نفسانی خواہشات کی پیروی کی گئی۔

ہمیں دینی امور تک میں ان مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ایک ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جو عقل اور دین کے مزاج سے نہیں بلکہ لوگوں کی نفسانی خواہشات سے مطابقت رکھتا ہے اور لوگ وہ کام صرف اس دلیل کی بناپر کرتے ہیں کہ وہ کام ان کی نفسانی خواہشات سے مطابقت رکھتا ہے اور پھر اسے دین کا نام دے دیتے ہیں۔

دین قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں

قرآن مجید کی مختلف تفاسیر میں لکھا ہے کہ مدینے میں ایک انصاری اسلام لانے سے پہلے بت پرست تھے۔ اسلام سے متاثر ہوکر وہ مسلمان ہوگئے لیکن ان کے دو بیٹے بجائے اسلام لانے کے عیسائی ہوگئے اور ان کو عیسائیت سے بڑا گہرا جذباتی لگاؤ ہوگیا تھا جس کا ان کے مسلمان باپ کو بہت دکھ تھا کہ ان کے دونوں بیٹوں نے عیسائیت قبول کرلی ہے۔

ایک دن جب وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگا کہ یارسول اللہؐ! میں کیا کروں؟ یہ بچے عیسائی ہیں اور میری تمام تر کوششوں کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتے۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں انہیں مجبور کروں کہ یہ اپنا دین بدل دیں اور مسلمان ہوجائیں؟

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: نہیں! "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ." (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۵۶)

(جہاد ص ۳۱)

عقیدے کی آزادی

جیسا کہ آپ جانتے ہیں مدینہ میں اوس و خزرج دو قبیلے آباد تھے۔ یہی لوگ مدینہ کے اصل باشندے تھے اور یہودیوں کے چند بڑے قبیلوں کے ہمسائے تھے۔ یہودی قبائل بعد میں مدینہ آئے تھے۔ ان کا ایک قبیلہ بنونظیر، دوسرا بنوقریظہ اور تیسرا قبیلہ بنوقینقاع تھا اور یہ سب قبائل مدینہ کے نواح میں رہتے تھے۔

یہودی ایک آسمانی مذہب کے پیروکار تھے اور ایک آسمانی کتاب کو مانتے تھے اس لئے ان کے درمیان کم یا زیادہ پڑھے لکھے لوگ پیدا ہوتے رہتے تھے۔ اس کے برعکس مدینہ کے اصل باشندے بت پرست تھے اور ان میں پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں تھے۔ تاہم یہودیوں سے میل جول کے سبب ان کے درمیان بھی کچھ پڑھے لکھے افراد پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ چونکہ تہذیب و تمدن کے نقطۂ نگاہ سے یہودی بہتر تھے اور ان کی فکری سطح بھی بلند تھی اس لئے اوس اور خزرج ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگرچہ اوس اور خزرج مذہبی نقطۂ نگاہ سے یہودیوں سے یکسر مختلف تھے لیکن وہ یہودیوں کے عقائد سے بڑے متاثر تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات وہ اپنے بچوں کو حصول تعلیم کے لئے یہودیوں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے جن سے متاثر ہوکر اکثر بت پرست بچے اپنا آبائی دین چھوڑ کر یہودیت قبول کرلیا کرتے تھے۔

جب رسول اکرمؐ مدینہ تشریف لائے تو اوس اور خزرج کے بہت سے بچے ان یہودیوں کے زیرتربیت تھے اور انہوں نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا۔ ان میں کچھ بچے ایسے بھی تھے جنہوں نے بعد میں وہ مذہب ترک نہ کیا۔ چنانچہ ان کے ماں باپ تو مسلمان ہوگئے لیکن بچے یہودیت پر قائم رہے۔ جب یہ طے پایا کہ یہودی مدینہ کا نواحی علاقہ خالی کردیں اور وہاں سے چلے جائیں تو وہ بچے بھی اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ اس وقت ان بچوں کے والدین رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے بچوں کو یہودیوں سے جدا کرلیں اور انہیں اس بات پر مجبور کریں کہ وہ یہودیت ترک کر کے مسلمان

ہو جائیں۔ آنحضرتؐ نے اس بات کی اجازت نہیں دی۔

ان لوگوں نے کہا: یارسول اللہؐ! ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم انہیں زبردستی واپس لے آئیں اور مسلمان بنائیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: نہیں۔ اب جبکہ انہوں نے خود ان کے ہمراہ جانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو انہیں ان کے ساتھ جانے دو۔

کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ." کی آیت نازل ہوئی جس کے معنی ہیں کہ دین قبول کرنے میں کسی طرح کی کوئی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے۔ (جہاد ص۳۴)

توبہ کا اثر

مرحوم حاج میرزا جواد آقای ملکی تبریزی اپنے زمانے کے بڑے عارفوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے آج (وقت تقریر) سے تقریباً پچاس سال پہلے وفات پائی اور ان کی قبر قم میں ہے۔ مجھے جب کبھی قم جانے کا شرف حاصل ہوتا ہے تو میری یہ آرزو ہوتی ہے کہ ان بزرگوار کی قبر کی زیارت کروں۔

انہوں نے اپنے ملفوظات میں اپنے استاد بزرگوار آخوند ملا حسین قلی ہمدانی کا ذکر کیا ہے جو اپنے زمانے کے ایک بے نظیر عارف تھے۔

مرحوم تبریزی لکھتے ہیں کہ ایک شخص مرحوم آخوند کے پاس آیا اور مرحوم آخوند نے اسے توبہ کروائی۔ جب وہ شخص ۴۸ گھنٹے کے بعد دوبارہ ہمارے سامنے آیا تو ہم اسے پہچان نہ سکے۔ وہ اس قدر بدل گیا تھا کہ ہمیں یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جسے ہم نے ۴۸ گھنٹے پہلے دیکھا تھا۔ (فلسفۂ اخلاق ص۱۱۹۔۱۲۰)

Marfat.com

اصحاب حسینؑ کی وفاداری

ایک جلیل القدر شیعہ عالم کہتے ہیں کہ مجھے اس بات میں تأمل تھا کہ امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے شب عاشور یہ کہا ہو: ''میں نہیں جانتا کہ کسی کو میرے اصحاب سے بہتر اور باوفا ساتھی ملے ہوں۔'' کیونکہ میرے خیال میں امامؑ کے اصحاب نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا تھا بلکہ دشمن نے انتہائی شقاوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ امام حسینؑ چمنستان رسالت کے پھول، اپنے زمانے کے امام اور علیؑ و زہراؑ کے فرزند دلبند تھے۔ ہر مسلمان اگر امام حسینؑ کو اس حالت میں دیکھتا تو ضرور ان کی مدد کرتا۔ جن لوگوں نے ان کی مدد کی انہوں نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا تھا بلکہ جنہوں نے ان کی مدد نہیں کی وہ بہت برے لوگ تھے۔ یہ عالم کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے اس غفلت، جہالت اور غلطی سے نجات دلانا چاہتا تھا۔

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کربلا کا میدان ہے اور میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچا ہوں تاکہ ان کی مدد کے لئے آمادگی کا اظہار کروں۔ میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض سلام کے بعد بولا: فرزند رسولؐ! میں آپؑ کی مدد کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ میں آپؑ کی خدمت میں آیا ہوں تاکہ آپؑ کے اصحاب میں شامل ہو جاؤں۔

آپؑ نے فرمایا: ہم مناسب وقت پر تمہیں حکم دیں گے۔

نماز کا وقت ہوگیا (ہم نے مقتل کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ سعید بن عبداللہ حنفی اور کچھ دوسرے افراد آئے اور امامؑ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہوگئے تاکہ آپ نماز ادا کرسکیں)۔ آپ نے فرمایا: ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ تم یہاں کھڑے ہو جاؤ تاکہ جب دشمن تیر پھینکیں تو تم انہیں روک لو۔

میں نے عرض کیا: میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ چنانچہ میں امامؑ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور آپ نماز ادا کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک تیر بڑی تیزی سے امامؑ کی جانب آ رہا ہے۔ جب وہ تیر میرے نزدیک آیا تو میں بے اختیار جھک گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ تیر امامؑ کے مقدس بدن میں پیوست ہوگیا۔ میں نے خواب میں کہا: ''اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ

Marfat.com

وَاَتُوبُ اِلَیہِ" بہت بری بات ہوئی ہے۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ پھر دوسرا تیر آیا اور جب وہ میرے پاس پہنچا تو میں جھک گیا اور یہ تیر بھی امام کو جالگا۔ تیسری اور چوتھی بار بھی ایسا ہی ہوا اور تیر امام کو لگتے رہے۔

اچانک میں نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام مسکراتے ہوئے فرما رہے ہیں: "مارایتُ اصحَاباً ابرُّ واوفی مِن اصحَابی"؛ یعنی میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا اصحاب نہیں دیکھے۔ تم اپنے گھروں میں بیٹھ کر مسلسل کہتے ہو کہ "یالَیتَنا کُنّا مَعَکَ فَنفُوزَ فوزاً عَظِیماً" یعنی کاش ہم بھی وہاں ہوتے، کاش ہمیں بھی یہ سعادت نصیب ہوتی۔ دراصل عمل کا موقع ہی نہیں آیا تاکہ پتا چلتا کہ تم عمل کی منزل میں بھی پورے اترتے ہو یا نہیں۔ میرے اصحاب فقط زبانی جمع خرچ کرنے والے لوگ نہیں تھے بلکہ عمل کرنے والے لوگ تھے۔

بات اصحاب حسینؑ تک آپہنچی ہے تو سنیے:

عاشورا کے روز بیشتر اصحاب ظہر سے پہلے ہی شہید ہوگئے تھے۔ یعنی عاشورا کی ظہر تک کچھ اصحاب، تمام اہلبیت اور خود امام حسینؑ بقید حیات تھے۔ پہلے مرحلے میں اصحاب تیراندازی کے نتیجے میں اس وقت شہید ہوئے جب دونوں صفیں ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑی تھیں۔ بہتر افراد پر مشتمل امام حسینؑ کی صف چھوٹی تھی لیکن جوش، جذبے، ولولے اور شجاعت کے لحاظ سے بے نظیر تھی۔

امام حسینؑ اس بات پر بالکل تیار نہ تھے کہ ذرہ برابر احساس شکست اپنے اوپر طاری کریں۔ بہتر افراد کو انہوں نے ایک منظم انداز میں میمنہ، میسرہ اور قلب میں تقسیم کیا اور ان کے سردار مقرر کیے۔

آپؑ نے جناب زہیر بن قینؑ کو اپنے لشکر کے میمنہ کا اور جناب حبیب ابن مظاہرؑ کو میسرہ کا سردار مقرر فرمایا اور لشکر کا علم اپنے دلیر بھائی ابوالفضل العباسؑ کو عطا فرمایا۔ اسی روز ابوالفضل العباسؑ "علمدار" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اصحاب حسینؑ نے جنگ شروع کرنے کی اجازت مانگی لیکن امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، جب تک دشمن جنگ میں پہل نہیں کرے گا ہم بھی جنگ شروع نہیں کریں گے۔

Marfat.com

عمر بن سعد نے شروع میں حیلے بہانے سے کام لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ دین اور دنیا دونوں کو سمیٹ لے۔ وہ ابن زیاد سے رے کی حکومت بھی حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ اس نے مسلسل مصالحت آمیز خط لکھے تاکہ جنگ نہ ہو۔

ابن زیاد معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اس نے اسے سخت لہجے میں خط لکھا اور کہا کہ اس بات کا دوٹوک فیصلہ کرو۔ اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو اسے ایک دوسرے شخص کے سپرد کردو جسے میں نے نامزد کردیا ہے۔

عمر بن سعد دنیا کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسے دین اور دنیا میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے دین کو چھوڑ دیا۔ اس نے کہا میں جنگ کروں گا اور امیر کے حکم کی اطاعت کروں گا۔

روز عاشور عمر بن سعد نے جس کمینگی کا مظاہرہ کیا اس کی وجہ اس کی یہ سوچ تھی کہ ممکن ہے پہلے ابن زیاد کو یہ رپورٹیں ملی ہوں کہ عمر بن سعد ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے اور اس نے کسی حد تک حسینؑ کی حمایت کی ہے۔ لہذا اپنے آپ کو ابن زیاد کے سامنے شرمندگی سے بچانے کے لئے اس نے روز عاشور انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ جب دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے تو اس نے اپنے تیر اندازوں سے کہا کہ تیار ہو جاؤ۔ سب تیار ہو گئے۔ پہلا شخص جس نے تیر کمان میں چڑھا کر امام حسین علیہ السلام کے خیموں کی جانب پھینکا وہ خود عمر بن سعد تھا۔

اس نے تیر چلا کر کہا: اے لوگو! تم سب عبیداللہ ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ پہلا شخص جس نے حسینؑ کی جانب تیر پھینکا وہ میں تھا۔

جب بھی میں تاریخ کربلا کے اس موڑ پر پہنچتا ہوں تو مجھے اپنے اور آپ کے نہایت عزیز دوست جو ہمیں داغ مفارقت دے گئے یعنی مرحوم ڈاکٹر ابراہیم آیتی رضوان اللہ علیہ کی وہ مجلس یاد آجاتی ہے جو یا تو ان سے سنی تھی یا ان کی کتاب میں پڑھی تھی۔

انہوں نے فرمایا تھا: کربلا کی جنگ ایک تیر کے ساتھ شروع ہوئی اور ایک تیر کے

ساتھ ختم ہوگئی۔ یہ جنگ اس تیر کے ساتھ شروع ہوئی جو عمر بن سعد نے پھینکا لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کس تیر کے ساتھ ختم ہوئی؟ ہاں! اس تیر کے بعد جنگ دو طرفہ نہ رہی بلکہ یکطرفہ ہوگئی۔

آخری تیر اس وقت چلا جب امام مظلوم اباعبداللہ الحسین علیہ السلام میدان کارزار کے بیچ میں کھڑے تھے اور متعدد بار حملے کرنے اور واپس آنے کے نتیجے میں تھک چکے تھے۔ اچانک آپ کی مبارک پیشانی پر ایک پتھر آ کر لگا۔ آپ نے قمیض اوپر اٹھائی تا کہ اس کے ساتھ پیشانی کا خون صاف کریں۔ اسی اثناء میں ایک زہر آلود تیر آیا اور آپ کے سینۂ پُرنور میں پیوست ہوگیا۔ بس یہاں ہمارے مولا و آقا کی جنگ تمام ہوئی۔

اس کے بعد آپ نے کوئی جنگی نعرہ نہیں لگایا اور آپ کا مخاطب فقط آپ کا پروردگار تھا۔ بِسمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ. (گفتارہای معنوی ص۲۳۹ تا ۲۴۲)

یوم عاشورا

تاریخ بتاتی ہے کہ عاشورا کے دن جونہی امام حسینؑ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز فجر پڑھ کر فارغ ہوئے آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''میرے دوستو! میرے ساتھیو! تیار رہو، موت ایک پُل ہے جو تمہیں ایک عالم سے دوسرے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ پُل سختیوں سے بھرپور اس دنیا سے دوسری دنیا میں پہنچاتا ہے جو بے حد اعلیٰ، شریف اور لطیف ہے۔''

یہ امامؑ کے الفاظ تھے اور اب ان کے اصحاب کا عمل دیکھئے۔

مندرجہ بالا کلام امام حسینؑ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ وقایع نگار کا ساختہ کلام ہے۔ حتیٰ کہ حمید بن مسلم نے جو سرکاری وقایع نگار تھا اس کا ذکر کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ: ''مجھے حسینؑ بن علیؑ پر تعجب ہوتا ہے۔ جوں جوں ان کی شہادت کا وقت قریب آتا جارہا تھا اور ان کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا ان کا چہرہ ایک ایسے شخص کی مانند روشن ہوتا جارہا تھا جس کا

Marfat.com

اپنے محبوب سے وصال قریب ہو۔"

وہ یہاں تک کہتا ہے کہ: "ان لمحات میں جب اس ازلی اور ابدی لعین نے حسینؑ کا سرتن سے جدا کیا میں ان کے پاس پہنچا۔ جب میری نگاہ حسینؑ پر پڑی تو "لَقَدْ شَغَلَنِیْ نُوْرُ نُوْرَ وَجْهِهِ عَنِ الْفِکْرَةِ فِی قَتْلِهِ." میں ان کے چہرے کی تازگی اور نورانیت میں ایسے گم ہوگیا کہ ان کی موت کو بھی بھول گیا۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ امام عالی مقامؑ نے حملہ کرنے کے لئے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کر رکھا تھا جو حرم کے خیموں سے قریب تھی۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ امامؑ جانتے تھے کہ دشمن کس قدر بے غیرت اور کمینہ ہے اور پھر اس میں اتنی حمیت بھی نہیں ہے کہ کم از کم اتنا ہی سوچ لے کہ ہماری مخالفت حسینؑ سے ہے لہذا ہمیں خیموں سے تعرض نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے آپ چاہتے تھے کہ جب تک آپ کے جسم میں جان باقی ہے اور سانس چل رہی ہے کوئی آپ کے حرم کے خیموں پر حملہ آور نہ ہو۔ آپ حملہ کرتے تھے اور دشمن آپ کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن آپ زیادہ دور تک ان کا پیچھا نہیں کرتے تھے اور واپس آجاتے تھے تاکہ آپ کے حرم کے خیموں پر حملہ نہ ہو۔ آپ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ آپ چاہتے تھے کہ جب تک آپ زندہ ہیں آپ کے اہلبیت کو علم رہے کہ آپ زندہ ہیں۔ لہذا آپ نے ایک ایسے مقام کو اپنا مرکز قرار دیا تھا جہاں سے آپ کی آواز ان تک پہنچ سکتی تھی اور جب آپ واپس آتے تھے تو اس مقام پر کھڑے ہوکر بہ آواز بلند فرماتے تھے: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ. (حماسۂ حسینی جلد اول)

سفر کے فائدے

تاریخ میں ایسے کئی عالموں اور دانشوروں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے عقل وشعور کی پختگی کے بعد مختلف سفر اختیار کئے خصوصاً ایسے سفر جو ان کے کمال میں اضافے کا باعث بنے۔ مثلاً

شیخ بہائی جو علماء میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں اور مختلف علوم وفنون کے ماہر ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ ہیں جو ایک ہمہ جہت شاعر ہیں۔ انہوں نے رزمیہ شاعری کے ساتھ ساتھ عرفانی غزلیں اور پند ونصیحت کے اشعار ہی نہیں کہے بلکہ وہ شاعری کی تمام اصناف میں بلند مقام رکھتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی عمر کے تیس سال مسافرت میں گزارے۔ انہوں نے نوے برس عمر پائی جن میں سے تیس سال تحصیل علم میں گزارے اور پھر اندازاً تیس سال تک دنیا کے مختلف حصوں میں سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد کا تیس سال کا عرصہ شیخ سعدیؒ کے کمال اور پختگی کا زمانہ ہے جس میں انہوں نے مختلف کتابیں لکھیں۔ ''گلستان'' اور ''بوستان'' ان کی پختگی کے دور کی یادگار ہیں۔ اسی بنا پر شیخ سعدیؒ نسبتاً ایک کامل اور پختہ شخص ہیں۔ وہ بوستان میں کہتے ہیں:

در اقصای عالم بگشتم بسی
بسر بردم ایام با ہرکسی
ز ہر گوشہ توشہ ای یافتم
ز ہر خرمنی خوشہ ای یافتم

وہ گلستان اور بوستان کی داستانوں میں کہتے ہیں: میں بعلبک کی جامع مسجد میں تھا وہاں یہ ہوا۔ ایک اور جگہ پر کہتے ہیں میں کاشمر میں تھا وہاں یہ ہوا۔ کہاں بعلبک اور کہاں کاشمر۔ کہتے ہیں کہ کاشمر میں میری ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی جو نحو پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا:

طبع ترا تا ہوس نحو شد
صورت یکی از دل ما محو شد

کبھی کہتے ہیں میں ہندوستان میں سومناتھ میں تھا اور وہاں یہ ہوا۔ میں نے وہاں کیا کیا دیکھا اور کیا ہوا۔ میں حجاز میں سفر کر رہا تھا اور ایک شخص میرے ساتھ تھا اس نے یہ کیا۔ انہوں نے یہ تمام چیزیں اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ شاعر کی روح انہی

تجربات کی بدولت کمال حاصل کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ شیخ سعدیؔ کے اشعار میں زندگی کا ہر پہلو پائیں گے۔ لیکن حافظؔ کے اشعار میں یہ بات نہیں ہے۔

سعدیؔ کی طرح مولانا رومؔ کے اشعار میں بھی وہی بات دیکھنے میں آتی ہے کیونکہ مولانا رومؔ نے بھی بہت سے سفر کئے۔ اس لئے وہ مختلف اقوام، ان کی تہذیبوں اور زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ صرف ان کی زبانیں جانتے ہیں بلکہ ان کے مختلف الفاظ استعمال بھی کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک حافظؔ کا تعلق ہے۔ اس تمام عقیدت و ارادت کے باوجود جو ہمیں حافظؔ سے ہے، جو واقعی ایک ایسے غیر معمولی عارف تھے جن کی عرفانی غزلوں کے معاملے میں شیخ سعدیؔ ان کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ وہ اس معاملے میں بہت عمیق ہیں۔ ان کے کلام میں ایک ہی پہلو پایا جاتا ہے۔ وہ شیراز کو نہ چھوڑ سکے چنانچہ کہتے ہیں:

اگرچہ اصفہان آب حیات است
ولی شیراز ما از اصفہان بہ

یا کہتے ہیں:

خوشا شیراز و وصف بی مثالش
خداوندا نگہدار از زوالش

ان کی سرگرمیاں، ان کے مصلّے اور ان کی جائے سکونت تک محدود رہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ یزد کا سفر کیا لیکن اتنے پریشان ہوئے کہ مسلسل آرزو کرتے رہے کہ شیراز لوٹ جائیں:

ای خوش آن روز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم وزپی جانان بروم
دلم از وحشت زندان سکندر بگرفت
رخت بربندم و تا ملک سلیمان بروم

یہ اشعار جہاں عرفانی ہیں وہاں ان کی کیفیت بھی بیان کرتے ہیں۔ دوسرے شعر کی تشریح یہ ہے کہ تاریخ اور قدیم قصوں میں لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم ایران آیا تو اس نے یزد کو

اپنی جیل قرار دیا یعنی جس شخص کو وہ قید کرتا تھا اسے یزد کے قیدخانے میں ڈال دیتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگلے وقتوں میں شیراز اور تخت جمشید کو ''ملک سلیمان'' کہا جاتا تھا:

دلم از وحشت زندان سکندر ـ بگرفت

رخت بر بندم و تا ملک سلیمان بروم

اگر ان اشعار کے عرفانی پہلو کو مدنظر رکھیں تو ''زندان سکندر'' سے مراد بدن، مادہ اور مادی دنیا ہے اور ''ملک سلیمان'' کے معنی روحانی دنیا کے ہیں۔ لیکن بعد میں اس لئے کہ اہل یزد کے جذبات مجروح نہ ہوں اور وہ حافظ کو احسان فراموش نہ کہیں اور وہ خود بھی احسان فراموش نہ بنیں اور اس بات کا اعتراف کرنے کے لئے کہ یزد کے لوگوں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے وہ ایک اور شعر میں ان کی تعریف کرتے ہیں:

اے صبا از ما بگو باساکنان شہر یزد

ای سرما حق شناسان گوی چوگان شما

بہرحال ہندوستان کی جانب ان کا ایک سفر طے پایا۔ وہ ساحل سمندر تک گئے لیکن وہاں پہنچ کر کہنے لگے کہ سمندر ہمارے بس کی بات نہیں اور وہاں سے شیراز واپس لوٹ آئے اور اپنے آپ کو مصلے تک محدود کرلیا اور پھر کبھی شیراز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

بلاشبہ شیخ بہائی میں — کہ جنہوں نے دنیا بھر کی سیر کی — اور اس عالم میں جس نے اپنی ساری زندگی نجف میں گزاردی ہو بہت فرق ہے۔ شیخ بہائی ایک ایسے انسان تھے جن کا دنیا کے بہت سے گروہوں اور قوموں سے واسطہ پڑا تھا۔ ہمارے بہت سے اور علماء بھی ایسے ہی تھے۔ جب ہم تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ جن علماء نے زیادہ سفر کئے، مختلف لوگوں سے رابطہ رکھا، مختلف علوم کے اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ہر شہر میں لوگوں کے ساتھ رہے وہ ان افراد کے مقابلے میں زیادہ وسیع فکر رکھتے ہیں جو ان کے خیال کے مطابق نابغہ روزگار ہیں۔ اگرچہ کہ ان کی ''عبقریت'' سفر کرنے والے علماء سے کمتر نہیں ان کا اخلاص ان سے کمتر نہیں لیکن انہوں نے ہمیشہ ایک ماحول میں زندگی بسر کی ہے اور اپنے ''ماحول'' سے باہر نہیں نکلے۔ چنانچہ قدرتی طور پر ان کی فکری پختگی ان کے برابر نہیں ہوسکتی۔ (گفتارہای معنوی ص ۲۵۱ تا ۲۵۴)

Marfat.com

نوشیروان کی نخوت پسندی

کرسٹن سن لکھتا ہے کہ نوشیروان نے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کسی مسئلے کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ جب اس نے اپنی رائے بیان کی تو سب نے کہا کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ درست ہے۔

ایک وزیر بیچارا دھوکا کھا گیا۔ وہ سمجھا کہ یہ محفل واقعی مشورے کے لئے منعقد کی گئی ہے اور اس کو بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کرے۔ لہذا اس نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اپنی رائے پیش کروں۔ چنانچہ اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور نوشیروان کے نظریے کی خامیاں بھی گنوائیں۔

نوشیروان نے اسے بے ادب اور گستاخ کے القاب سے نوازا اور فوراً حکم دیا کہ اسے سزا دی جائے۔

چنانچہ دوسروں کے سامنے اس کے سر پر وہ قلمدان جو وہاں موجود تھے اس قدر مارے گئے کہ وہ وہیں مر گیا۔ (گفتار ہای معنوی ص ۲۳)

قبول ہونے والی توبہ

اب میں آپ کے سامنے میدان کربلا کے ایک تائب کا حال بیان کرتا ہوں۔ کربلا میں ایک مقبول اور خلوص دل سے کی گئی توبہ حر بن یزید ریاحیؒ کی توبہ ہے۔ حر ایک بہادر اور طاقتور شخص تھا۔ جب عبیداللہ ابن زیاد نے پہلی مرتبہ ایک ہزار سوار امام حسینؑ کے مقابلے پر بھیجنے کا فیصلہ کیا تو اس نے حر کا انتخاب کیا۔ حر نے رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ پر ظلم وستم کئے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انسان کسی بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا ضمیر، خواہ ضمیر نیم مردہ ہی کیوں نہ ہو، ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

Marfat.com

اب آپ دیکھیں کہ پست روحوں کے مقابل میں بلند ارواح کا ردعمل کس طرح ظاہر ہوتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حر بن یزید ریاحیؒ کو عمر بن سعد کے لشکر میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ پتنگے کی مانند لرز رہا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور میں نے آگے بڑھ کر کہا: اے حرؒ! میں تمہیں بڑا جری سمجھتا تھا اور اگر مجھ سے کوفہ کے شجاع ترین شخص کے بارے میں پوچھا جاتا تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ یہ کس چیز نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے کہ تمہارا بدن لرز رہا ہے۔

حرؒ نے کہا: تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں جنگ سے نہیں ڈرتا۔

میں نے کہا: تو پھر کس سے ڈرتے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں اپنے آپ کو جنت اور جہنم کے دوراہے پر پاتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے جنت اور جہنم میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ یہ راستہ اختیار کروں یا وہ راستہ اختیار کروں؟

لیکن آخرکار اس نے بہشت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے گھوڑے کو اس طرح ایک جانب ہٹا لیا کہ کوئی یہ نہ سمجھ سکے کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ جونہی وہ ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں فوج یزید کے سپاہی اس کا راستہ نہیں روک سکتے تھے اس نے اچانک اپنے گھوڑے کو چابک مارا اور خیام حسینی کی طرف آ گیا۔ لکھا ہے کہ اس نے اپنی ڈھال کو الٹا کر دیا جو اس بات کی علامت ہے کہ میں جنگ کے لئے نہیں بلکہ امان کے لئے آیا ہوں۔

وہ حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچا اور سلام عرض کیا۔ اس کا پہلا جملہ یہ تھا: "هَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ" یعنی آیا اس گنہگار کتے کی توبہ قبول ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، بلاشبہ قبول ہے۔

آپ امام حسینؑ کا کرم دیکھیں، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جناب یہ کیسی توبہ ہے؟ تم نے ہی تو ہمیں اس حالت تک پہنچایا ہے اور اب توبہ کرنے آئے ہو لیکن امام حسینؑ کا یہ انداز فکر نہیں تھا۔ وہ لوگوں کے لئے سراپا ہدایت تھے۔ جب ان کے تمام جوان قتل ہو چکے تھے اگر

Marfat.com

اس وقت بھی عمرو بن سعد کے لشکری توبہ کر لیتے تو آپ فرماتے کہ میں تم سب کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حادثۂ کربلا کے بعد یزید نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ اگر میں توبہ کرلوں تو کیا میری توبہ قبول ہوجائے گی تو آپ نے فرمایا: ہاں اگر تم واقعی توبہ کرو تو قبول ہوجائے گی لیکن اس نے توبہ نہ کی۔

حر نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: آقا! آپ مجھے اجازت دیں کہ میں میدان میں جاکر اپنی جان آپ پر قربان کردوں۔

لیکن آپ نے فرمایا: تم ہمارے مہمان ہو۔ گھوڑے سے اترو اور تھوڑی دیر یہاں رہو۔

اس نے عرض کیا: آقا! بہتر ہوگا کہ آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔ یہ شخص شرمندگی محسوس کررہا تھا۔ کیوں؟ کیونکہ وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ اے پروردگار میں وہی گنہگار ہوں جس نے تیرے اولیاء کا دل دکھایا اور تیرے نبیؐ کے بچوں کو ڈرایا۔

یہ شخص امام حسین علیہ السلام کے پاس بیٹھنے پر کیوں رضامند نہ ہوا؟ اس لئے کہ اسے فکر تھی کہ اگر میں یہاں بیٹھ جاؤں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ امام حسین علیہ السلام کا کوئی بچہ آجائے اور اس کی نگاہ مجھ پر پڑے اور میں شرمندگی اور خجالت سے غرق ہو جاؤں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ (گفتارہای معنوی ص ۱۲۷ تا ۱۲۹)

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے۔ ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس کچھ زرعی زمین تھی۔ ابن نیزہ کہتا ہے کہ ایک روز آپ کھیتوں میں تشریف لائے۔ خود کدال اٹھائی اور ایک کنویں میں اتر گئے۔ آپ کافی دیر تک کنویں میں بڑی پھرتی سے کھدائی کرتے رہے اور جب آپ باہر نکلے تو پسینہ آپ کے سر اور چہرے سے بہہ رہا تھا۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا: کیا یہاں کھانے کی کوئی چیز ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں، کچھ کدو ہے۔ کیا میں آپ کی خدمت میں پیش کروں؟

آپ نے فرمایا: بہت خوب، لے آؤ۔

پھر آپ اٹھے اور نہر کے کنارے جا کر ریت کی مدد سے اپنے ہاتھ خوب اچھی طرح دھوئے۔ جب آپ کے ہاتھ اچھی طرح صاف ہوگئے اور آپ اپنے ہاتھوں کی مدد سے پانی پینے لگے تو فرمایا: "اِنَّ کَفِّیَ اَنْظَفُ الْاٰنِیَۃَ" یعنی میرے دونوں ہاتھ سب سے زیادہ صاف برتن ہیں۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ پانی پیا۔ (اسلام و مقتضیات زمان ص ۱۶۴)

شاہانہ عزم

کہتے ہیں کہ مامون کو مٹی کھانے کی عادت تھی اور وہ ہمیشہ مٹی کھایا کرتا تھا۔ طبیبوں اور دوسروں کو جمع کیا گیا تاکہ وہ کوئی ایسی ترکیب سوچیں جس کے ذریعے اس کی مٹی کھانے کی عادت چھوٹ جائے۔

اسے ایک معجون دیا گیا اور کہا گیا کہ اسے یہ کرنا چاہئے اور وہ کرنا چاہئے لیکن کوئی تجویز بھی کارگر نہ ہوئی۔

ایک روز جب اس بارے میں باتیں ہو رہی تھیں ایک شخص جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے دروازے کے پاس بیٹھا تھا کہنے لگا: اس درد کی دوا میرے پاس ہے۔

لوگوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: شاہانہ عزم "عَزْمَۃٌ مِّنْ عَزَمَاتِ الْمُلُوْکِ."

یہ سن کر مامون کی رگ غیرت پھڑک اٹھی اور اس نے کہا: یہ ٹھیک کہتا ہے اور پھر وہی ہوا (یعنی مامون کی مٹی کھانے کی عادت چھوٹ گئی)۔ (گفتارہای معنوی ص ۲۵۶)

Marfat.com

آقا میرزا محمد علیشاہ آبادی کی ایک یاد

مجھے یاد ہے کہ ۵۶ واں قمری اور ۱۶ واں شمسی سال میری قم میں طالب علمی کا پہلا سال تھا جبکہ اس سے پہلے ایک دو سال مشہد میں بھی رہا۔

جب میں قم پہنچا تو وہاں مرحوم آقا میرزا محمد علی شاہ آبادی تہرانی کا ذکر خیر اکثر سننے میں آتا تھا کیونکہ وہ مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری کے زمانے میں کئی سال تک قم میں مقیم رہے اور وہاں عرفان پڑھاتے رہے۔ حوزۂ علمیہ قم کے بہت سے اعلیٰ پائے کے لوگ درس عرفان کے حوالے سے ان کے شاگرد تھے۔

مرحوم شاہ آبادی ''مسجد جمعہ'' تہران میں نماز پڑھاتے تھے اور لوگ ان کی عظمت و بزرگی سے ناواقف تھے۔ تہران کے لوگ انہیں ایک پیش نماز کی حیثیت سے جانتے تھے اور انہیں ایک اول درجے کے پیش نماز سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے حالانکہ مرحوم شاہ آبادی کا مرتبہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا۔ میں نے ان کے شاگردوں سے ان کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اور خود ہمارے استاد ان کا غیر معمولی احترام کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ معارف اسلامی پر عبور رکھنے کے حوالے سے وہ شاہ آبادی کو حاج شیخ عبدالکریم حائری کی نسبت زیادہ محترم سمجھتے تھے۔

میں ان بزرگوار کی زیارت کا بے حد مشتاق تھا۔ دو سال بعد جب میں مشہد جانے کے لئے قم سے تہران آیا تو میں بڑے شوق سے مرحوم شاہ آبادی سے ملاقات کرنے کے لئے ''مسجد جمعہ'' گیا۔ ایک چیز مجھے اب تک یاد ہے کہ جب میں مشہد واپس جارہا تھا تو اس وقت میں ایک بیس سالہ نوجوان تھا۔ میں مسجد جمعہ میں ایک جگہ اس برآمدے کے سامنے بیٹھا تھا جہاں وہ نماز پڑھاتے تھے۔ دریں اثناء میں نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں باتیں کررہے ہیں۔ ان میں سے ایک جو بظاہر کسی قصبے سے تہران آیا تھا اور مجھے نہیں معلوم کہ شاید انتظامیہ سے وابستہ تھا یا تجارت کرتا تھا دوسرے آدمی سے کہہ رہا تھا: اس شہر میں آئے ہوئے مجھے کئی سال ہوچکے ہیں لیکن مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے البتہ میں نے ان صاحب سے (یعنی شاہ آبادی سے) توحید کا درس حاصل کرلیا ہے۔

میں ہمیشہ سوچتا ہوں کہ انسان کے لئے یہ کتنی اچھی بات ہے کہ وہ کم از کم ایک آدمی کو زندہ کردے اور اسے حیات نو بخش دے۔ (تفسیر قرآن ص ۲۹۹۔۳۰۰)

Marfat.com

فکری سہارے کی ضرورت

انسانی سماج میں ہمیشہ ہر ظالم حاکم کو خواہ وہ کتنی ہی قوت کا مالک کیوں نہ ہو ایک فکری اور اعتقادی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے ظالمانہ اقتصادی اور سیاسی ''نظام'' کو ''عقیدے'' کے نام پر ایک سہارا دینا چاہتا ہے کیونکہ انسان فطرتاً ایک فکری بنیاد کا محتاج ہے۔ اگر ایک معاشرہ اپنے اوپر مسلط ایک فاسد نظام کے بارے میں صحیح سوچنا شروع کردے تو اس نظام کا قائم رہنا محال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ''نظام'' اپنی بقاء کے لئے ایک فکری اور اعتقادی نظام کا سہارا چاہتا ہے۔ اس نظام کے محرکین چاہتے ہیں کہ ان کے دیئے ہوئے نظام کا ایک فلسفہ اور مقصد ہو یا وہ ایک مذہبی رنگ اختیار کرلے۔

یزید کی حکومت بھی ایک فکری اور اعتقادی سہارے کے بغیر یا کم از کم لوگوں کے موجودہ اعتقادات کی توجیہ کئے بغیر اپنا کام نہیں کرسکتی تھی۔

آپ یہ خیال نہ کریں کہ وہ اس قدر احمق تھے کہ لوگوں کو صرف قتل و غارت کی ترغیب دیتے تھے اور عوامی خیالات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ نہیں ایسا نہیں تھا بلکہ وہ لوگوں کو غفلت میں مبتلا کرنے اور ان کے ذہنوں میں مختلف خیالات راسخ کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے تاکہ لوگوں کے ذہن اس بات پر مطمئن ہوجائیں کہ موجودہ صورتحال بہترین ہے اور اسے اسی طرح قائم رہنا چاہئے۔ البتہ مذہبی رجحان رکھنے والے لوگوں میں ان کارگزاریوں کو مذہبی شکل میں پیش کرتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ قاضی شریح سے کیوں مدد مانگی گئی تھی؟ صرف اس لئے کہ لوگوں کو ذہنی طور پر مطمئن کیا جاسکے اور لوگوں کی فکر کو ایک خاص رنگ دیا جاسکے اور وہ انہوں نے دے دیا۔ کربلا میں عاشور کے روز عصر تک یہ پروگرام کامیاب رہا۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''وَکُلٌ یتقربونَ اِلَی اللّٰہِ بِدَمِہِ'' یعنی وہ سب قصد قربت سے آئے تھے۔ وہ امام حسینؑ پر تلواریں اس لئے کھینچ رہے تھے کہ جنت میں جائیں۔ بلاشبہ جیسا کہ فرزدق نے بیان کیا ہے۔ سرداروں نے اپنی ہتھیلیاں رشوت سے بھرلی تھیں لیکن عام لوگ بے خبر تھے اور انہیں ورغلایا جارہا تھا۔ اس حربے نے خاص طور پر ابن زیاد کے پروگرام

Marfat.com

میں ایک بنیادی کردار ادا کیا۔ یزید شراب کے نشے میں چونکہ بہک جاتا تھا اور اسے اپنے اوپر کنٹرول نہیں رہتا تھا اس لئے مستی کے عالم میں اپنے دل کی بات کہہ دیتا تھا اور حقیقت حال کا اظہار کر دیتا تھا کہ میں کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔ نشے کی مستی نے اسے رسوا کیا ورنہ وہ خود بھی اس حربے سے فائدہ اٹھاتا۔

جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں جمع کیا تاکہ انہیں اس واقعہ کی اطلاع دے تو اس نے ایک مذہبی اور پر تقدس انداز اختیار کیا اور کہنے لگا: "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ نَصَرَ اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ وَ حِزْبَه وَخَذَلَ ..... اَلْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیِ اَلْکَذَّاب بنَ الْکَذَّاب." یعنی میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے حق کو فتح بخشی۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ایک کذاب ابن کذاب کو نیست و نابود کر دیا جو لوگوں کو ورغلانا چاہتا تھا۔

ابن زیاد چاہتا تھا کہ لوگ خدا کا شکر ادا کریں اور شاید سیکڑوں افراد ایسے تھے جنہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر ایک روشن ضمیر نابینا شخص وہاں موجود نہ ہوتا تو اس نے (یعنی ابن زیاد نے) حاضرین کو خوب فریب دے دیا تھا۔ خدا اس شخص پر رحمت کرے اس کا نام عبداللہ ابن عفیف تھا۔ بعض اوقات لوگ صحیح موقع پر یوں سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں کہ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ شخص دونوں آنکھوں سے نابینا تھا۔ اس کی ایک آنکھ حضرت امیرالمومنینؑ کی رکاب میں جنگ جمل میں، اور دوسری آنکھ جنگ صفین میں ضائع ہوگئی تھی۔ وہ نابینا تھا اور نابینا ہونے کے باعث کوئی کام نہیں کرسکتا تھا اور جہاد میں شرکت سے معذور تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ اس روز بھی وہ مسجد کوفہ میں موجود تھا۔ جب اس نے یہ جملہ سنا تو اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا: تو جھوٹا ہے اور تیرا باپ جھوٹا ہے اور پھر تقریر شروع کردی۔ ابن زیاد کے آدمی فوراً اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے پکڑ لیا اور بعد میں قتل کر دیا لیکن اس نے فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ ابن زیاد واقعی دونوں معنوں میں حرامزادہ ہے یعنی نابکار بھی ہے اور شیطان بھی۔

جن معاشروں میں لوگ مذہبی رجحان رکھتے ہیں ان میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب

Marfat.com

جابر حکومتیں اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتی ہیں تو جبر کا سہارا لیتی ہیں یعنی ہر چیز خدا سے منسوب کر دیتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ خدا کی مرضی تھی کہ ایسا ہوا۔ اگر مصلحت نہ ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔ خدا خود ایسا نہ ہونے دیتا۔ یعنی جو کچھ ہے وہ وہی ہے جو ہونا چاہئے اور جو کچھ نہیں ہونا چاہئے وہ وہی ہے جو نہیں ہے۔ یہ بذات خود ایک فکر ہے — جبر کی فکر۔ جو کچھ ہے وہ وہی ہے جو ہونا چاہئے اور جو نہیں ہے وہ وہی ہے جو نہیں ہونا چاہئے۔ یہ فکر ابن زیاد کی فکر کے عین مطابق ہے۔

جب اس کا سامنا جناب زینب سلام اللہ علیہا سے ہوا تو وہ فوراً خدا کا مسئلہ درمیان میں لے آیا اور کہا: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ قَتَلَکُمْ وَ..... " یہ جملے بڑے معنی خیز ہیں کہ خدا کا شکر ہے۔ یعنی یہ خدا تھا جس نے تمہیں قتل کیا۔ یہ خدا کی مرضی تھی۔ تم نے مسلمانوں میں عجیب فتنہ کھڑا کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں (اس کی فکر کے مطابق) رسوا کیا۔ اس کی سوچ کے مطابق جو شخص بظاہر میدان جنگ میں شکست کھا جائے وہ رسوا ہو جاتا ہے اور اس کا قصہ تمام ہو جاتا ہے۔ اگر وہ حق پر ہوتا تو میدان جنگ میں غالب آتا۔ "واکــذب..... "یعنی تمہارا مغلوب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تم جو کچھ کہتے تھے وہ جھوٹ تھا۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے فرمایا: "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ..... " خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں عزت بخشی کیونکہ اس نے اپنا پیغمبرؐ ہمارے درمیان پیدا کیا اور ہم پیغمبرؐ کے خاندان میں سے ہیں۔ "اِنَّمَا یَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ وَیَکْذِبُ الْفَاجِرُ..... " جو شخص میدان جنگ میں شکست کھا جائے وہ رسوا نہیں ہوتا، رسوائی کا معیار کچھ اور ہے، رسوائی کا معیار حق پرستی اور حق طلبی ہے۔ عزت و ذلت کا معیار یہ ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں شہید ہو جائے وہ رسوا نہیں ہوتا بلکہ رسوا وہ شخص ہوتا ہے جو ظلم و ستم کرتا ہے اور حق سے منحرف ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ جو شخص قتل ہو جائے اس کے بارے میں کہا جائے کہ وہ جو کچھ کہتا تھا وہ جھوٹ تھا۔ کسی چیز کے سچا یا جھوٹا ہونے کا معیار خود انسان ہے، اس کا نظریہ ہے اور اس کا قول و فعل ہے۔ میرا بھائی حسینؑ قتل بھی ہو جائے جب بھی وہ سچا ہے اور اگر زندہ رہے

Marfat.com

تب بھی وہ سچا ہے۔ تو اگر مارا جائے جب بھی جھوٹا ہے اور زندہ رہے تب بھی جھوٹا ہے۔ ''وَهُوَ غَيْرُنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ.....'' پھر آپ نے اس پر بھرپور حملہ کیا اور ایک ایسا جملہ کہا جس سے ابن زیاد کا جگر جل کر خاک ہوگیا۔ آپؑ نے فرمایا: ''اے ابن مرجانہ!'' مرجانہ ابن زیاد کی ماں تھی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کی ماں کا نام لے کیونکہ وہ ایک بدنام عورت تھی۔ بدنام عورت مرجانہ کا بیٹا! رسوا تو مرجانہ کے بیٹے کو ہونا چاہئے۔ یہ وہ موقع تھا جب ابن زیاد بے بس ہوگیا۔

''فَغَضَبَ وا.....'' یعنی وہ اس قدر طیش میں آیا کہ اس نے کہا: جلاد کو بلاؤ اور اسے کہو کہ اس عورت کی گردن اڑادے۔

امر بن..... جو خوارج میں سے تھا اور امیرالمؤمنین علیہ السلام کا دشمن تھا اور ان کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتا تھا ابن زیاد کے دربار میں موجود تھا۔ جب ابن زیاد نے کہا کہ ''جلاد کو بلاؤ'' تو اس کی عربیت کی رگ پھڑک اٹھی۔ وہ کہنے لگا: اے امیر! کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ تم ایک ایسی عورت سے بات کررہے ہو جس نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ تم اس عورت سے بات کررہے ہو جس کے بھائی قتل ہوچکے ہیں اور عزیز بچھڑ گئے ہیں۔

''وَعُرِضَ عَلَيْهِ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ.....'' پھر علیؑ بن حسینؑ کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے فرعون کی طرح آواز دی: ''مَنْ أَنْتَ؟'' (ظالم و جابر افراد کی سوچ کے انداز کو ایک مرتبہ پھر پیش نظر رکھیں) یعنی تو کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ'' — میں علیؑ بن حسینؑ ہوں۔

ابن زیاد نے کہا: ''أَلَيْسَ اللّٰهُ قَدْ قَتَلَ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ؟'' یعنی کیا علیؑ بن حسینؑ کو خدا نے کربلا میں قتل نہیں کردیا؟ (یہاں پھر اپنے عمل بد کو خدا سے منسوب کردیا گیا تاکہ باور کرایا جاسکے کہ یہ سب ملعون حق پر ہیں)۔

آپ نے فرمایا: میرا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علیؑ (اکبرؑ) تھا۔ لوگوں نے اسے کربلا میں قتل کردیا۔

ابن زیاد نے کہا: نہیں، اسے خدا نے قتل کیا۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا: بلاشبہ ہر روح کا قبض کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن اسے لوگوں نے قتل کیا۔

پھر ابن زیاد نے کہا: علی اور علی یعنی کیا مطلب؟ تمہارے باپ نے اپنے دو بچوں کے نام علی رکھے تھے اور تیرا نام بھی علی رکھا۔ کیا کوئی اور نام نہیں تھا جو وہ رکھتا۔

آپ نے فرمایا: میرے والد بزرگوار کو اپنے والد سے عقیدت تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اپنے بیٹوں کے نام اپنے باپ کے نام پر رکھیں۔ یعنی یہ تم ہو جسے اپنے باپ زیاد کی وجہ سے شرم محسوس ہونی چاہئے۔

ابن زیاد اس گمان میں تھا کہ علیؑ بن حسینؑ ہرگز کوئی جواب نہ دے پائیں گے۔ اس کے خیال کے مطابق ایک قیدی کو جرأت کلام نہیں ہونی چاہئے تھی اور جب اس نے کہا تھا کہ یہ خدا کا کام تھا تو وہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے اور کہتے کہ ہاں یہ خدا کی مرضی تھی۔ ہمارے مقدر میں یہی تھا جو ہمارے ساتھ ہوا، یہ ممکن نہ تھا کہ ہمارا حشر کچھ مختلف ہوتا۔

لیکن جب اس نے دیکھا کہ علیؑ بن حسینؑ ایک قیدی ہوتے ہوئے ایسی باتیں کر رہے ہیں تو اس نے کہا: "فَانْتَ جَرْأَتَ عَلَیَّ" یعنی ابھی تم میں دم خم باقی ہے۔ ابھی تمہارے اندر جان باقی ہے۔ ابھی بھی تم میرے سامنے بول رہے ہو۔ جلاد! آ اور اس کی گردن اڑا دے۔

لکھا ہے کہ جب اس نے کہا: جلاد اس کی گردن اڑا دے تو جناب زینب سلام اللہ علیہا اپنی جگہ سے اٹھیں اور علیؑ بن حسینؑ کو اپنی بانہوں میں لے لیا اور فرمایا: "خدا کی قسم تم اس کی گردن اس وقت تک نہیں اڑا سکتے جب تک زینبؑ کی گردن نہ اڑا دو۔"

لکھا ہے کہ ابن زیاد کافی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا اور پھر کہنے لگا: خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر اس وقت ہم اس جوان کو قتل کرنا چاہیں تو پہلے اس عورت کو قتل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اپنے ارادے سے باز رہا۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص۳۱۲ تا ۳۱۸)

Marfat.com

مقدس شک

ایک صحابیٔ رسولؐ تیزی سے دوڑتا ہوا حضرت رسول محتشمؐ کی خدمت میں آیا اور چیخ کر بولا: یارسول اللہؐ! میں برباد ہو گیا، میری فریاد کو پہنچیں، میری فریاد کو پہنچیں۔

صاحب ماکان و ما یکون رسولؐ نے اسے دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی پریشانی بتاتا آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تمہیں کیا مسئلہ درپیش ہے۔ یقیناً شیطان تمہارے پاس آیا اور اس نے تم سے پوچھا کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے اور تم نے جواب دیا کہ اللہ نے۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: پھر شیطان دوبارہ تمہارے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اب یہ بتاؤ کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے اور تم اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں، تم ڈر گئے۔ یہ عین ایمان ہے یعنی تمہارا شک ایک ''مقدس شک'' ہے۔ جب یہ وسوسہ تمہارے دل میں پیدا ہوا اور تم سراسیمگی اور اضطراب کی حالت میں دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے اور تم نے اس شک سے بچنا اور یقین کی ''پناہ'' میں آنا چاہا تو یہ عین ایمان ہے۔ اللہ ضرور تمہیں نجات دے گا۔

اب دیکھئے کہ اللہ نے اسے کس طرح نجات دی۔ وہ ایک عام شخص تھا۔ رسول اکرمؐ نے اس سے فرمایا: کیا تم بہت پریشان ہو؟

اس نے عرض کیا: جی ہاں، یارسول اللہؐ!

آپ نے فرمایا: عبادت کرو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کیا کرو۔ یہ تمام وسوسے تمہارے ذہن سے زائل ہو جائیں گے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کا نتیجہ بھی اسے مل گیا۔

(مجموعہء مقالات ص ۲۷۰)

غلطی کی معذرت

بہت عرصہ پہلے میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ پتا نہیں مجھے یہ واقعہ بیان کرنا چاہئے بھی یا نہیں۔ بہرحال میں اس وقت طالب علم تھا۔ دیگر ادوار کے مقابلے میں کم ہی سہی لیکن زمانہ طالب علمی میں بھی بہرحال انسان کو بعض اوقات ایسی محفلوں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے جہاں حاضرین مختلف لوگوں کی غیبت کررہے ہوتے ہیں اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس لعنت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خدا غریق رحمت کرے میرے استادؒ حضرت آیت اللہ العظمٰی آقای حجتؒ کو جن سے میں نے سالہا سال درس پڑھا اور ان کے درس میں انعام بھی حاصل کیا۔ میں نے یہ انعام ان سے ایک عام مقابلے میں حاصل کیا تھا۔

ایک مرتبہ میں ایک ایسی محفل میں شریک ہوا اور ایک ایسی صورتحال میں گھر گیا جہاں کچھ لوگ اس بزرگوار کی غیبت کررہے تھے۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ یہ اچھا نہیں ہوا اور مجھے اپنے آپ کو اس سے دور رکھنا چاہئے تھا۔

آقائے حجت مرحوم ایک مرتبہ گرمیوں کے موسم میں حضرت عبدالعظیم (تہران میں ایک جگہ کا نام ہے) تشریف لائے۔ میں ایک روز بعد دوپہر ان کے گھر گیا، دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ انہیں اطلاع دی جائے کہ فلاں شخص آیا ہے۔ وہ گھر پر موجود تھے۔ انہوں نے مجھے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں اندر گیا تو وہ سر پر ایک ٹوپی اوڑھے ہوئے، ایک تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے (ان دنوں وہ ضعیف العمر اور مریض تھے۔ یہ ان کی وفات سے دو تین سال پہلے کا واقعہ ہے)۔

میں نے کہا: آقا! میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔

انہوں نے فرمایا: کیا بات ہے؟

میں نے عرض کیا: میں آپ کی غیبت کا مرتکب ہوا ہوں لیکن اپنی زبان سے کم کی ہے اور سنی زیادہ ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں ایسی محفل میں کیوں شریک ہوا جس میں آپ کی

غیبت ہو رہی تھی اور پھر بعض اوقات خود میری زبان پر بھی آپ کی غیبت جاری ہوگئی۔ اب چونکہ میں نے عہد کرلیا ہے کہ آئندہ ہرگز غیبت نہ کروں گا اور آپ کی غیبت بھی ہرگز کسی سے نہ سنوں گا اس لئے میں معافی کی درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔

انہوں نے کمال عالی ظرفی کے ساتھ جواب دیا: ہم جیسے لوگوں کی غیبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک غیبت ایسی ہوتی ہے کہ جس کے نتیجے میں اسلام کی توہین ہوتی ہے اور ایک غیبت ایسی ہوتی ہے کہ اس کا تعلق صرف ہماری ذات سے ہوتا ہے۔

میں ان کا مطلب سمجھ گیا اور میں نے عرض کیا: میں نے کوئی ایسی گستاخی نہیں کی اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے اسلام کی توہین ہوتی ہو اور جو کچھ بھی کہا گیا اس کا تعلق صرف اور صرف آپ کی ذات سے تھا۔

انہوں نے فرمایا: بس تو میں نے معاف کیا۔ (گفتارہای معنوی ص ۱۴۵۔۱۴۶)

خوارج کے خلاف جنگ

اگر ہم اس بات پر خدا کا شکر ادا کریں کہ ہم حضرت امیرالمومنینؑ کے زمانے میں نہ ہوئے تو شاید غلط نہ ہو کیونکہ اگر ہم اس زمانے میں ہوتے تو ہوسکتا ہے کہ ہم ایسے ایمانی مدارج پر نہ ہوتے کہ ثابت قدم رہتے۔ مثلاً ممکن تھا کہ اگر ہم حضرت امیرالمومنینؑ کے زمانے میں ہوتے تو شاید جنگ جمل میں شریک ہو جاتے اور جنگ صفین میں مولا کے ہم رکاب ہوتے لیکن بعید ہے کہ اس بات کی بھی جرأت کرتے کہ جنگ خوارج میں بھی شریک ہوں کیونکہ اس موقع پر حضرت امیرالمومنینؑ ان لوگوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے گئے ہیں جو "قائم اللیل اور صائم النہار" تھے۔ ان کے ماتھوں پر سجدوں کے نشان تھے جباھاً قرحة ۔ وہ ماتھے جن پر کثرت سجود سے گٹھے پڑے ہوئے تھے۔ کس میں یہ جرأت تھی کہ ان سے جنگ کرتا؟ ان کے خلاف صرف حضرت امیرالمومنینؑ ہی جنگ کرسکتے تھے کیونکہ ان کی نگاہ صرف ظاہر پر نہیں ہوتی تھی حالانکہ حضرت امیرالمومنینؑ نے بھی اقرار کیا ہے کہ یہ لوگ ظاہردار اور جھوٹے نہیں تھے۔

Marfat.com

لطف کی بات یہ ہے کہ اگر وہ منافق ہوتے تو معاملہ اتنا اہم نہ ہوتا لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ رات کو نمازیں پڑھتے تھے اور دن بھر روزے رکھتے تھے۔ تاہم ان کا وجود اسلام کے لئے سنگین خطرہ بن گیا تھا۔ وہ اتنے سرکش تھے کہ اسلام کو دشمنان اسلام سے زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اگر حضرت امیرالمومنینؑ ان دنوں خوارج کے خلاف تلوار نہ کھینچتے اور خود آپ ایک بلند شخصیت کے مالک نہ ہوتے اور وہ احادیث جو رسول اکرمؐ نے آپ کی شان میں ارشاد فرمائی ہیں موجود نہ ہوتیں اور اس کے علاوہ اگر حضرت امیرالمومنینؑ کے ایمان، زہد اور تقویٰ کی وہ بلندی نہ ہوتی تو ان کے بعد کسی خلیفہ میں اتنی جرأت نہ ہوتی کہ وہ خوارج کے خلاف جنگ کر سکے اور کوئی سپاہی یہ جرأت نہ کرتا کہ ان کے مقابلے پر آئے۔ لیکن چونکہ حضرت امیرالمومنینؑ اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھا چکے تھے لہذا وہ (یعنی بعد میں آنے والے خلیفہ) بھی ان سے جنگ کرتے رہے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف علی ابن ابی طالبؑ نے جنگ کی تھی۔ اگر ان سے لڑنا درست نہ ہوتا تو حضرت علی ابن ابی طالبؑ بھی ان سے جنگ نہ کرتے۔

لکھا ہے کہ ایک رات حضرت امیرالمومنینؑ اپنے ایک صحابی کے ہمراہ ایک بازار کے کوچے سے گزر رہے تھے۔ اچانک انہوں نے کسی کو بڑی پرسوز اور دلکش آواز کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: "اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا....." (سورۂ زمر: آیت۹) حضرت امیرالمومنینؑ کے صحابی کے پاؤں وہیں جم کر رہ گئے۔ وہ کہنے لگے: یا امیرالمومنینؑ! یہ شخص کتنا خوش نصیب ہے۔

آپ نے فرمایا: نہیں، اس پر رشک نہ کرو۔ بات ختم ہوگئی۔

ایک عرصے کے بعد جب خوارج کا واقعہ پیش آیا تو اتفاق سے وہی شخص آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ جب وہ مقتولین کے بیچ میں سے گزر رہے تھے تو ایک لاش کے پاس پہنچے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے صحابی سے فرمایا: یاد کرو! یہ وہی شخص ہے جو اس رات قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا اور جسے تم نے خوش قسمت سمجھا تھا۔ (اسلام و مقتضیات زمان، ص۶۷۔۶۸)

Marfat.com

اسلام اور عصری تقاضے (۱)

جب ہم کتب سیرت کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بعض اوقات ایک امام کی سیرت دوسرے امام سے یا سیرت پیغمبرؐ سے مختلف نظر آتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسنؑ نے تو امیر شام سے صلح کر لی لیکن امام حسینؑ نے اس کے بیٹے سے جنگ کی۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ انتہائی سادہ لباس پہنتے تھے جبکہ امام زین العابدینؑ سنجاب کا قیمتی لباس زیب تن فرماتے تھے اور ہر سال اپنے لئے سنجاب کا نیا لباس بنواتے تھے۔ لیکن ہمیں رسول اکرمؐ کی سیرت میں یہ دو مختلف پہلو دکھائی نہیں دیتے۔

کتاب کافی میں لکھا ہے کہ ایک روز سفیان ثوری، امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مرغی کے انڈے کے چھلکے کی مانند بڑا نرم و نازک سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس نے عرض کیا کہ فرزند رسول! کیا آپ کے لئے ایسا لباس پہننا مناسب ہے؟

آپ نے فرمایا: اس میں کیا حرج ہے۔

سفیان نے کہا: کیا آپ اہل دنیا میں سے ہونا چاہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: بنیادی طور پر دنیا کی نعمتیں صالحین کی ملکیت ہیں فاسقوں کی نہیں۔ اے سفیان! ایک صورت تو یہ ہے کہ تمہارے دل میں کھوٹ ہے اور تم اپنے کسی مقصد کے تحت بات کر رہے ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ تمہیں حقیقت جاننے میں مغالطہ ہوا ہے۔

سفیان امامؑ کا جواب سن کر چلا گیا۔ بعد میں اس کے چند تقدس مآب ساتھی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارا ساتھی سفیان آپ کی بات کا جواب نہیں دے سکا لیکن ہم آپ سے مباحثہ کرنے آئے ہیں جو کچھ آپ نے فرمایا ہے ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہت خوب۔ اگر مباحثہ کرنا ہے تو وہ کون سی بنیادی چیز ہوگی جسے ہم ایک دوسرے کے لئے قبولیت کا معیار قرار دیں؟

انہوں نے کہا: قرآن۔

آپ نے فرمایا: کوئی چیز قرآن سے بہتر نہیں بشرطیکہ تم اسے سمجھ سکو۔ پھر آپ نے

Marfat.com

فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ جو خلش تمہارے دل میں ہے وہ ''سیرت رسولؐ'' اور ''سنت صحابہؓ'' کا مسئلہ ہے۔ تمہارا ذہن اس لئے الجھا ہوا ہے کہ جب رسول اکرمؐ اور امیرالمومنینؑ ایسے کپڑے نہیں پہنتے تھے تو میں کیوں پہنتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ اس مسئلے کا تعلق اسلام سے نہیں بلکہ زمانے سے ہے۔ اگر رسول اکرمؐ میرے زمانے میں ہوتے تو وہ میرے جیسا لباس پہنتے اور اگر میں آنحضرتؐ کے زمانے میں ہوتا تو انہیں جیسا لباس پہنتا۔ اس معاملے میں جو چیز اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے وہ مواسات ہے۔ یعنی مسلمانوں میں ہمدردی کا احساس ہونا چاہئے اور ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے مالی واجبات ادا کرے۔ یہ ایک ناقابل تغیر قانون ہے اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ اس کا بھروسہ روپے پیسے پر نہیں بلکہ خداوند عالم کی ذات پر ہو۔ یہی حقیقی معنوں میں زہد ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ انسان کس قسم کے لباس کا انتخاب کرے یہ بھی عصری مسئلہ ہے۔ رسول اکرمؐ کے زمانے میں عام لوگوں کے حالات بہت ناگفتہ بہ تھے۔ جنگ تبوک میں اسلامی لشکر کو جیش العسرۃ کا نام دیا گیا تھا کیونکہ اس لشکر کے پاس جو تیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اشیائے خورد ونوش کی اتنی کمی تھی کہ لوگوں کے دل گھٹتے تھے اور اس ضعف کو دور کرنے کے لئے تین چار آدمی اپنے کو کھجور کے ایک دانے سے سیر کرتے تھے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جبکہ ان کے پاس تین چالیس تلواریں اور تین یا چار گھوڑے تھے۔ اس کے مقابلے میں دشمنوں کی تعداد نوسو اور ہزار کے لگ بھگ تھی اور وہ ہر روز کھانے کے لئے کئی اونٹ ذبح کرتے تھے۔ اہل صفہ اس قدر نادار تھے کہ ان کے پاس نماز میں ستر ڈھانپنے کے لئے ایک سے زیادہ کپڑا نہیں تھا اور وہ یکے بعد دیگرے اسی ایک کپڑے کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ جب رسول اکرمؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے گھر آئے اور ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو فوراً واپس چلے گئے۔ حضرت فاطمہؑ سمجھ گئیں اور فوراً پردہ اتار دیا اور اپنے بازو پر سے چاندی کی چوڑی اتار کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئیں تاکہ آپ اسے نادار لوگوں پر خرچ کردیں۔ یہ ہے حقیقی مواسات۔

اس زمانے میں مواسات کا تقاضا یہ تھا کہ کسی شخص کے گھر میں ایک پردہ تک نظر نہ

Marfat.com

آئے لیکن ہمارے زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنت قائم ہو جانے کے نتیجے میں لوگوں کا معیار زندگی بدل چکا ہے۔ پھر بھی مجھے چاہئے کہ اعتدال کی حد سے باہر نہ نکلوں۔ جو لباس میں آجکل پہنتا ہوں وہ عصری لحاظ سے ایک درمیانے درجے کا لباس ہے۔ اسلام میں لباس بنیادی چیز نہیں کہ لازمی طور پر ایک ہی طرح کا لباس پہنا جائے بلکہ اسلام کا ایک اصول ہے جس کے مطابق لباس پہننا چاہئے۔ وہ اصول ناقابل تغیر ہے۔ وہ ایک ایسا اصول ہے جو زمانے کے مطابق انسان کی ذمہ داری بدل دیتا ہے۔ اگر کوئی چیز اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہو تو اسے بدلا نہیں جاسکتا لیکن جس چیز کو اسلام نے معین نہیں کیا اس میں سے ایک لباس ہے۔ حتمی صورت صرف اس چیز کے لئے ہے جسے اسلام نے معین کر دیا ہو۔ پس دیکھئے کہ اس مقام پر زمانے کی تبدیلی انسان کی ذمہ داری کو بدل دیتی ہے۔ (اسلام ومقتضیات زمان ص ۱۲۳۔۱۲۴)

اسلام اور عصری تقاضے (۲)

ایک شخص حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آیا اور اس نے اعتراض کیا کہ آپ داڑھی کو خضاب کیوں نہیں لگاتے؟ کیا رسول اکرمؐ نے یہ حکم نہیں دیا کہ "غیروا الشیب" یعنی سفید بالوں کو رنگ دو۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے جواب دیا: ہاں آنحضرتؐ نے یہ حکم دیا ہے۔

اس نے عرض کیا: پھر آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟

آپ نے فرمایا: یہ حکم بذات خود لازم نہیں بلکہ ایک مقصد کے حصول کی خاطر دیا گیا تھا جس کا تعلق اس زمانے سے تھا لیکن اب اس مقصد کو حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ مقصد یہ تھا کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ جنگوں میں شریک ہونے والے سپاہی زیادہ تر بوڑھے ہوتے تھے اور ان کی پوری داڑھیاں سفید ہوتی تھیں۔ جب دشمن دور سے دیکھتا تھا کہ ان کے درمیان کئی ایک سفید داڑھیوں والے ہیں تو اس کا حوصلہ بڑھ جاتا تھا اور جنگ

Marfat.com

میں حوصلہ ہی سب سے بڑا اسلحہ ہوتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے محسوس کیا کہ اگر یہ لوگ سفید داڑھیوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئیں گے تو دشمن کی پہلی نظر ان پر پڑتے ہی اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ لہذا آپ نے داڑھیوں کو خضاب لگانے کا حکم دیا تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے بڑھاپے کا علم نہ ہوسکے۔ یہ اس وقت کی جنگی ضرورت تھی۔ آجکل یہ ضرورت نہیں رہی اور ہر شخص اس معاملے میں آزاد ہے۔

اب ہمیں یہاں ایک اصول ملتا ہے اور اس اصول کو ہر زمانے میں مستحکم رہنا چاہئے اور وہ اصول یہ ہے کہ خواہ زمانہ جنگ کا ہو یا امن کا، ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے دشمن کا حوصلہ بلند ہو۔ لہذا ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے نقائص کو دور کریں۔ ہمیں ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے غیر مسلم مسلمانوں کو کمزور سمجھنے لگیں۔ اس محکم اصول کو جب ہم ایک خاص زمانے میں جاری کرنا چاہیں تو اس کے اجراء کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بوڑھے اپنی داڑھیوں کو خضاب لگائیں۔ لیکن اس اصول کے اجراء کی یہ صورت ہر زمانے میں قائم نہیں رہ سکتی۔ (اسلام ومقتضیات زمان ص۱۶۲۔۱۶۳)

مواسات

معتب جو امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر میں باورچی خانے کے منتظم کے طور پر کام کرتا تھا بیان کرتا ہے کہ ایک شب میں نے ایک شخص کو گھر سے نکلتے دیکھا۔ خوب غور کرنے پر پتا چلا کہ خود حضرت ہیں۔ چونکہ مجھے اجازت نہ تھی اس لئے میں خفیہ طور پر ساتھ ساتھ چلنے لگا کہ مبادا کوئی دشمن آپ کو گزند نہ پہنچائے۔

میں آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تھیلا جو آپ اٹھائے ہوئے تھے آپ کے کندھے پر سے گر گیا۔ امامؑ نے یہاں ایک ذکر پڑھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

میں نے جواب دیا: جب میں نے آپ کو گھر سے نکلتے دیکھا تو میں نے آپ کو تنہا چھوڑنا مناسب نہیں جانا۔ پھر میں نے سامان جمع کیا اور تھیلے میں ڈال دیا۔

پھر میں نے عرض کیا: آقا! اجازت دیجئے کہ میں اسے اپنے کندھے پر اٹھالوں۔

آپ نے فرمایا: کیا تم قیامت کے روز میرا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالو گے؟

ہم چل پڑے حتیٰ کہ ظل بنی ساعدہ پہنچے، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ غریبوں کی بستی ہے۔ میں نے دیکھا کہ امامؑ نے وہ روٹیاں خاموشی سے ان لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

میں نے عرض کیا: کیا یہ شیعہ ہیں؟

آپ نے فرمایا: نہیں۔

میں نے کہا: باوجودیکہ یہ شیعہ نہیں ہیں آپ ان کی مدد کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: اگر یہ شیعہ ہوتے تو میں ان کے لئے نمک بھی لاتا۔

(اسلام و مقتضیات زمان ص ۱۲۵)

جھوٹے مرثیے

روضۃ الشہداء مرثیوں کی ایک مشہور کتاب ہے۔ فارسی زبان میں مرثیے کی پہلی کتاب یہی ہے جو آج سے پانچ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ یہ ملا حسین کاشفی کی تالیف ہے۔ اس کتاب سے پہلے لوگ اصلی مصادر سے رجوع کرتے تھے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی ''ارشاد'' ایک بڑی ٹھوس تصنیف ہے۔ اگر ہم شیخ مفیدؒ کی ''ارشاد'' سے رجوع کریں تو ہمیں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اہلسنت میں سے طبری، ابن اثیر، یعقوبی، ابن عساکر اور خوارزمی نے اس موضوع پر لکھا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس ظالم نے کیا ظلم ڈھایا ہے۔ جب میں نے یہ کتاب پڑھی تو پتا

Marfat.com

چلا کہ نام تک جعلی ہیں۔ یعنی امام حسینؑ کے اصحاب کا ذکر کرتے ہوئے وہ ایسے نام لیتا ہے جن کا قطعاً کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ دشمنوں میں بھی وہ ایسے نام لیتا ہے جو سب جعلی ہیں۔ اس نے داستانوں کو افسانوی شکل دیدی ہے۔ اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی۔ لہذا مرثیہ خوانوں نے جو عموماً ان پڑھ تھے اور عربی کتابوں سے رجوع نہیں کر سکتے تھے اسی کتاب کو اپنا لیا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے وہی مجالس میں پڑھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل ہم عزائے حسینؑ کی مجالس کو روضہ خوانی (نوحہ خوانی) کہتے ہیں۔ امام حسینؑ سے امام صادقؑ اور امام صادقؑ سے امام حسن عسکریؑ کے زمانے میں روضہ خوانی کی اصطلاح رائج نہ تھی اور بعد میں سید مرتضی علم الہدیٰؒ اور خواجہ نصیرالدین طوسیؒ کے زمانے میں بھی ان مجالس کو روضہ خوانی نہیں کہتے تھے۔ گزشتہ پانچ سو سال سے ان کا نام روضہ خوانی پڑ گیا ہے۔ روضہ خوانی یعنی کتاب روضۃ الشہداء کا پڑھنا یا اس کتاب کا پڑھنا جو جھوٹ کا پلندہ ہے۔ جس وقت سے یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ آئی ہے کسی نے امام حسین علیہ السلام کی صحیح تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا۔

ساٹھ ستر سال پہلے مرحوم ملا آقای دربندی سامنے آئے۔ انہوں نے روضۃ الشہداء کے تمام مندرجات میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا اور ان سب کو جمع کر کے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''اسرار الشہادت'' ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر انسان کا ''اسلام پر رونے'' کو جی چاہتا ہے۔

حاجی نوری نے ایک اور حکایت نقل کی ہے جو پرتاثیر ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک شخص مرحوم صاحب مقامہ [1] کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے گزشتہ رات ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔

انہوں نے پوچھا: کیا خواب دیکھا ہے؟

اس نے جواب دیا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ اپنے ان دانتوں کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے بدن کا گوشت نوچ رہا ہوں۔

۱۔ مرحوم آقا محمد علی کے والد اور مرحوم وحید بہبہانی کے فرزند اور یہ دونوں بزرگ ہستیاں تھیں۔ مرحوم آقا محمد علی کرمان شاہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے بڑا اثر و رسوخ اور اقتدار پیدا کیا۔

Marfat.com

وہ عالم یہ سن کر لرز گئے۔ انہوں نے اپنا سر جھکا لیا اور کچھ دیر سوچا۔ پھر کہا: شاید تم مرثیہ خواں ہو۔

اس نے کہا: جی ہاں۔

انہوں نے فرمایا: یا تو تم سرے سے مرثیہ خوانی ہی ترک کردو یا پھر معتبر کتابوں سے نقل کیا کرو۔ تم اپنی ان جھوٹی روایات کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کا گوشت اپنے دانتوں سے نوچتے ہو۔ یہ خداوند تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے اس خواب کے ذریعے تمہیں خبردار کردیا ہے۔ (حماسۂ حسینی جلد اول ص۴۵ تا ۴۷)

نادان ناصح

میری عمر چودہ پندرہ سال تھی جب میں نے عربی کی ابتدائی چیزیں تھوڑی بہت پڑھ لی تھیں۔ یہ مشہور ''واقعۂ خراسان'' کے بعد کی بات ہے۔ جب مشہد کا حوزۂ علمیہ بالکل ختم ہوگیا تھا اور جو کوئی حوزۂ علمیہ کی اس حالت کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ اب روحانیت بالکل ناپید ہوجائے گی۔

ایک ایسی صورتحال درپیش تھی کہ جس کے بارے میں لکھنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مجھے دعوت دی گئی اور میں نے ایک مضمون لکھا۔ ان دنوں ایک شخص اس علاقے میں ایک اہم عہدے پر تعینات تھا۔ جب اس نے وہ مضمون پڑھا تو اس نے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا۔ اسے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ میں ابھی تک علوم اسلامی میں الجھا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے سمجھایا اور نصیحت کی کہ میاں صاحبزادے! وہ وقت گیا جب لوگ نجف یا قم جایا کرتے تھے اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے تھے۔ وہ دور گزر چکا ہے۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت عصری تقاضوں کے مطابق کرو۔

پھر اس نے کہا: کیا یہ دوسرے جوان جو میزوں کے پیچھے بیٹھے ہیں چھ انگلیاں رکھتے

622,3382-922P
320.92 T740570

ہیں؟ اس نے بہت کچھ کہا تا کہ میں یہ خیالات اپنے ذہن سے نکال دوں لیکن میں نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیا۔

پھر میں قم چلا گیا اور وہاں پندرہ سال مقیم رہا۔ بعدازاں جب میں تہران آیا تو پہلی علمی تصنیف جو میں نے شائع کی وہ اصول فلسفہ کی کتاب تھی۔ وہ شخص بھی بعد میں مجلس کا منبر بن گیا۔ وہ سمجھدار آدمی تھا۔ جوانی کے زمانے میں اس کے حالات اچھے نہ تھے لیکن اب ان میں تبدیلی آ گئی تھی۔

جب ''اصول فلسفہ'' شائع ہوئی تو اس واقعہ کو تقریباً سترہ سال گزر چکے تھے۔ کتاب کا ایک نسخہ اس کے ہاتھوں میں بھی پہنچا۔ اس وقت تک وہ یہ بات بھول چکا تھا کہ اس نے مجھے نصیحت کی تھی کہ ان علوم کو ترک کر دوں۔ پھر میں نے سنا کہ وہ جہاں کہیں بیٹھتا تھا مبالغے کی حد تک میری تعریف کرتا تھا۔

حتیٰ کہ ایک مرتبہ اس نے میرے سامنے میری بہت زیادہ تعریف کی۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے سترہ سال قبل مجھے نصیحت کی تھی کہ ان علوم کو ترک کر دوں۔ اگر میں اُس وقت اس کی بات پر کان دھرتا تو اس وقت کسی دفتر کی میز کے پیچھے بطور کلرک بیٹھا ہوتا جبکہ اس وقت یہ میری اتنی تعریف کر رہا ہے۔

(اسلام و مقتضیات زمان ص۱۶۲۔۱۶۳)

Apostlehood

Apostlehood

اسلامی داستانیں

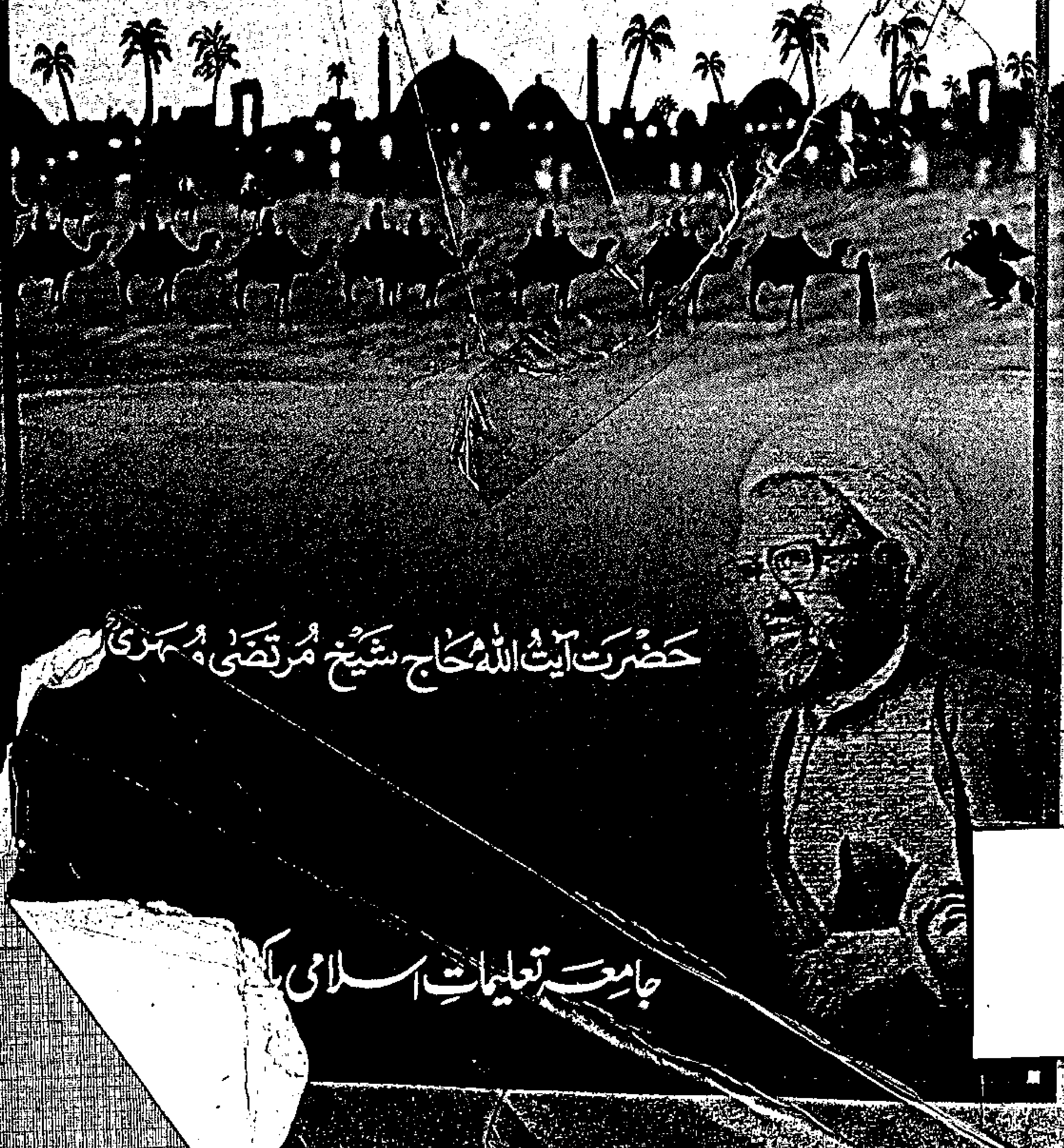

حضرت آیت اللہ حاج شیخ مرتضیٰ مطہری

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پا

Marfat.com